آہوں کے گیت

عفّت موہانی

قیمت
اٹھارہ روپیہ

ناشر
نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ لکھنؤ

فون } آفس :- ۲۲۵۵۹
رہائش :- ۲۵۳۳۴

ناشر: عزیز الرحمٰن (دسمبر ۱۹۷۲ء) پرنٹر: سرفراز قومی پریس لکھنؤ

آہوں کے گیت

اپنی توہین پر اس کا خون کھول رہا تھا!
تو یہ جانی بوجھی اسکیم تھی! اس نے مٹھیاں بھینچ کر سوچا۔ بہتیرے استہزائیہ جملے ابھی تک اس کے کانوں میں گونج رہے تھے! انتقام! اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں جکڑ لیا۔ بیشک آج میں مجبور ہوں مگر آنے والے کل پر میرا اختیار ہوگا۔
اس نے دیکھا یونیورسٹی کمپاؤنڈ میں سنہری دھول اڑ رہی تھی! اور بیشمار لوگ اس دھول میں غائب ہو رہے تھے۔ شور و غل کہیں پس منظر میں برپا تھا! لان پر کاریں پارک ہو رہی تھیں۔ ہارن گونج رہے تھے اور پتہ نہیں کہاں کہاں سے لوگ امڈے آ رہے تھے۔
ڈھلتے ہوئے سورج کی زرد اور اداس کرنیں یونیورسٹی کی پتھریلی دیواروں پر رینگ رہی تھیں۔ درختوں کے سائے طویل ہونے لگے تھے۔ ہوائیں گرم و تند تھیں۔ عمارت پر ایک مضمحل سناٹا طاری تھا! وہ ماہ مارچ کی ایک اداس سہ پہر تھی۔
بزم ادب کا بڑا شاندار جلسہ امتحان ہال میں منعقد ہونے والا تھا۔ بڑے معزز مہمان، وزیر تعلیم، پروفیسر اساتذہ صاحبان اور وائس چانسلر وغیرہ مدعو تھے۔ ہال میں سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔

ڈائس کے پیچھے وہ لوگ تھے جنھیں پروگرام پیش کرنا تھا۔ سامعین کی اگلی صف میں مہمان اور پروفیسر تھے۔ پچھلی صفوں میں ہڑبونگ مچا تھا۔ اور یہاں کسی قسم کی کوئی تفریق بھی نہیں تھی۔ بے تکے قہقہے لگ رہے تھے۔ ناگوار آوازے کسے جا رہے تھے۔ جلسہ ضرور بزم ادب کی طرف سے تھا لیکن فی الحال تو خاصی بے ادبی اور طوفان بے تمیزی برپا تھا کہ اساتذہ صاحبان تک اس ہڑ پر قابو نہ پا سکے۔

اس نے ایک طائرانہ نظر ہال پر ڈالی اور کچھ سوچنے لگا۔

ایسی صورت میں بھلا کون تقریر کرے گا۔ کون کان دھر کے سنے گا۔؟ جب کہ سب ہی تقریباً ہوٹنگ کے لئے اکٹھا ہوئے ہیں۔

اس کی نظروں تلے اوصاف، صدیقی اور اس کے دوستوں کے چہرے پھرنے لگے۔ استہزائیہ اور تمسخرانہ انداز میں مسکراتے ہوئے۔

اسے تقریر کی تیاری کرتے ہوئے دیکھ کر اوصاف نے ایک دل شکن قہقہہ لگایا۔

"ارے بھئی سنا ہے۔" وہ اپنے دوستوں سے بولا "مدام ایسا ہوتا ہے کہ آج کچھ لوگ بھرے مجمع میں استادوں کا احسان اتارنے والے ہیں۔"

"یقیناً۔" صدیقی نے جواب دیا۔ "کوئی کسی پر مفت احسان تو نہیں کرتا۔ استادوں کی خوشامدیں کرنا، ان کے گھر کا سودا سلف لانا، ان کے بچے کھلانا کچھ کم معمولی سروس تو ہے نہیں۔ مستزاد یہ کہ کسی محنت کے بغیر ہر سال نمایاں پوزیشن لانا بھی بڑا کام ہے۔ اب فرداً فرداً کوئی کب تک شکریہ ادا کرے۔"

"ارے تم نے غور نہیں کیا یار۔" یونس یک بیک اچھل کر بولا۔

"وہ جو دھاری دار قمیص ایک لیموچوڑ کے بدن پر ہے وہ میں نے پچھلی گرمیوں میں پروفیسر جعفری کو پہنے دیکھی تھی ــ" ایک بے تکا سا قہقہہ فضا میں گھل مل گیا۔

"خیر چلو۔ سنیں تو سہی ــ" اوصاف نے کہا۔ "بعض بیوقوف کیسے ہوٹ ہوتے ہیں ــ" اور وہ اس پر ایک مغرورانہ نظر ڈال کر ہال کی طرف چلے گئے تھے۔

بڑی دیر تک کھڑا وہ سوچتا رہا!

ان لوگوں کا کیا مقصد تھا؟ کیوں وہ ہمیشہ اسے حقارت سے دیکھتے تھے۔ مانا کہ وہ ان سب کی طرح موٹر نشین متمول اور آزاد نہیں تھا۔ لیکن یونیورسٹی کے لئے باعث فخر تھا۔ ایک ذہین و طباع متعلم! ایک ماہر موسیقار، ایک جادو بیان مقرر، بہترین کھلاڑی جس نے متعدد فنوں میں فریق مخالف کے سامنے یونیورسٹی کی لاج رکھی تھی۔ اسے قریب قریب تمام اساتذہ پسند کرتے تھے۔ جو طالب علم اس سے رشک و حسد نہیں کرتے تھے وہ اس کے بہترین دوست تھے۔ اس نے کبھی اپنے کسی کمال پر فخر و غرور نہیں کیا۔ بلکہ وہ تو یہی سمجھتا رہا تھا اسے جو کچھ بھی آتا ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ایک قسم کی بے چینی اور کرب اسے ہمیشہ مضطرب رکھتا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا ــ وہ خود سے یا کسی اور سے کیا چاہتا تھا ــ؟

ڈائس کے پیچھے دوسرے فنکاروں کے ساتھ وہ بڑی دیر سے کھڑا تھا۔ اس کی نگاہیں ہال میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے انسانی سمندر کی جانب ضرور نگراں تھیں۔ لیکن ذہن کہیں اور تھا۔

وزیرِ تعلیم دیر سے مائک کے سامنے کھڑے کچھ کہہ رہے تھے۔ مگر ان کا کوئی لفظ بامعنی ہو کر اس کے کانوں تک نہیں پہنچا۔

وہ تو اس بے ہودہ شور کو سن رہا تھا۔ جو اب بھی جاری تھا اور جس کے زیادہ ہو جانے کا امکان بھی تھا۔ پھر اس کی نگاہیں ایک گوشے میں بچھی ہوئی میز پر پڑی۔ جہاں کامدار خوان پوش سے ڈھکے ہوئے موٹے موٹے ہار اور گجرے رکھے ہوئے تھے۔

ایک تحقیر آمیز مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔

اسپیکر گرجتا رہا۔

دفعتہً چپراسی اس کے پاس سرک آیا۔

"آپ کو کچھ چاہیئے مسٹر مقتدر ——؟" اس نے چپکے سے پوچھا۔

"ان کے بعد آپ کا نمبر ہے ——"

"جی ہاں ——" اس نے خفیف سا مسکرا کر کہا۔ پھر نرمی سے بولا "مجھے کچھ بھی نہیں چاہیئے۔ شکریہ ——" اس کی گرفت پروگرام کی فہرست پر مضبوط ہو گئی۔

"میں کسی کی پرواہ نہیں کروں گا" — اور پھر وزیر صاحب کو دیکھنے لگا جن کی کوئی سن نہیں رہا تھا مگر جو خواہ مخواہ حلق پھاڑ رہے تھے۔

"آپ کو احساس ہونا چاہیئے۔ آنے والی نسل کے معمار آپ ہی ہیں ——" وہ فضا میں گھونسا ہلا کے بولے۔

"میاؤں ——" ایک گوشے سے آواز آئی اور بے شمار قہقہے ہال میں گونجنے لگے۔

"تا اِس کن ز گلستان من بہار مرا ——" مقتدر نے آہ بھر کر سوچا۔ یہ

قوم کے معمار ہیں ـــــ جن کا مقصد سوائے تخریب کاری کے اور کچھ بھی نہیں۔

پھر اچانک انھوں نے اپنی تقریر ختم کر دی اور معلن نے علی احمد مقتدر کے نام کا اعلان کیا اور یہ عجیب بات ہوئی کہ یک بیک ہال میں سناٹا چھا گیا۔ چند تالیاں سنائی دیں کچھ کھسر پھسر ہوئی پر امپیٹر نے مسکرا کر مقتدر کو دیکھا۔

"بے کار ہے۔ ہوٹ کر دیا جاؤں گا ـــــ" اس نے سر نفی میں ہلا کر کہا۔

لیکن اس نے مقتدر کو ہاتھوں ہاتھ ڈائس پر پہنچا دیا۔ اس کی زندگی میں یہ پہلا موقع نہیں تھا۔ متعدد مرتبہ اس نے تقریریں کی تھیں اپنی جادو بیانی سے لوگوں کو متاثر کیا تھا ـــــ اپنے فن موسیقی سے شائقین کو محفوظ کیا تھا لیکن یہ آج کا زبردست اجتماع اس کی نظروں کے سامنے رنگ برنگی لہریے تملانے لگے ـــــ اور یک بیک ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے۔

اس کے پاس کوئی لکھی ہوئی یا رٹی ہوئی تقریر نہیں تھی .... اور اس صورت میں جب کہ مخالفین کا سامنا بھی ہو۔

ویسے وہ اس جلسے کے لئے بڑی بہترین تقریر سوچ کر آیا تھا۔ معلم و متعلم کے ازلی اور ابدی رشتے کے لئے نہایت موثر اور دلچسپ تشبیہیں تیار کی تھیں، سب کچھ اس کے دماغ میں محفوظ تھا۔ اور اس کی گہری آنکھیں مجمع میں ان صورتوں کو تلاش کر رہی تھیں جو اس کی تقریر کو ناکام بنانے والے تھے۔

لاکھوں آنکھیں اس پر گڑی ہوئی تھیں ـــــ پر امپیٹر نے اسے توجہ دلائی۔

۔ شروع کیجئے۔ مقتدر صاحب ـــــ"

اس نے مائیک کو اپنے چہرے کے برابر اونچا کیا اور بڑی دلنشیں آواز میں اپنے بزرگ و معزز مہمانوں، دوستوں اور ساتھیوں کو مخاطب کرنے لگا۔

۔ ایک طالب علم کی علمی زندگی کا ارتقا اس وقت سے شروع ہو جاتا ہے جب وہ پہلی مرتبہ نرسری میں قدم رکھتا ہے:

" طالب علم اور استاد کا رشتہ ایک نوخیز و نازک پودے اور ماہر و تجربہ کار باغبان کا سا ہوتا ہے۔ وہ مالی جو کار آمد پودے کے گرد محفوظ آلہ بنائے اسے وقت وقت سے سینچے اسے ان جراثیم سے محفوظ رکھے جو اس کی جڑ کو نقصان پہنچاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ پودا ایک دن تناور درخت بن کر اپنے باغبانوں کو اپنے سایہ اور ثمر سے فیضیاب نہ کرے۔

" شاہ بلوط —" اچانک کسی نے چیخ کر کہا۔

مگر وہ اپنی رو میں بولتا رہا۔

" میرے نزدیک ایک بچہ وہ پگھلا ہوا موم ہے کہ جس شکل و ساخت کے پیمانے میں ڈالیئے اسی کی شکل اختیار کرے گا۔ یہ فرض سرپرستوں کا ہے کہ وہ اپنے موم و پگھلے ہوئے موم کے لئے پیمانہ عمدہ اور مناسب تلاش کریں —"

" کبھی اس ننھے سے بچے کے گلے میں ایک بب تو باندھنا —" پھر کوئی چیخا اور ہنسی کے مدھم شور میں مقتدر نے صدیقی کی آواز پہچان لی۔

۔ گورنس —" مناظر نے حلق پھاڑ کر پکارا۔

" آئی سرکار —" دوسری قہقہہ بہ لب آواز سنائی دی۔

" اری کمبخت — اس بچے کو فیڈر کرانا بھول گئی۔ جلدی سے شیشی میں دودھ بھر کر لا —" یہ اوصاف کی آواز تھی۔ اس کے ساتھیوں نے جی

کھول کے قہقہے لگائے۔

مقتدر خاموش اور گم صم مائیک تھامے کھڑا رہ گیا۔ اب اگر وہ بولتا بھی تب بھی اس کی آواز سنائی نہ دیتی۔

بڑی دیر بعد بیہودہ قہقہوں اور مکروہ آوازوں کا شور تھما۔ لیکن اب مقتدر کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا —! اس نے مائیک سے ہٹ کر سلمیٰ سے کہا۔

"میں معافی چاہتا ہوں — آپ اگلا پروگرام شروع کرا دیجئے —"

پروفیسر اور لیکچرار اس ناگفتہ بہ صورت حال پر برہم تھے اور ڈانٹ ڈانٹ کر سامعین کو خاموش رہنے کی تاکید کر رہے تھے لیکن ان کی آوازیں صدا بہ صحرا ہو کر رہ گئیں۔

اگلا پروگرام بھی اسی بے ترتیبی کی نذر ہو گیا۔

بہر حال کارروائی چلتی رہی۔ پھر کچھ لڑکوں نے تفریحی آئٹم پیش کئے ان کے بعد پھر مقتدر ڈائس پر نظر آیا۔ وہ ایک ماہر وائلن نواز تھا! بہت سے لوگ اسے سننا بھی چاہتے تھے مگر اس کے مخالفوں نے غالباً پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ اسے کسی آئٹم میں بھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

پھر وائلن کی دلکش آواز ہال میں بکھری — اور اناؤنسر نے بلند آواز میں کہا۔

"مجھے افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس وقت آپ سب حضرات مادر درسگاہ کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مہذب فرزند نہیں معلوم ہوتے بلکہ وہ بدتہذیب اور جاہل گنوار مچھیرے معلوم ہوتے ہیں جو بازاروں میں چیخ چیخ کر مچھلیاں فروخت کرتے ہیں۔ میں بزم ادب کی طرف سے استدعا کرتا ہوں کہ

جن حضرات کو کارروائی میں دلچسپی ہو وہ تشریف رکھیں اور باقی ——!"

ابھی وہ اپنی بات بھی ختم نہیں کر سکا تھا کہ ایک طرف سے آواز آئی ۔

"باہر نکل کر مچھلیاں بیچیں!"

"خدا کی مار۔ ان بدبختوں کو کون کہے گا۔ یہ اونچی جماعتوں کے پڑھنے والے ہیں!——" اناؤنسر دانت پیس کر ہٹ گیا اور وائلن کا دلکش و مسحور کن نغمہ ہال میں گونجتا رہ گیا۔

تیز روشنیوں کے جلو میں مقتدر کی سنجیدہ اور دلکش شخصیت زیادہ نکھری اور حسین لگ رہی تھی! اس کا گندمی رنگ دمکنے لگا تھا! محراب ابرو کے سائے میں ڈھکی چھپی گہری سیاہ آنکھیں۔ کالی کالی خمدار اور گھنی گھنی پلکوں سے آراستہ! —— اس کے چہرے میں سب سے زیادہ سحر کن اور خوبصورت حصہ اس کی آنکھوں کا تھا —— طویل القامت۔ چوڑے شانے اور اٹھی ہوئی گردن اسے مردانہ حسن و متانت میں ممتاز بناتی تھی اس کے دلکش چہرے پر چھائی ہوئی ہمہ گیر سنجیدگی نے اسے زیادہ پرکشش کر دیا تھا۔

وقت گزرتا رہا۔ وائلن کا نغمہ سحر انگیز ہونے لگا۔ کئی موسیقی نواز اپنی تالیوں سے تال دے رہے تھے۔ سماں سا بندھنے لگا تھا۔

ہوسکتا تھا کہ یہ آئٹم کامیاب ہو جاتا۔ لیکن اوصاف کیسے برداشت کرتا۔ اس کی تیز نگاہیں مقتدر پر گڑی ہوئی تھیں اور وہ جل بھن کر خاک ہو رہا تھا۔ جلسے میں اس کی شرکت صرف اسی مقصد کے تحت تھی کہ وہ مقتدر کا کوئی پروگرام کامیاب نہ ہونے دے۔ وہ بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا

اس کے لئے یہ نہایت تکلیف دہ چیز تھی کہ مقتدر کا کوئی پروگرام سامعین کو پسند آئے اور وہ کامیاب ہو جائے۔

"کچھ سوچو ـــــ" اس نے اپنے ساتھی کو ٹہوکا دیا۔ "اب وہ اتر جائے گا ـــــ"

"گولی مارو یار ـــــ" دوسرے نے کہا۔ "اتنی سی بات کا افسانہ؟ کہو تو اندھیرے اجالے گھیر کر ٹھکانے لگا دیں ـــــ"

"فی الحال اسے چیئرز مل رہے ہیں ـــــ" اوصاف نے خونخوار نظروں سے مقتدر کو دیکھتے ہوئے کہا ـــــ "بس اس کے بعد میں اٹھ جاؤں گا۔"

"اچھا ـــــ" صدیقی نے کہا اور پھر دفعتہً اس کی بے ہنگم آواز گونجی۔

ارے ہاں۔

جب دل کو ستائے غم
تو چھیڑ سکھی سشلغم

اس نے قوالوں کی طرح کان پر ہاتھ رکھ کر ہانک لگائی۔

سناٹے میں اس کی بھونڈی آواز بم بن کر گری۔ وائلن رک گیا۔ اوصاف اور مناظر وغیرہ کے قہقہے تھے کہ ڈائنامو کے دھماکے ـــــ سب کچھ زیر و زبر ہو کر رہ گیا ـــــ ایک لڑکے نے مقتدر کے ہاتھ سے وائلن اور اسٹک لے لیا۔ وہ رومال سے پیشانی تھپکتا ہوا ڈائس سے اتر گیا۔

اوصاف نے ہر حال جلسہ درہم برہم کر دیا۔ وہ اور اس کے ساتھی قہقہے لگاتے ہال سے باہر نکل گئے۔ جلسہ خدا جانے کامیاب رہا کہ ناکام کیونکہ ابھی بے شمار لوگ اندر تھے اور جج صاحبان اس فہرست پر نظریں دوڑا رہے تھے جس میں انعام پانے والوں کے نام درج تھے۔

ان کے چہرے کھنچے ہوئے تھے۔ تیوریوں کے بل چیخ چیخ کر ان کی برہمی کا اعلان کر رہے تھے۔

"کیا ہمیشہ یہی سب کچھ ہوتا ہے ــــ" پروفیسر خان نے کسی سے پوچھا

"حیرت ہے ــــ" پروفیسر فہمی نے تعجب سے آنکھیں پھیلا کر جواب دیا ــــ "میں سمجھتا ہوں یہ ذاتی رنجش اور دشمنی کا بھی نتیجہ ہے ــــ"

"میں نے دیکھا تھا ــــ" پروفیسر خان نے ناخوشگوار لب و لہجے میں کہا۔ "اپنے پیچھے۔ وہی لڑکا تو تھا ــــ لمبا تڑنگا ــــ رنگت صاف ــــ جس نے جالی دار بنیائن پر باریک ململ کا کرتہ پہن رکھا تھا۔

"لاحول ولاقوۃ ــــ" لیکچرار عادل نے ہونٹ سکوڑ لئے۔

"وہ شہر کے ایک بہت بڑے سرمایہ دار کا بیٹا ہے جناب ــــ" ایک صاحب نے جواب دیا۔ شاید آپ نے مشہور بزنس مین سیٹھ ارشاد حسین کا نام سنا ہو۔ وہ ان ہی کا لڑکا ہے۔ جونیر سیٹھ اوصاف حسین! بس میں کیا عرض کروں۔ کوئی کلاس ایسی نہیں جو اس نے باپ کی دولت کے سہارے نہ پاس کی ہو ــــ"

"میں اگر آپ کی جگہ ہوتا تو یقین کیجئے کہ اسے رسٹی کیٹ کئے بغیر نہ رہتا ــــ" پروفیسر خان نے نفرت اور حقارت سے کہا ــــ "معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مشہور عالم درسگاہ سے بدمعاشی، بدچلنی اور بے ادبی کے سوائے اور کچھ بھی سیکھا ــــ"

"فہرست ملاحظہ فرمایئے گا ــــ" سعید صاحب نے ان کی خدمت میں فہرست پیش کر دی۔ پروفیسر خان نے ایک گہری نظر فہرست پر ڈالی۔ بہت سے نام تھے ہر ڈیپارٹمنٹ سے متعلق تقریباً کئی شعبوں میں انھیں علی احمد مقتدر

کا نام نظر آیا ـــ پھر انھوں نے انعام پاتے وقت اس لڑکے کو دیکھ بھی لیا۔ سنجیدہ ـــ کشیدہ قامت ۔ ذہین ـــ وہ اس سے بہت متاثر ہوئے۔ اس کے جسم پر نہ تو بیش قیمت لباس تھا۔ نہ بشرے سے غرور و تکبر جھلک رہا تھا نسبتہً کم قیمتی لباس میں ملبوس ایک سیدھا سادا آدمی بار بار ان کے سامنے آیا گیا۔

وزیر صاحب کی گلپوشی اور چائے نوشی کے بعد خاص احباب ایک دوسرے سے رخصت ہوئے ـــ رات کے آٹھ بج رہے تھے ۔ آسمان پر ستارے بکھرنے لگے تھے اور قریبی تاریخوں کا چاند مدھم مدھم اجالا لان پر بکھیر رہا تھا ـــ

ایک کے بعد ایک کاریں روانہ ہونے لگیں ـــ وہ ہجوم تھا کہ دیر تک پیدل چلنے والوں کو راستہ نہ ملا۔

مقتدر اکیلا اور اداس ۔ کراٹا کی باڑھ کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا باہر جا رہا تھا ۔ اس کا دل بوجھل تھا اور اسے احساس تھا کہ اس نے خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کیا۔

ہلکی ہلکی ہوائیں چلنے لگی تھیں ۔ موسم خوشگوار تھا ۔ کہیں موگرا پھولا تھا اس کی مہک نشیلی اور سحر انگیز تھی ۔

ٹریننگ کالج کے پاس گیٹ سے لگی اسے ایک جانی پہچانی کار دکھائی دی یک بیک مقتدر کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کی ساری تھکن اور سارا اضمحلال پگھل گیا ہو۔

گاڑی سے ٹیک لگائے ایک نسائی پیکر اندھیرے اجالے میں مدغم اسے نظر آ رہا تھا ۔

"ببنیا —" اچانک اس کا دل حلق میں دھڑکنے لگا۔

"بڑی دیر لگادی آپ نے —" اپنائیت کی خوشبو سے لبریز۔ محبت کی مہک سے مخمور۔ مترنم سی آواز نے اس کی ناکامیوں اور اداسیوں کا سارا غم کافور کر دیا۔

"مجھے معلوم نہیں تھا ببنیا۔ تم میری منتظر ہو —" مقتدر نے مدھم لہجے میں کہا۔

"لیکن تم نے یہاں تک آنے کی زحمت کیوں کی ہے۔ آٹھ بجنے والے ہیں۔"

"تو کیا —" وہ ہولے سے ہنسی — "آئیے بیٹھئے —" اس نے مقتدر کے لئے پٹ کھولا اور بڑی یگانگت سے اسے دیکھ کر ہنس پڑی — "مفت نہیں لے جاتی۔ آپ کو اجرت بھی دینی پڑے گی —"

"میٹر دیکھ کر ادا کر دوں گا —" مقتدر نے سنجیدگی سے کہا۔

ببنیا کو ہنسی آ گئی — اس نے مقتدر کو کار میں ڈھکیل دیا خود اسٹیرنگ سیٹ سنبھالی اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"سچ سچ مجھے بڑی بے چینی تھی —" راستے میں ببنیا نے کہا۔ "مجھ سے عصمت۔ زلفی اور تاجور نے کہا تھا کہ آپ بھی بزم ادب کی محفل —"

"بزم ادب کی محفل نہیں —" مقتدر نے بات کاٹ دی — "جلسۂ بزم ادب۔ اردو پڑھ لکھ کر ڈبو نہ دینا —"

"ہاں ہاں — آج تو آپ بڑے خوش ہیں۔ مجھے معلوم ہے —" وہ سامنے دیکھتی ہوئی بولی — "مجھے ڈیڈی اپنے ساتھ ڈنر پر لے گئے ورنہ میں تو ضرور آپ کے جلسے میں شرکت کرتی ... سچ کہتی ہوں، اتنے

گھنٹے ایسی بے چین رہی جیسے کانٹوں پہ بیٹھی ہوں۔ کچھ میری مجبوری کا ٹھکانہ ہے آپ نے تقریر کی ہوگی۔ میں نے سنی بھی نہیں۔ آپ نے اپنی خوبصورت آواز میں ایک دلکش نغمہ داستاں پہ چھیڑا ہوگا وہ بھی میرے نصیب میں نہیں تھا ——"

مقتدر خاموش بیٹھا رہا۔

"کہئے نا ——" اس نے اصرار کیا۔ "پوری تفصیل سنائیے۔ کیا کیا ہوا تھا —— میں دو گھنٹے سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ آپ ملیں گے تو سارا حال سنائیں گے۔ خوب داد دی ہوگی آپ کو لوگوں نے ——"

"نہیں مینا ——" اس نے ایک طویل سانس لے کر سر جھکا لیا
"جو کچھ تم سوچ رہی ہو وہ غلط ہے۔ جلسہ کو کامیاب بنانے میں میرا ہاتھ نہیں تھا۔ بلکہ اسے میں نے زیادہ تر ناکام بنا دیا ——"

"ناکام کر دیا آپ نے ——؟" اس نے حیرت سے کہا اور اس طرح بے ساختگی سے مقتدر کو دیکھنے لگی کہ اگر وہ جلدی سے وھیل تھام نہ لیتا تو کوئی ایکسیڈنٹ یقینی تھا۔

"کل چھٹی ہے ——" مقتدر نے کہا —— "پرسوں تم یونیورسٹی آؤ گی میں ساری تفصیل سنا دوں گا۔"

"آپ کو موقع نہیں دیا یونین نے ——؟"

"دیا تھا۔ مگر تھے کچھ ایسے کرم فرما جنھوں نے پروگرام اپ سٹ کر دیا ——"

"اوصاف حسین صاحب ——" اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں جکڑ لیا۔

"عام ہوٹنگ تھی۔ میں کسی کا نام نہیں لے سکتا ـــــ" مقتدر نے مسکرا کر کہا پھر چونک کر پوچھا۔ "کہاں جا رہی ہو ـــــ؟"

"مجھے بھوک لگی ہے آپ کو بھی لگی ہوگی۔ کسی ہوٹل میں ـــــ"

"نہیں مینا ـــــ" مقتدر نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ "یہ بڑی غلط بات ہے۔ میں پسند نہیں کرتا۔ تم اس طرح سر راہ کسی ہوٹل میں کھاؤ پیو۔ گھر قریب ہے گھر چلو ـــــ"

وہ کچھ شرمسار سی نظر آئی اور یک بیک گاڑی کا رخ بدل دیا۔ کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد مینا نے پوچھا۔

"کس کے گھر چلوں ـــــ؟"

اس کا لہجہ اتنا جذباتی اور آواز ایسی بوجھل تھی کہ مقتدر بے اختیار اسے تکنے لگا ـــــ سڑک کی رواں دواں روشنیوں میں مینا کا معصوم سفید سفید چہرہ ملکوتی حسن سے معمور نظر آ رہا تھا۔ اس کی خوبصورت پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے موتی جگمگا رہے تھے۔ لب مرتعش تھے۔ اسے خود بھی احساس تھا۔ اس نے مقتدر سے ایک جذباتی سوال پوچھا تھا جس کا جواب نہ اس کے بس میں تھا نہ مینا کے اختیار میں۔

"کاش فاصلے سمٹ سکتے مینا ـــــ" مقتدر نے چپکے سے مگر بوجھل آواز میں کہا۔ "یہ جسم و روح کے طویل فاصلے جن کا طے کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے میرے اور تمہارے درمیان دولت کی فولادی اور ناقابل عبور دیوار حائل ہے۔ یہ وہ فاصلہ ہے جو نفس و جسم کی قربانی دیے بغیر نہ کبھی طے ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا ـــــ"

"آپ میرے لئے اتنی سی قربانی بھی نہیں دے سکتے" اس نے پوچھا

"جان تک دے سکتا ہوں تمہاری خاطر۔ اگر وہ بھی تمہارے کام نہ آئی تو کس کام کی ۔۔۔۔؟"

"آپ بتائیے کوئی تدبیر۔ یہ آہنی دیوار گر پڑے ۔۔۔۔!"

"انتظار ۔۔۔" مقتدر نے آہ بھر کر جواب دیا۔ "لامختتم ۔ لامتناہی تم بڑی بلندی پر ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ایک بے بضاعت ہاتھ تم تک پہنچ جائے۔ لیکن اس کے لئے مدت درکار ہے ۔۔۔۔"

بینا خاموش رہی۔ پھر اچانک وہ ہنس پڑی اور شرمیلے لہجے میں بولی۔ "سنیئے آپ بڑے اچھے ہیں۔"

"اچھا ۔۔۔۔؟" مقتدر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"اگر آپ میری دعوت پر ہوٹل میں میرے ساتھ چل کے کھاتے پیتے تو پھر میں یہی سمجھتی کہ آپ میں اور ان میں کوئی فرق نہیں جو پل بھر کی میری دوستی اور رفاقت کی خاطر معلوم نہیں کتنی ضمیر فروشی کرتے ہیں! اور کیسے ناپاک جھوٹ بولتے ہیں۔ اب تو آپ مجھے اتنی بلندی پر نظر آتے ہیں جہاں تک میرا ہاتھ نہیں پہنچتا ۔۔۔۔"

گاڑی اس رخ پر مڑی جدھر مقتدر کا مکان تھا۔

"کھانا کھا کر چلی جانا ۔۔۔۔" اس نے بے حد پیار سے کہا۔

"نہیں نہیں۔ میں نے تو یونہی کہا تھا ۔۔۔۔" وہ جلدی سے بولی۔ "دراصل آپ کو لے جانا چاہتی تھی ۔۔۔۔ اب تو مجھے اجازت دیجئے۔ پرسوں ملیں گے۔"

"کل نہیں ۔۔۔؟" مقتدر نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"گھر ہی پر رہیئے گا ۔۔۔ میں کہیں پارک وارک میں نہیں ملوں گی!"

"سنو ۔۔۔ تم بڑی اچھی ہو۔ بینا ۔۔۔"

وہ ہنسنے لگی ـــ

"اگر تم مجھ سے کسی پارک میں ملنے کی فرمائش کرتیں تو میں بھی یہی سمجھتا کہ تم میں اور ان لڑکیوں میں کوئی فرق نہیں جو خواہ مخواہ میرا قرب تلاش کر کے اپنا اور میرا وقت ضائع کرنا چاہتی ہیں ـــ اچھی بات ہے۔ خدا حافظ ـــ"

"خدا حافظ ـــ"

عجیب و غریب ماضی تھا اس کا۔

کہتے ہیں کہ بدنصیب اپنی ماں کے پیٹ ہی سے بدنصیب ہوتا ہے ـــ یہ قول مقدر پر پوری طرح صادق آتا تھا ـــ ابھی اس کے دنیا میں آنے کے دو تین ماہ باقی تھے کہ اس کے باپ وصی احمد کا عین عالم شباب میں انتقال ہو گیا۔ برسر روزگار نہیں تھے۔ حقیقی خالہ زاد بہن سے گھر ہی گھر میں گڈے گڑیا کی طرح آمنہ بیگم سے شادی ہوئی تھی۔ جن کے والدین نے داماد کی ملازمت یا گزر بسر کی کوئی پرواہ نہیں کی تھی۔ ـ وصی احمد کی عمر بیس سال کی تھی اور آمنہ بیگم کی سولہ سترہ برس۔ دو تین سال پلک جھپکتے گزرے پھر وصی احمد صاحب کو اپنے یہاں ہونے والی خوشی کا پتہ چلا۔ میاں بیوی خاندان بھر کے دلارے تھے۔ آمنہ بیگم کو وصی احمد صاحب کی والدہ نے ہتھیلی کا پھالا بنا رکھا تھا۔ پوٹنے تلے دبائے رہتیں کہ آئے گئے کی نظر نہ پڑے لیکن معلوم نہیں کہ کس کی نظر بالآخر ان کی خوشیوں میں لگ ہی گئی۔

ایک شام وصی احمد صاحب باہر گھوم کر آئے تو انھیں بخار سا محسوس ہوتا تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ اس رات معمولی بخار سمجھ کر ان کی والدہ نے کوئی خود ساختہ دوا استعمال کرا دی۔ صبح کو بخار بڑھ گیا۔ اور دوپہر تک سر شام ابھی خاطر خواہ علاج معالجہ بھی نہ ہو سکا تھا کہ وصی احمد نے سپر ڈال دی۔ اور ایک بجے رات تک ان کی تدفین کے بھی مراحل طے ہو گئے۔

جو زیادہ اونچائی سے گرتا ہے وہ زیادہ گہرائی میں پہنچتا ہے۔
آمنہ بیگم جو سب کی آنکھوں کا تارا تھیں وہ یک بیک ایسی من اتری ہوئیں کہ حقیقی خالہ نے بیٹے کے مرنے کے بعد ان کا منھ دیکھنا پسند نہیں کیا۔
آمنہ بیگم کے ماں باپ اپنی جواں سال بیٹی کی بیوگی کو دیکھتے اور آہیں بھر بھر کر رہ جاتے۔ ان کے بس میں کوئی خوشی نہ تھی جو وہ اپنی حسرت نصیب بیٹی کو دے سکتے! بیٹی تو زندہ درگور تھی۔ گم صم، مہر بہ لب مبہوت پاگلوں سے بدتر۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ کوہ الم خود اسی پر ٹوٹا تھا۔ اس کی چوڑیاں توڑی گئیں۔ رنگین کپڑے اتروا لیے گئے اور وہ انیس سال کی عمر میں صد سالہ بیوہ بن کر رہ گئی۔ جس کے مقدر کی تمام خوشیاں وصی احمد کے ساتھ ہی دفن ہو چکی تھیں۔
حرماں نصیب ایک ایک کا منھ دیکھا کرتی۔ کوئی تو کہہ دے وہ قصوروار نہیں۔ اس نے وصی احمد کی جان نہیں لی ہے۔ کوئی اس سے تسلّی اور دلدہی کی باتیں کرے۔ اس کے آنسو پونچھے، اس کا دکھ بٹائے۔ لیکن ایسا کوئی نہیں تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے پیار بھری نظریں، محبت بھرا سلوک اپنائیت کا برتاؤ اور آپس کا خلوص بھی وصی احمد لیتے گئے تھے۔ خالہ نانو

بہن بھائی، ماں باپ سب ہی برگشتہ اور برہم تھے۔

وہ خوشگوار بوجھ جس نے اس کی پرمسرت زندگی میں اجنبی سی رعنائیاں بھر دی تھیں اب عذاب جان معلوم ہونے لگا۔ آمنہ کا بس نہ چلتا جو وہ اپنے بدنصیب بچے کو اپنے جسم کے اندر سے کھینچ کر پھینک دیتی۔ وہ غریب جو ابھی تک پیدا نہیں ہوا تھا۔ دنیا والوں کی اٹھی ہوئی انگلیوں کا نشانہ بن گیا تھا منحوس، لعنتی۔ آخر دنیا میں آ کر کیا کرے گا؟ کون اس کا پاپ ڈھوئے گا اگر لڑکی ہوئی تو میں اس کا گلا ہی گھونٹ دوں گی۔"

ایسے ایسے ہزاروں جگر خراش فقرے تھے جو غریب آمنہ کا جینا دشوار کئے رہتے اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا وہ کیا کرے۔ کدھر بھاگ جائے غم سے اس کی زندگی عبارت تھی۔ دکھ اس کا ساتھی تھا نہ دن کو آرام تھا نہ رات کو نیند۔ ایک جلن اور اضطراب تھا کہ کہرے کی طرح اس کی ذات پر منڈلا کر رہ گیا تھا۔

پہلے وہ شرم کے مارے کونے میں منہ دیے رہتی اور اب خوف کے مارے اس کے مرحوم شوہر کے پرسے کے لئے پڑوسی اور محلے والی عورتیں آتیں اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر آمنہ کو ضرور دیکھ لیتیں۔ گویا کہ صرف وہی وصی احمد صاحب کی موت کی ذمہ دار تھی۔

ساس سسر نے پھر اسے اپنے یہاں بلانا گوارہ نہیں کیا نہ ہی خود اس سے کبھی ملے۔ آمنہ کے والد کو بھی اپنی جوان لڑکی اور نا زائیدہ بچے کی بے انتہا فکر تھی۔ وہ پرانے خیالات کے بزرگ تھے۔ کسی قدر تنگ دل اور جاہل بھی۔ لوگوں کے کہنے سننے سے انھیں اندازہ ہو رہا تھا کہ آمنہ کا کھل بیٹھنا اب ہٹیں لگنے والا نہیں۔ بیوہ لڑکی کی دوسری شادی ان کے مسلک میں گناہ عظیم تھا۔ وہ دل

سے یہی چاہتے تھے کہ کوئی ایسی صورت ہو جو آمنہ اور اس کا بچہ یکبارگی ختم ہو جائیں۔ اگرچہ کہ وہ ایک باپ کا دل رکھتے تھے مگر اس دل میں دکھیاری بیٹی اور بدنصیب نواسے کے لئے قطعی کوئی جگہ اور محبت نہیں تھی۔ یہی وجہ بھی تھی کہ انھوں نے رسماً ہی سہی۔ دونوں کی خیر خبر اپنی بیوی سے بھی لینی چھوڑ دی۔

مگر ماں کا دل کہاں مانتا تھا! تاریک خیال قدامت پرست بیکار کے ڈھکوں میں گھر کر شرع و حدیث سے روگردانی کرنے والی وہ بھی تھیں۔ انھیں آمنہ کا مستقبل ایک پہاڑ نظر آتا۔ جسے ان کے دکھ بھرے آنسو بھی پگھلا نہیں سکتے تھے اٹھتے بیٹھتے وہ اس کی خیر خواہی کی دعا مانگا کرتیں انھیں بے پناہ قلق تھا۔ کیا کرے گی آمنہ۔ یہ تو اس کے کھانے کھیلنے کے دن تھے۔ کیسی خوش رہتی تھی۔ رنگین لباس میں لپٹی وحبت چین سے گم نہ تھی۔ کلائیوں میں کھنکتی ہوئی چوڑیاں گہنوں سے لدی پھندی۔ اور اب۔ جیسے پھل پھول سے بھرے خوشنما درخت کو خزاں کی نظر لگ گئی ہو۔ ٹنڈ منڈ اداس گم صم۔ جیسے وہ اب پچھلی آمنہ رہی ہی نہ تھی۔ اسے دیکھ دیکھ کر انھیں وحشت ہوتی۔ پالا مارے ہوئے سوکھے سا کھے جسم پر نئی زندگی کا خوفناک وجود ــــ انھیں یقین تھا۔ بچے کی پیدائش کا یہ دھچکا آمنہ کی موت کا باعث بن جائے گا! انھیں بھی فکر دامنگیر تھی۔ ماں کی، بچے کی مگر انھوں نے کبھی خود سے ان کی موت کی دعا نہیں مانگی۔ ہمیشہ دامن پسار کر ان کے لئے زندگی اور خوشیاں طلب کیں۔ اپنے شوہر کی بے رخی سرد مہری اور جانی بوجھی پہلوتہی پر ان کا دل خون کے آنسو روتا تھا۔ کون بدقسمت بیٹی ایسی ہوگی جو باپ کی آواز سنتے ہی اندھیری کوٹھری میں صورت چھپالے تاکہ باپ اس کی شکل نہ دیکھے۔ جسے خود احساس تھا کہ وہ اس قابل نہیں رہی۔

"کیا تم اس طرح جیتے جی دکھیاری کو مار ڈالوگے شفاعت کے ابا ــــ"

وہ بڑے دکھ سے پوچھتیں ——" ہائے کچھ تو اس کے سر پر ہاتھ رکھتے۔ وہ کم نصیب بھی جانتی کہ اس کے ساتھ رونے والا کوئی ہے —— ارے —— تم کیسے باپ ہو اس کے ؟ ——"

" تم ہی بتاؤ۔ آمنہ کی ماں —— " وہ سفاکی اور بیدردی سے کہتے ——

" وہ جی کر کرے گی کیا ؟ ہم تم صبح کا چراغ ہیں۔ بھائی بھاوج نے کسی نے کیا امید رکھی ہے کہ وہ رکھے گی۔ ساس سسر منحوس کا خطاب دے کر ہمیشہ کے لئے منھ موڑ چکے ہیں۔ اصلی وارث اس کا اور بچے کا ابدی نیند سو گیا —— دنیا بڑی بری جگہ ہے۔ کون اس کا نگہبان ہو گا۔ کون بالشت بھر کے بچے کو پالے پوسے گا ابھی ہولناک زندگی سامنے پڑی ہے اگر تم حقیقتاً اس کی ماں ہو تو یہی خیر خواہی کرو اس کے ساتھ کہ دعا مانگو۔ خدا اسے اور اس کے بچے کو بھی دنیا سے اٹھالے یہ اس کے حق میں بد دعا نہیں دعا ہے ——"

آمنہ بیگم نے بھی یہ سب کچھ سنا تھا۔

وہ تو رونا بھی بھول گئیں —— آنسو پلکوں پر اٹکے رہے۔ دل جلتا رہا ——

وہ باپ جو اپنی نازوں کی پالی بیٹی کو ساتھ لئے بغیر کھانا حرام سمجھتا تھا ——

جو اس کا چہرہ دیکھنا اپنے لئے نیک شگون سمجھتا تھا جسے اس سے بے پناہ محبت تھی جو اس کے ہاتھ چومتا تھا۔ اسے دیکھ دیکھ کر جیتا تھا وہی باپ یہ سب کچھ کہہ رہا ہے ؟

اندھیری کوٹھری ایک زندہ لاش کی قبر بن گئی ہے۔

پھر دفعتہً اس کے بچے نے اس کے جسم میں اپنی موجودگی کا اعلان

کیا اور اس کے آنسو بہنے لگے ـــ اماں کو بیٹی کا غم لے کے بیٹھ گیا ـــ وہ حتی الامکان اس کی دلجوئی کرتیں۔ کھانا پینا اوڑھنا سب اس کی خاطر منحصر تھا۔ اس سے بڑی میٹھی میٹھی باتیں کرتیں۔ انھیں اندازہ تھا، آمنہ کے لئے نیچے کا بوجھ ناقابل برداشت تھا ـــ اس احساس نے ان کی محبت کو ہوا دیدی تھی۔ سب سے کٹ کر اپنی حرماں نصیب بچی کی ہو کر رہ گئیں۔ اس کے سامنے غم کا اظہار نہ کرتیں۔ دلاسے دیتیں۔ ہمت بڑھاتیں، پیر پیغمبروں کی باتیں سناتیں، واقعات کربلا دہراتیں۔ اللہ کے محبوب بندوں پر کیسے غم اور صدمے نہیں گزرے ـــ مگر اندر اندر بیٹی کا غم گھن کی طرح کھائے جاتا اور پھر آمنہ بیگم نے بڑی ناسمجھی سے خود کو بہلا لیا۔ یقیناً انھوں نے زندگی بھر میں کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ کسی کا دل نہیں دکھایا تھا۔ جان بوجھ کر کسی کو ستایا نہیں تھا! اس کے باوجود اگر خدا کی یہی مرضی ہے تو یہی سہی وہ اس سے لڑ تو نہیں سکتیں۔ بعض لوگ اس خطا پر بھی مارے جاتے ہیں کہ خطاکار نہیں ہوتے ـــ

مگر اماں نے چپکے چپکے گھلتے گھلتے دق کو دعوت دے دی انھیں خود بھی پتہ نہ تھا یہی سمجھتی رہیں موسمی بخار اور معمولی سی کھانسی ہے ـــ آپ ہی آپ ٹل جائے گی۔

پھر رحیم احمد کی موت کے ٹھیک پانچویں مہینے ان کی سوگوار بیوہ نے ایک تندرست اور خوبصورت بیٹے کو جنم دیا۔

آمنہ بیگم وحشت زدہ تھیں۔ صحیح معنوں میں زندگی کے ہولناک اور بھیانک خلا کا احساس اب ہوا تھا۔ تاریک اور سیلی کوٹھری میں پڑی وہ ننھی آواز کو روتے سنتی رہیں۔ وہ آواز جو ان کے اپنے بطن سے پھوٹی تھی۔ لیکن نہ

آہ ۔۔ واہ ۔۔۔ وہ خاموش بستر پر پڑی اس معجزے کی منتظر رہیں کہ اب کمرے کا دروازہ کھلا اور اب وصی احمد نے قدم رکھے ۔ کیا ننھے کی درد بھری پکار بھی انھیں اپنے مٹی کے گھر سے باہر نہیں لاسکتی ؟ ایسی گہری نیند سو رہے ہیں ؟ ایسے غافل کہ اپنے بیٹے کی بھی خبر نہیں ۔

سارا گھر خاموش تھا ۔ کسی نے نئی زندگی کی پیشوائی نہیں کی ۔ شفاعت اس کی بیوی آمنہ بیگم کی دوسری بہنیں ۔ ان کے شوہر ۔ خود ان کے باپ ۔ سب فکر مند اور خاموش تھے ۔ ان میں کوئی نہ تھا جو ایک کمسن لڑکی اور اس کے بچے کی کفالت کے لئے خود کو پیش کرتا ۔

اماں ہنستی گئیں روتی گئیں اور اپنے نواسے کو سنبھالتی گئیں ! بار بار وہ جھک کر اس کا ننھا سا سرخ سرخ دہن چومتیں اور گریہ آمیز تبسم سے خود بخود کہتیں ۔ اللہ نے یہ دن دکھایا ۔ کتنا پیارا ہے ۔ بلا سے کسی کو اچھا لگے کہ نہ لگے میں تو اسے اپنے جیتے جی جدا نہ کروں گی ۔ اللہ نے پیدا کیا ہے ۔ وہی رزاق ہے ۔۔۔۔۔"

"کاش وصی بھائی زندہ ہوتے ۔" شفاعت کی بیوی نے بناوٹی آہ بھر کر کہا ۔۔ "اب کون خوش ہونے والا ہے ۔"

یک بیک آمنہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں ۔

"اماں میرے نصیب ۔

"اماں ۔ مجھ سے یہ کیسا انصاف اللہ نے کیا ۔"

اماں کا دل بھرا آرہا تھا ۔ سینے میں درد کی ٹیسیں چل رہی تھیں مگر انھوں نے بڑا ضبط کیا اور آمنہ کو کھلی آواز میں تنبیہ کی ۔

"بیٹی خدا کا شکر کرو ۔ ایک زندگی اس نے لے لی تو دوسری دے بھی

تو دی --- یہ تمہارا سہارا ہے۔ اسے گودی میں لے لو۔ خود کو اس کے لئے زندہ رکھو۔ خبردار آمنہ - میری قسم - اب تمہارے آنسو میں نہ دیکھوں - میری بچی کیا مجھے مار ڈالے گی - ؟

پھر بیٹی نے سیل اشک پر قابو پایا تو ماں کے آنسو قلب میں پہنچ کے انگارے بن گئے انھوں نے اپنی بیماری کا حال سب سے چھپا لیا - اب ان کی آنکھیں کھل گئی تھیں اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھیں کہ یہ تمام آپس کے رشتے محض کچا دھاگا ہیں - بے نفس اور بے غرض شاید خال خال ہی ملیں خون کے ناطوں میں جذب و کشش اور ربط نہیں - کیسے خود غرض اور بے مروت لوگ ان کے عزیز تھے -

آمنہ بیگم کے سینے میں جب کوثر و تسنیم کے چشمے جاری ہوئے تب دھندلی آنکھوں سے انہوں نے اس ننھی سی زندگی کو دیکھا جو اس نعمت عظمیٰ کی حقدار تھی - گول مٹول سا پیارا پیارا بچہ جو اپنی ماں کا سا خاموش اور صابر معلوم ہو رہا تھا - آمنہ نے اپنے لرزتے کانپتے ہاتھوں سے اس بیش قیمت خزانے کو اٹھایا اور اپنے تربتر سینے سے لگا لیا -

نہیں - وہ اپنے آپ سے روتی ہنستی کہہ رہی تھیں - میرا بے سہارا نہیں - محتاج نہیں - میں مجبور ہوں - میرا بچہ بھی مجبور ہے مگر وہ مجبور نہیں ہے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے - اب کبھی میں نہیں روؤں گی - کبھی نہیں -

انھوں نے اپنے آنسو پونچھ لئے اور جھک کر بچے کو دیکھا جو ان کی آغوش میں دنیا کے تمام خطروں سے مامون و محفوظ میٹھی اور گہری نیند سو رہا تھا -

بے شک اللہ نے نعم البدل عطا کیا --- انھوں نے بڑے صبر و قناعت

سے سوچا ـــ جانے والے کو میں کب تک روتی رہوں گی۔ اب تو ایک سوالیہ نشان میرے سامنے کھڑا ہے ـــ مجھے اپنے بچے کی خاطر جینا ہے ورنہ اسے کون پوچھے گا۔؟

ایک نئی زندگی ان کے تن لاغر میں انگڑائی لے کر جاگ اٹھی۔ آنسو انھوں نے ہمیشہ کے لئے پونچھ لئے۔ ننھے علی احمد کی صورت میں ایک چراغ ان کی زندگی میں روشن ہو گیا۔

لیکن انکی تقدیر ان کے ولولوں پر خندہ زن تھی۔ آمنہ بیگم کے والد یہ خوش خبری سننے کے منتظر تھے کہ بیٹی اور نواسہ ایک ساتھ چل بسے ہیں۔ وہ بڑے مضطرب اور متوحش سے دالان میں ٹہل رہے تھے۔

یکایک اماں نے انھیں ایک بڑی دل ہلا دینے والی بدخبری سنائی "سنتے ہو۔ میں نے کہا اللہ نے اپنا کرم کیا۔ آمنہ کے یہاں لڑکا ہوا ہے۔ پہلا نواسہ مبارک ہو تمھیں۔ بڑا خوبصورت بچہ ہے۔"

"لاحول ولاقوۃ!" انھوں نے غصے کے مارے سگرٹ ہاتھ سے اچھال دیا اور کف در دہن گرجے۔ "تمھاری عقل چرنے چلی گئی ہے ارے یہ خوشی کا کون سا موقعہ ہے۔ بد بختوں نے ایک الجھن میں مبتلا کر دیا ہے بہتر ہوتا کہ ماں اور بچہ...."

"بکے جاتے ہو جو منھ میں آتا ہے۔" اماں کو بھی غصہ آگیا "اتنا بھی خیال نہیں کہ وہ اپنے کمرے میں ہے اور سب سن رہی ہے۔ میں کہتی ہوں تم کیسے باپ ہو۔ نگوڑا پتھر رکھا ہے سینے میں دل کی جگہ ـــ معلوم نہیں اب کیا ہو گا ـــ" وہ بدحواسی میں بڑبڑائے۔

اماں نے بھی بات نہیں بڑھائی ـــ آمنہ نے سب کچھ سننا تھا! اور

ایک بار پھر مایوسی، ناامیدی اور غم کے گہرے غاروں میں ڈھکیلتی چلی گئیں تھیں۔ پچھلے حوصلہ مند خیالات بھاپ بن کر مایوسی کے بھیانک خلاؤں میں کھو گئے۔ اب پھر طول طویل زندگی اژدھے کی طرح منہ پھاڑے کھڑی تھی جس کا نہ کوئی اور نہ چھور ——— ایک بار پھر انہیں بچہ اپنے پیروں کی آہنی زنجیر لگا جس کا کوئی مصرف و مقصد نہیں تھا۔ جو اپنی غم نصیب اور ستم رسیدہ ماں کی الجھنوں اور مصیبتوں میں اضافہ کرنے آیا تھا۔ اگر وہ تنہا ہوتیں تو بے تکلف کسی کنوئیں کھائی میں گر کر اپنا خاتمہ کر لیتیں۔ لیکن اب ....!

وہ کلیجہ تھام کر رہ گئیں۔ کیا ان کے ہاتھوں میں اتنی طاقت ہے کہ وہ اپنے بچے کی زندگی کا چراغ گل کر سکیں پھینک دیں اسے بھی کسی کھڈ میں۔

کیسے ہو سکتا ہے یہ ــــ ناممکن ــــ اتنا پیارا، خاموش اور بے زبان بچہ۔ جب اسے بھوک لگتی ہے تو وہ کیسے ننھے ننھے ہونٹ سکوڑ کر روتا ہے۔ آمنہ بیگم سسکیوں سے ہچکیوں پر اتر آئیں۔

پھر جب دل کی بھڑاس نکل گئی تو عزم و ہمت کی نئی اُمنگ مایوسیوں کے گھور اندھیرے میں لو دینے لگی۔

یہ فانی رشتے۔ آج ہیں کل نہیں۔ آمنہ۔ تو اس ازلی و ابدی سہارے کو بھول گئی۔ جو ہمیشہ سے تیرے ساتھ ہے اور ہمیشہ تیرے ساتھ رہے گا۔ بے شک، وہ سہارا عرش سے فرش پر نہیں اترتا! مگر پھر بھی تیری رگِ جان سے زیادہ تیرے قریب ہے۔ یہ سہارا لافانی ہے۔

منا پھر رونے لگی ــــ وہ ہنس دیں اور اپنے بچے کے لبوں پر اپنے لب رکھ دیئے۔ میرا بیٹا۔ یہ تو آسمانوں کا تحفہ ہے ... اسے میں اپنے ہاتھ سے نہیں ضائع کروں گی ـــــ!!

ان تک کسی نے خبر پہنچائی کہ اماں بیمار ہیں! وہ بڑی دیر سے ان کے پاس آئی بھی نہیں تھیں۔ ایک بار شفاعت انھیں روٹی اور دودھ دے گئے تھے شام کو بھابی نے کھانا دے دیا تھا۔

"بھابی۔ اماں کو کیا ہوا ہے۔ صبح تک اچھی بھلی تھیں ---" انھوں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ بہن۔ اچانک کیا ہو! اماں کو --" بھابی نے کہا --- "کچھ کھانسی آئی تھی۔ ڈھیروں خون گرا سینے سے۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ ہسپتال میں داخل کر دیں ---"

"بھابی کب گئیں۔ آمنہ کو پتہ بھی نہ چلا۔ وہ تو دیوانی ہو رہی تھیں۔ کیا میری نحوست کوئی اور گل کھلائے گی --؟ وہ حواس باختہ ہو کر کھڑی ہو گئیں --- مگر سنبھلا نہ گیا۔ سر چکرایا اور کسی چیز کو تھامتے تھامتے فرش پر آ رہیں --- گرنے کی آواز سن کر شفاعت اور چھوٹی بہن دوڑے آئے اماں بھی بے چین ہو کر کھڑی ہو گئیں۔

"میرے پاس آتی ہو گی بے چاری۔ ہائے اب اس کا کوئی نہیں ---"

"اماں۔ آپ آرام کیجئے انہی فکروں نے آپ کو اس درجہ تک پہنچایا ہے ---" شفاعت نے برہم ہو کر کہا۔ "خود بھی پریشان ہوتی ہیں ہم کو بھی پریشان کرتی ہیں ---"

اماں خالی خالی آنکھوں سے انھیں دیکھتی رہ گئیں۔

وہ رات بڑی صبر آزما اور جانگسل تھی۔ جب اماں ہسپتال جا رہی تھیں۔ دروازے پر ان کے لئے موٹر کھڑی تھی وہ آمنہ بیگم کے سر پر ہاتھ رکھ کر آہستہ آہستہ کہہ رہی تھیں۔

"پریشان نہ ہونا۔ فضول سب کی باتوں کا اثر بھی نہ لینا۔ اچھا میری بچی میں کل پرسوں تک چلی آؤں گی وہاں خود میرا بھی جی نہ لگے گا۔ اللہ رکھے تم بچے والی ہوئی ہو سمجھ سے کام لینا۔"

پھر وہ آمنہ بیگم کے چہرے پر ہاتھ پھیر کر زبردستی کی ہنسی ہنسی تھیں "ننھے کو رلانا نہیں وہ بیچارہ ابھی سے صابر شاکر ہے ــــ اس کی خیریت صبح شام کہلا دینا ــــ"

"اچھا اماں!" آمنہ بیگم نے جھک کر ماں کے قدموں پر سر رکھ دیا۔

"جلدی کیجئے۔ دیر ہو رہی ہے!" شفاعت نے کہا۔

"اچھا میری بیٹی۔ میں جا رہی ہوں۔ خدا تجھے خوش رکھے" اماں نے ان کا سر اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ ننھے علی احمد کو بار بار پیار کئے اور آہیں بھرتی آنسو پونچھتی گھر سے سدھاریں۔

پھر اس کے بعد ــــ آمنہ بیگم کو یاد نہیں آتا تھا کہ کیا ہوا۔

ہسپتال سے اماں اپنے پیروں چل کر نہیں آئیں انھیں لایا گیا۔

اور پھر اماں کا جنازہ اٹھتے ہی ان کی سنگلاخ پریشانیوں کا آغاز ہوا ــــ اب وہ تھیں اور خار زار حیات ..... نہ کوئی پرسان حال نہ دردمند آخر وہ کیا کیا برداشت کرتیں۔ کہاں تک صبر کرتیں۔ لوگ نحوست کا طعنہ اٹھتے بیٹھتے دیتے تھے۔ اماں کی موت کے بعد ان کے چھوٹے گھر کے بڑے بن گئے۔ بھابی کا منہ کھل گیا ــــ

"بیوی! اب کس کو کھاؤ گی ــــ"

وہ اپنے بچوں کو ان کے سائے سے بچانے لگیں ــــ صبح اٹھ کر کوئی ان کا منہ نہ دیکھتا ــــ آمنہ بیگم کی ماں ختم ہو گئیں اور دنیا میں آخری سہارا

بھی ختم ہو گیا۔

ایک شام انھوں نے اپنے بچے کو سنبھالا اور ہمیشہ کے لئے گھر کو خیر باد کہا۔ انھیں خبر نہیں لگی کہ ان کے اس فرار پر گھر میں کیا چہ میگوئیاں ہوئیں۔ وہ تھکی ہوئی تھیں گھر سے پہلی بار باہر قدم نکالا تھا اور وہ بھی اس طرح ــ! وہ وہ کر ان کا کلیجہ کانپتا۔ ہر آہٹ پر سانس رک جاتی ــ! جیسے جیسے آگے بڑھتی گئیں سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں سلب ہوتی گئیں۔

نہ کوئی آگے نہ پیچھے ــ اندھیرا۔ خلا ــ اکیلا پن ــ

سیاہ آسمان ان کے سر پر تھا۔ اس مصیبت میں بھی انھیں احساس تھا۔ وہ جد ہر جد ہر جا رہی تھیں آسمان پر رہنے والی طاقت بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی ــ

اچانک کہیں قریب سے عشاء کی اذان ہوئی۔ اکا دکا لوگ پریشان حال۔ جن کو دنیا میں کوئی کام نہیں تھا جن کے پاس وقت تھا کہ وہ خدا کو یاد کر سکیں۔ تھکے تھکے قدموں سے مسجد کی طرف جا رہے تھے! آسنہ بیگم نے سوچا۔ ابھی وہ بے گھر نہیں ہوئیں۔ اللہ کا گھر تو موجود ہے۔ اور چادر میں لپٹی بچے کو چھپائے مسجد میں داخل ہو کر ایک طرف بیٹھ گئیں۔

رات بھیگ چلی تھی۔ مرطوب گہرا اندھیرا مسلط ہو رہا تھا۔ آس پاس روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں۔ انھوں نے ٹھنڈی دیوار سے سر ٹیک دیا اور دنیا مافیہا سے غافل ہو گئیں۔

پتہ نہیں ــ کون سا وقت تھا ــ! جب کسی نے انھیں آواز دی۔

ان کے سامنے ایک شریف صورت انسان کھڑا تھا۔ چہرے

پرحیرت و تعجب کے آثار منجمد تھے۔ آمنہ بیگم کے سینے سے کوئی چیز نکل گئی۔

رات کے دس بجے .... ایک عورت .... اور مسجد میں ؟

"بھیا" دفعتہً آمنہ بیگم نے سسک کر کہا — "اللہ کے گھر کے سوا میرا کوئی گھر نہیں۔ مجھے یہیں پڑا رہنے دیجئے۔"

"اللہ کی اس جائداد پر اس کے بندے قابض ہیں بہن —" وہ ہنسا۔ "اور تم ایسوں کے لئے تو کہیں پناہ نہیں ۔"

وہ پھر اپنی امانت سمیٹ کر کھڑی ہو گئیں اور پل بھر کے لئے اس آدمی سے ان کی نظریں ملیں، جو متذبذب اور متفکر سا انھیں دیکھ رہا تھا۔

"سچ ہے۔ ہم ایسوں کے لئے کہیں پناہ نہیں۔" وہ بڑی تلخی سے ہنس دیں — "نہ اللہ کے گھر نہ بندوں کے گھر۔ تو پھر میں اس دنیا سے باہر کیوں نہ چلی جاؤں —"

زندگی کا یہ دور بھی بڑا عبوری تھا — جیسے انھوں نے کوئی خواب دیکھا ہو۔

مقتدر حسین صاحب بڑے نیک نفس شریف اور دیندار آدمی ثابت ہوئے۔ انھوں نے حقیقی بھائی کی طرح آمنہ بیگم کو اپنے یہاں پناہ دی۔ ان کی بیوی ناصرہ خاتون بھی بہت شریف عورت تھیں۔ ان کی چھ سات سال کی بچی زبیدہ بڑی پیاری سیدھی سادی تھی۔ اس کا چھوٹا بھائی مونس بھی بہت نیک لڑکا تھا۔

اگر دونوں بچوں نے ننھے علی احمد کو اپنا کھلونا بنا لیا تو دونوں میاں بیوی نے ہر طرح آمنہ کی دلجوئی کی۔ اس قدر مخلص اور پر محبت ثابت ہوئے جیسے وہ انہی کی کوئی عزیزہ رہتی ہو۔ اگر مقتدر حسین صاحب آمنہ بیگم کو

مذہبی حوالے سے ثابت قدم صابر شاکر اور قانع و متوکل رہنے کی تاکید و نصیحت کرتے تو دوسری طرف ناصرہ خاتون تھیں۔ جنہوں نے سگی بہن کی طرح ان کے سارے دکھ اپنا لئے تھے۔ ساتھ مل کر رو تی تھیں اور اتنی دلدہی و دلجوئی کی تھی کہ آمنہ اپنے سارے غم فراموش کر گئیں۔ ان کی آنکھیں کھلیں۔ سہارا ملا۔ زندگی ملی۔ انھیں پتہ چلا اب تک وہ اندھیری راہوں پر ٹھوکریں کھا رہی تھیں خدا نے ان کا ہاتھ تھام کر جادۂ زیست پر لا کھڑا کیا۔

مقتدر حسین صاحب ایک فیکٹری میں معمولی مشاہرہ پر ملازم تھے۔ ناصرہ خاتون گھر پر سلائی کرتیں۔ دونوں میاں بیوی ایسے قناعت پسند اور اعتدال پرست تھے کہ ایک ہموار اور معقول راہ زندگی پر گامزن تھے۔ ننھا سا کنبہ تھا! نہ شور نہ غل۔ نہ لڑائی نہ جھگڑا۔ دینداری تھی۔ مذہبیت کا بڑا چرچا تھا۔ چھوٹا مونس اور زبیدہ تک ماں باپ کے ساتھ پانچوں نمازیں پڑھتے۔ روزے رکھتے۔ صبح اٹھتے ہی آمنہ بیگم کے کانوں میں زبیدہ کی تلاوت کی شیریں آواز پہنچتی۔ وہ بھی اسی ماحول میں ڈوب گئیں۔ زبیدہ اور مونس نے ننھے علی کو بالکل اپنا کر لیا تھا۔ وہ چھوٹا ہی سا تھا مگر اسے اپنے ساتھ اسکول لے جاتے۔ اپنے ساتھ کھلاتے اور ایک لمحہ بھی اسے جدا کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ مقتدر حسین صاحب کے گویا دو سے تین بچے ہو گئے انھیں ننھے علی سے بے پناہ محبت تھی۔ جب وہ بولنے کے قابل ہوا تو مونس اور زبیدہ کی طرح انہی کو باباجان کہہ کر پکارنے لگا۔ اسے خبر نہیں تھی۔ زبیدہ اور مونس اس کے حقیقی بھائی بہن نہیں تھے نہ کسی نے اس سے کہا۔ اور کہنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔

آمنہ بیگم کی زندگی کا ورق الٹ گیا تھا!

ایک مرتبہ کسی تذکرہ پر مقتدر حسین صاحب نے انھیں دوسری شادی کا مشورہ دیا تھا مگر انھوں نے پہلی ہی مرتبہ بڑی جھنجھلاہٹ سے انکار کر دیا۔

"بھیا مجھے شرم نہ آئے گی۔ تین بچوں کی ماں ہو کر میں دوسری شادی کر دوں؟"

زبیدہ بڑی نرم دل اور پر محبت بچی تھی۔ بے انتہا علی کو چاہتی تھی۔ مونس اگرچہ کمسن اور ناسمجھ تھا مگر علی سے پانچ سال تو بڑا تھا۔ وہ ابھی سے ایک مشفق بڑے بھائی کی طرح علی سے پیار کرتا تھا۔ اس کی کوئی ضد مونس نے کبھی ٹالی نہیں۔ کبھی اسے ڈانٹا یا گھرکا نہیں۔ کچھ تو خاندانی وراثت اور کچھ فطرت کا اثر۔ شروع ہی سے علی خاموش اور سنجیدہ طبع نکلا۔ کسی کے پیار و محبت، خلوص اور یگانگت کا اس نے غلط فائدہ نہیں اٹھایا۔

جب وہ کچھ بڑا ہوا تب مچل گیا کہ باقاعدہ مونس کے ساتھ پڑھا کرے گا۔ آمنہ بیگم نے اسے بہلا دیا۔ ابھی ان کے پاس اتنا سرمایہ نہیں تھا کہ وہ ایک اونچے درجے کے اسکول کے تمام مصارف برداشت کر سکتیں۔

علی نے ضد نہیں کی شام کو جب مونس مدرسہ سے واپس آئے تب وہ بڑی حسرت سے ان کی کتابیں کاپیاں اور رنگ برنگی قلم دیکھتا رہا۔ اور پھر رات کو کھائے بغیر سو گیا۔

مسجد سے مقتدر حسین صاحب کی واپسی پر سب رات کا کھانا کھاتے تھے اس روز علی دسترخوان پر نہیں تھا۔ دوسرے بچے بھی موجود نہیں تھے۔

"ننھا کہاں ہے؟" انھوں نے فرش پر بیٹھتے ہی پہلا سوال کیا۔

"شاید سو رہا ہے" آمنہ بیگم نے کہا۔

"شاید؟" وہ سوالیہ لہجہ میں دوہرا کر بولے "تمھیں پتہ نہیں۔ وہ سو رہا ہے کہ خدا نہ کرے اس کی طبیعت خراب ہے۔ زبیدہ اور مونس کہاں ہیں؟"

کیا وہ بھی سو گئے ؟ ۔۔۔" یہ کہہ کر وہ اٹھے اور دالان میں پہنچے۔

علی اپنے بستر پر سو رہا تھا۔ اس کے پاس زبیدہ اور مونس بھی بیٹھے تھے۔۔

"کیوں بیٹی کیا بات ہے۔ اماں نے کچھ کہا ہے ؟۔۔" انھوں نے جھک کر علی کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور پھر اطمینان کی سانس لے کر مسکرائے۔۔ "کھانا کھانے کیوں نہیں آئے۔۔!"

"آ رہے تھے بابا جان ۔۔۔۔" زبیدہ بولی "علی کو جگانے آئے تھے۔ وہ روتے روتے سویا ہے۔ پتہ نہیں کیوں رویا۔ بابا جان۔ علی کھانا نہیں کھائے گا تو ہم بھی نہیں کھائیں گے ۔۔۔"

"علی کیوں رویا تھا بیٹی ۔۔۔۔ ؟" مقتدر صاحب نے بے چین ہو کر پوچھا

"معلوم نہیں بابا جان۔ میرا علی کیوں رویا ۔۔۔ ؟" مونس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کی دیکھا دیکھی زبیدہ بھی رونے لگی۔

مقتدر صاحب نے علی کو گودی میں اٹھا لیا۔ چہرے پر ہاتھ پھیرا، چمکارا! آوازیں دیں اور اسے جگا دیا۔ اتنے میں ناصرہ خاتون اور آمنہ بیگم بھی دالان میں آ گئیں۔

"کیا بات ہے۔ کیا ہے ؟" ناصرہ خاتون بے چین ہو گئیں۔ "تم دونوں کیوں رو رہے ہو۔ ننھے کو کیا ہوا ہے ۔۔۔ ؟"

مگر کسی نے کچھ نہیں کہا۔

"بیٹے تم کھانا کھائے بغیر سو گئے تھے ۔۔۔ ؟" مقتدر حسین صاحب نے ہنس کر چمکار کر علی سے کہا۔ پھر بچوں سے بولے۔ "چلو چلیں اس طرح نہیں روتے۔ آنسو پونچھ لو ۔۔۔"

زبیدہ اور مونس نے فوراً آنسو پونچھ لئے اور مسکرانے لگے۔ مقتدر حسین صاحب نے اپنے سامنے سب کو کھلایا اور اس وقت تک لقمہ نہیں اٹھایا جب تک تینوں بچے اچھی طرح کھا کے دستر خوان پر سے اٹھ نہ گئے۔

زبیدہ بڑی خوش تھی اس نے بچے کا منھ دھلایا اور پیار سے بولی۔ "اچھا علی۔ ننھے۔ چلو آج میں تمھیں ایک بچے اور بہادر بچے کی کہانی سناؤنگی جو کبھی روتا نہیں تھا ـــــ"

مونس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور تینوں ہنستے باتیں کرتے چلے گئے۔

مقتدر حسین صاحب کے حلق میں لقمے پھنس رہے تھے۔

"شاید قورمے میں مرچ زیادہ ہے آپ سے کھایا نہیں جارہا۔؟" ناصرہ خاتون نے کہا۔

"نہیں تو" وہ ہوئے سے بولے اور پھر دستر خوان سے ہاتھ کھینچ لیا۔ پھر پرخیال انداز میں مدھم لہجے میں بولے ـــــ "ناصرہ ـــــ آج کیا بات ہوئی، معصوم علی کی آنکھوں میں آنسو کیوں آئے۔ میری چھت کے نیچے۔ میری زندگی میں وہ رونے پر مجبور ہوا۔ میرے بعد کیا ہوگا ـــــ"

آمنہ بیگم نے سہم کر انھیں دیکھا۔ ناصرہ خاتون نے روا روی میں کہا ـــــ "ارے ہوگا۔ بچے کھیل کود میں گرتے پڑتے ہیں روتے دھوتے ہیں۔ کچھ ستا دیا ہوگا مونس نے ـــــ"

"نہیں بیگم کوئی بات ہے ـــــ" انھوں نے کہا۔ "وہ بچہ بے سبب رونے والا نہیں، نہ ضدی ہے۔ بہرحال کچھ بھی ہو مجھے قلبی تکلیف اس کے رونے سے پہنچی ہے۔ جب تک میں اس کی تلافی نہ کرلوں گا مجھے قرار نہ آئے گا ـــــ"

آمنہ بیگم نے جب دیکھا کہ وہ اتنے مضطرب ہیں تو انھوں نے مجرموں کی طرح سر جھکا کر کہا۔

"بھیا۔ صبح اس نے مجھ سے اسکول میں شریک ہونے کے لئے ضد کی تھی میں نے ٹال دیا۔۔ ہے تو وہ بچہ مگر بڑوں کی طرح محسوس کرتا ہے شاید اسی لئے رو دیا ہوگا مگر آپ کچھ خیال نہ کیجئے ابھی اس کے پڑھنے کے دن کہاں ہیں۔۔۔"

مقتدر حسین صاحب تڑپ کر سیدھے ہو بیٹھے۔۔۔ "تم نے ٹال دیا اسے۔ رلایا اس کو آمنہ ۔ یاد رکھو کہ وہ تمہارا نہیں۔ میرا ہے۔ میں پڑھاؤں گا اُسے۔ اس کی تمام آرزوئیں پوری کروں گا ناصرہ ۔ انتظام کرنا۔ اس کی رسم تسمیہ خوانی کا۔ وہ معصوم ہے۔ مظلوم ہے۔ اس کا کوئی ننھا سا بھی ارمان پورا ہونے سے رہ نہ جائے۔۔۔"

اور پھر باتیں کرتے کرتے وہ خود ہی رونے لگے۔

اس طرح علی کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ ناصرہ خاتون نے کنبہ بھر کی دعوت کی۔ مقتدر حسین صاحب نے اپنے احباب کو مدعو کیا۔ دروازے پر روشن چوکی رکھوائی۔ زبیدہ کی سہیلیاں آئیں۔ مونس کے دوست آئے۔ علی کا نیا لباس تیار ہوا۔ محلے بھر میں مٹھائی بانٹی گئی۔ ایک مولوی صاحب نے اسے بسم اللہ پڑھائی۔ رات گئے تک چھوٹے سے گھر میں شادی کی سی گڑبڑ ہوتی رہی۔۔۔ زبیدہ ۔ مونس اور علی کی مسرتیں بے پناہ تھیں۔۔۔

مقتدر حسین صاحب بے پناہ مسرور تھے۔ ننھے علی کی معصوم خوشیاں دیکھتے اور رہ رہ کر اسے گود میں اٹھا کر پیار کرتے۔ دوسرے روز سے

وہ باقاعدہ یونس کے ساتھ مدرسہ جانے لگا۔

آمنہ بیگم کو سب کچھ یاد تھا۔

رہوارِ وقت کی رفتار تیز تھی۔ ایک طویل عرصہ یوں گزرا کہ جیسے کوئی خواب دیکھے اور پھر آنکھ کھل جائے۔ مقتدر حسین صاحب نے آمنہ بیگم کے متعلق مشہور کیا تھا کہ وہ ان کی کوئی رشتہ دار بہن ہیں جو شوہر کے مرنے کے بعد ان کے یہاں آکر مقیم ہوئی ہیں۔ تین چار برسوں تک یہ بات پوشیدہ بھی رہی جب تک کہ آمنہ بیگم کو لوگوں نے اور خصوصاً عورتوں نے نہیں دیکھا تھا۔ علی کی رسم بسم اللہ میں وہ عورتیں بھی شریک ہوئیں جو محلہ میں رہتی تھیں اور جن کے کانوں تک ان کی گمشدگی کی کہانیاں شرمناک طریقے سے پہنچی تھیں۔ ایک مرتبہ سکون و اطمینان پھر ان کے نصیب سے جاتا رہا اگرچہ کہ انھوں نے مسجد ہی میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر اپنی ساری بپتا سچ سچ مقتدر صاحب کے گوش گزار کر دی تھی۔ وہ انھیں بالکل بے قصور بلکہ مظلوم اور ستم رسیدہ سمجھتے تھے لیکن پڑوسیوں نے ان کا جینا بھی دشوار کر دیا۔ مشکوک نگاہیں برداشت کرنا۔ تضحیک آمیز تبسم کے تیر سہنا اور طنزیہ گفتگو کا جواب دینا ان کے بس سے باہر ہو گیا۔

آمنہ بیگم بے حد شرمندہ تھیں اور متفکر بھی۔!! ان کی پریشانی ناصرہ خاتون سے دیکھی نہیں گئی۔ انھوں نے اپنا ذاتی مکان فروخت کر دیا۔ شوہر کو مستعفی ہونے پر مجبور کیا اور اس طرح صرف خدا کی خوشنودی کی خاطر اپنے تمام آرام کو تج کر مع آمنہ بیگم اور کنبہ راتوں رات شہر چھوڑ دیا۔ انھیں اول تو بہت زیادہ

تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ شوہر سے بڑھ کر باہمت تھیں۔ دوسرے شہر پہنچ کر انھوں نے سب سے پہلے ایک اچھے محلہ میں مکان خریدا اور کم سرمایہ سے بچوں کا مدرسہ کھولا۔ مقتدر حسین صاحب انچارج بنے تھوڑے ہی عرصہ میں اسکول چل نکلا۔ اور پھر اچھی زندگی نے ان کے دروازے پر دستک دی۔

اب تک علی کو پتہ نہیں تھا۔ یہ ساری بھاگ دوڑ صرف اس کی ماں کی خاطر ہو رہی تھی! اگر وہ اپنے باباجان کو فکرمند اور امی کو اداس اور کبھی کبھی روتے ہوئے تو دیکھتا ہی تھا! وہ عمر سے زیادہ سمجھدار تھا۔ اور واقعات و حالات نے اسے بہت کچھ سمجھا بھی دیا تھا۔ لیکن وہ جو سمجھتا تھا اسے باور کرنے میں اسے تامل تھا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ باباجان اس کے والد نہیں ہیں۔

زبیدہ باجی اس کی بہن اور مونس بھائی حقیقی بھائی نہیں۔

ہم تو دراصل ایسے مہاجرین ہیں جنھوں نے انصار کا بھی عافیت و سکون خطرے میں ڈال دیا۔ امی کے شوہر۔ میرے باپ۔ میری پیدائش سے پہلے ہی ختم ہو چکے۔

"امی پر بدنامی آئی۔

حتیٰ کہ باباجان کو شہر چھوڑنا پڑا۔

بدنصیبی کی انتہا ہے۔"

اور سنجیدگی اداسی کا مستقل غلاف اس کی شخصیت پر منڈھ گیا۔ اس نے کسی سے اپنا پچھلا سلوک نہیں بدلا تھا۔ نہ کوئی اور اپنے برتاؤ سے بدلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ناصرہ خاتون اس پر پہلے کی طرح جان چھڑکتیں۔ مقتدر حسین صاحب اسے زبیدہ اور مونس سے بڑھ کر سمجھتے تھے اور خود زبیدہ و مونس کا یہ حال تھا جیسے وہ ان کی آنکھوں کا تارہ تھا۔ علی نے کسی سے کبھی نہیں کہا کہ وہ سب کچھ

جانتا بوجھتا ہے۔ وہ اب بھی ناصرہ خاتون کی گودی میں سر رکھ کر سو جاتا۔ زبیدہ باجی سے ضد کر کر کے وہ چیزیں پکواتا جو اسے پسند تھیں ––– مونس بھائی سے ضد کرتا!۔

"آپ اپنے لئے ایسا اچھا قلم لے آئے۔ میرے لئے نہیں لائے۔"

"دو اسے قلم ––– "کہیں سے مقتدر صاحب گرجے۔

"ارے یار۔ کل لے آؤں گا تم تو شاید پنسل سے مدرسہ کا کام کرتے ہو ––– ؟" مونس گھبرا جاتے اور خوش بھی ہوتے۔ کوئی تو ہے جو لڑ جھگڑ کر ضدیں پوری کرواتا ہے۔

"کل نہیں مجھے ابھی چاہئے ––– "وہ بالکل بچہ بن جاتا۔

"اچھا بھائی ––– "وہ ہنس پڑتے ––– "لے لینا جیب میں ہے ––– "

"علی کل ہی لینا ––– "زبیدہ باجی بولتیں ––– "دونوں میں سے جو زیادہ خوبصورت ہو ––– "

اور مونس کو جان بوجھ کر بہترین قلم لانا پڑتا پھر وہ اسے قلم دیتے ہوئے ایسی بے پایاں مسرت محسوس کرتے جیسے انہی کو ہفت اقلیم کی دولت کسی نے بخش دی ہو۔ وہ لوگ بے غرض و بے نفس تھے ––– انھیں لینے میں لطف نہیں آتا تھا وہ دے کر خوش ہوتے تھے۔

علی نے مقتدر حسین صاحب کی امیدیں اور توقعات تباہ نہ کیں ––– اسے احساس تھا بہت سخت اور شدید احساس۔ کیا کچھ انھوں نے ان دونوں کے لئے نہیں کیا تھا۔ اپنا شہر اپنا گھر دوسروں کے قلبی و روحانی آرام کے لئے کون چھوڑتا ہے۔ علی اپنے مدرسہ کا ذہین و مستعد طالب علم تھا ––– ہر سال وہ نمایاں کامیابی حاصل کرتا۔ وظیفے پاتا اور اپنے شاندار مستقبل کی جھلک دیکھتا رہا۔

یونس اسکول سے نکل کر کالج پھر یونیورسٹی پہنچے۔ وہ بڑے شاندار آدمی نکلے تھے۔ جتنے خوبصورت تھے اتنے ہی خوب سیرت بھی۔ ایم اے کر کے وہ کالج ہی میں لیکچرر ہو گئے۔ زبیدہ باجی کی شادی ان کے کسی عزیز سے ہو گئی ان کے شوہر سرفراز بھی بڑے اچھے آدمی تھے ان کی شادی کو سب سے زیادہ علی نے محسوس کیا۔ وہ مصنوعی ماں تھیں۔ ہر طرح اس کے آرام کا خیال رکھتیں۔ جیسے وہ اس کی ساری شخصیت میں رچی بسی تھیں اس کے خیالوں میں سموئی ہوئی تھیں انھیں پتہ تھا کون سی چیز کی کب اور کس وقت علی کو ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی موجودگی میں کپڑوں، کتابوں اور دوسری ضروریات کی کمی اس نے کبھی محسوس نہیں کی تھی ان کی رخصتی کے وقت وہ ایک ننھے بچے کی طرح بلک بلک کر رو دیا تھا۔

زبیدہ باجی کی حالت بھی غیر تھی —— وہ رہ رہ کر اسے گلے سے لگاتیں پیار کرتیں اور طرح طرح سے نصیحت کرتیں۔

"میں پھر آؤں گی نا.... سر میں درد ہونے لگے گا... سن میرے بھیا... تجھے تو کیا کیا بننا ہے۔ اچھے بچے اس طرح نہیں روتے.... کل ہی مجھے لے آنا .... تیرے بغیر میرا خود بھی کہاں جی لگے گا.... راتوں کو جاگنا نہیں.... نہیں مانو گے علی.... آنکھیں لال ہو رہی ہیں.... اچھا بھیا تم اماں کو بلا لاؤ میں تمھیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ میرے پیچھے کیا حال ہوگا تمھارا....

یونس بھائی بھی اپنی بہن کی رخصتی سے متاثر اور گم صم سے تھے مگر علی کی متورم پلکیں اور سرخ آنکھیں دیکھ کر جان بوجھ کر ایک بناوٹی قہقہہ لگایا تھا۔

" ارے بھئی کوئی ہے ہماری ننھی بٹیا کو دیکھتا۔ واہ یار۔ لڑکیوں کو ہرا دیا تم نے استغفراللہ۔ کیا واقعی چھوکری ہو۔؟ "

"مونس بھائی۔ میری باجی... وہ تو آج جا رہی ہیں۔ معلوم نہیں ۔۔ پھر کب آئیں گی ۔۔۔"

مونس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے سینے سے بھینچ لیا۔ پھر وہ بھی ضبط نہ کر سکے۔ علی کے کندھے پر پیشانی ٹیک دی اور اس کے ساتھ رونے لگے۔

زبیدہ کی رخصتی کا خلا بڑے دنوں تک پُر نہ ہو سکا۔ وہ آتی جاتی رہیں۔۔ پھر سرفراز کا ٹرانسفر ہو گیا وہ حیدر آباد سے کسی دور افتادہ ضلع پر چلے گئے۔

مقتدر حسین صاحب کی ساری زندگی ایک مجاہدہ تھی۔ کشمکش، کشا کش، اور جسمانی ورزش کی زندگی۔ وہ بڑے حوصلہ مند اور جوانمرد تھے مگر گزرتے ہوئے وقت کی آتشیں بھٹی نے ان کے بدن میں بچھے ہوئے آہنی تاروں کو بھی جگہ جگہ سے توڑ موڑ دیا تھا ۔۔۔ ان کے اعصاب خارجی محسوسات سے متاثر ہونے لگے تھے۔

ان کا قائم کیا ہوا مدرسہ ایک سرکاری ادارہ میں ضم ہو گیا تھا اور ایک معقول رقم معاوضہ یا حصے کے طور گھر بیٹھے انھیں مل جاتی تھی۔ فرصت و مہلت نے انھیں صرف کتاب و مصلے کا کر دیا۔

ناصرہ خاتون پر ضعیفی زیادہ آئی تھی۔ کمر خم تھی، سر سفید، انھیں اپنے آخری وقت میں مونس کا سہرا دیکھنے کی آرزو ستانے لگی تھی... یہی خواہش مقتدر حسین صاحب کو بھی تھی۔ انھیں شدہ شدہ خبر ملی تھی کہ مونس اپنی ایک کولیگ سے دلچسپی لیتے تھے مگر شرم کے مارے والدین سے اظہار نہیں کیا تھا! جب ان کی شادی کا چرچا ہوا تو گھبرائے ۔۔۔ اب بھی حرفِ مطلب لبوں پر نہیں آیا۔

ناصرہ خاتون اور آمنہ بیگم دلہن کے کپڑے، زیور خرید رہی تھیں۔ مقتدر حسین صاحب

بڑے ذوق و شوق سے عورتوں کے پروگرام میں حصہ لیتے۔ ساتھ میں شترپنگ کے لئے جاتے —— جب پانی سر سے اونچا گزرنے لگا تو انھوں نے علی کو گھیرا۔ ان دنوں وہ بھی بڑا شوخ ہو رہا تھا۔

"سنجیدگی سے سنو تو ایک بات کہوں تم سے ——" یونس بھائی کچھ جھینپ کر اور جھنجھلا کر بولے۔

"سنجیدگی کیسی یونس بھائی ——" علی زیادہ شریر بن گیا۔ "آپ کو کچھ خبر ہے میری بھابی آنے والی ہیں۔ معلوم نہیں کیسی تیز طرار ہوں گی اور کیسے فقرے چست کریں گی مجھ پر۔ اگر میں یونہی سنجیدہ بنا رہا تو دیکھ لیجیے گا کہ آپ کی سسرال میں بدھو کہلاؤں گا۔"

"بیٹے میں بڑا پریشان ہوں ——" وہ علی کی بکواس کے جواب میں بولے اور خواہ مخواہ تیزی سے سر کھجانے لگا۔

آج سے پہلے انھوں نے اسے کبھی بیٹے کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ علی تو پگھل کر موم بن گیا۔ مگر اس نے چھیڑنے کی غرض سے کہا۔

"خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں آپ —— آپ کی رخصتی تھوڑی ہو گی ——؟"

"مار کھانے والی باتیں نہ کرو —— سنو" وہ بناوٹی انداز میں ڈانٹ کر بولے —— "تم نے کبھی اپنی لیکچرر مس بختی کو دیکھا ہے ——؟"

"جی ہاں دیکھا کیوں نہیں ——" وہ مستعدی سے بولا۔ "کرنل بختی کی صاحبزادی ہیں سائیکالوجی پڑھاتی ہیں۔"

"تمھیں کیسی لگتی ہیں ——" وہ خوش ہو کر بولے۔

علی نے بڑے غور سے ان کا چہرہ دیکھا۔ کسی جذبے سے لال فام ہو رہا تھا

آنکھیں چمک رہی تھیں۔ لب مرتعش تھے۔ علی نے بڑی آسانی سے وہ تحریر پڑھ لی جو ان کی شکل پر تحریر تھی۔ محبت وخود فراموشی میں وہ مسکرایا۔ مونس بھائی بھی کھسیا کر ہنسنے۔

"یار کوئی ایسا بندوبست کردے۔" وہ شرما کر بولے "کہ باباجان امی اور خالہ اماں کے دل بھی نہ ٹوٹیں اور —

"اور آپ کا دل بھی نہ ٹوٹے —" علی نے بات اچک لی۔

"بس میں یہی چاہتا ہوں —" انھوں نے بیحد سادگی سے اعتراف کرلیا —۔ ہماری آپس میں دلچسپی شدید ہے اس میں میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ مگر علی۔ ایسا نہ ہو سکے تو — میں یہ گوارہ نہیں کر سکتا کہ صرف میری محبت کی خاطر۔ میرے چاہنے والوں کی دل آزاری ہو — وہ میری محبت پر اپنی زبان کا بھرم کھودیں۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ باباجان نے کہاں اور کس سے نسبت طے کی ہے۔ علی دیکھو۔ خالہ اماں سے تذکرہ کرنا۔ اگر حالات ہموار ہو گئے تو مجھے بہت خوشی ہوگی اور اگر اب حالات قابو سے گزر چکے ہیں تو ان پر نہ درمت دینا میں اپنے آپ کو سمجھاؤں گا۔ عشرت سے بھی کہدوں گا کہ وہ مجھے بھول جائیں لیکن — خیال رکھنا کہ کسی کی سبکی اور توہین کبھی نہ ہو —"

علی ان کے کردار کی عظمت و بلندی کو دیکھتا ہی رہ گیا — اپنی محبت کی قربانی اور موت انھیں گوارا ہے مگر یہ گوارا نہیں ہے کہ آپس میں کسی کی توہین یا کسی پر زیادتی ہو۔

علی نے سب کچھ آمنہ بیگم سے کہدیا۔ انھوں نے مقتدر حسین صاحب اور ناصرہ خاتون سے تذکرہ کیا۔ پھر وہی ہوا جو مونس بھائی چاہتے تھے۔ ان کی زندگی میں عشرت اسم بامسمی بن کر آگئیں — میاں بیوی اعلی تعلیم یافتہ، روشن خیالی

مہذب تھے۔ مقتدر حسین صاحب کا مکان رشک بہشت تھا۔

آہستہ آہستہ اس گھر کا ہر فرد اپنی زندگی کا مقرر کردہ فرض پورا کر رہا تھا زمانے کے ورق الٹتے جا رہے تھے۔ آخری عمر میں مقتدر حسین صاحب اور ناصرہ خاتون کو حج بیت اللہ شریف کی آرزو بے چین کرنے لگی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ دنیا میں انھیں جو کچھ کرنا تھا انھوں نے کرلیا تھا۔

آمنہ بیگم کا بھی دل چاہتا تھا وہ بھی اس مقدس سفر میں اپنے چاہنے والوں کے ساتھ ہوں۔ مقتدر صاحب نے بھی بند بند کہا تھا۔ ناصرہ خاتون نے برملا رائے دی تھی ۔۔

"علی کو مونس رکھیں گے ۔ میں تاکید کردوں گی۔ کسی اچھی جگہ اس کی شادی کردیں۔ آمنہ تم اپنا ارادہ کمزور نہ کرو۔ بیوی۔ دنیا نہ بنتی ہو نہ سہی۔ کم سے کم دین تو بن جائے ۔۔"

"چلیے آپا ۔ آپ کی رائے ٹھیک ہے ۔" آمنہ بیگم نے جواب دیا۔ ویسے بھی وہ اپنی مرضی رائے اور ارادہ کچھ نہیں رکھتی تھیں نہ ان کی اپنی ذات کی خوشی نہ غم۔ جو جس نے کہا سر جھکا کر آمنا صدقنا کہہ دیا۔ دل چاہے کچھ ہی کیوں نہ کہے۔

"اس میں کہنے سننے کی کیا بات ہے۔ خالہ اماں ۔۔" مونس نے کہا "کیا علی میرا نہیں ہے آپ بصد شوق جائیے ۔ واپسی پر انشاء اللہ آپ اسے ایک کی بجائے دو دیکھیں گی! کل تین ہی مہینے کا تو معاملہ ہے ۔۔"

علی نے بھی سنا اور سوچا کہ مونس بھائی ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ امی کو یقیناً جانا چاہیئے پھر ایسا موقع، ایسا ساتھ نہیں ملے گا۔

"سنا ہے کہ تم بڑے رونے ہو۔ امی کی جدائی میں روؤ گے تو نہیں ۔۔" عشرت نے ہنس کر کہا۔

"مونس بھائی جب باپ بن جائیں گے تو آپ میری ماں سے کیا کم ہوں گی۔"

علی نے کہا۔ "اگر میں رونا شروع کروں تو اپنے آنچل سے میرے آنسو پونچھ دیجئے گا"

مونس ہنسنے لگے ۔۔ "بھئی یہ بڑی بُری بات ہے۔ علی کو ابھی سب بچہ سمجھتے ہیں۔ ارے رو لیا ہوگا کبھی ایک آدھ مرتبہ ۔۔ اب دیکھو ماشاء اللہ چھ فیٹ کا بانس برابر قد ہے۔ ایم۔ اے کر رہا ہے مگر ٹھیک ہے۔ میرے سامنے تو وہ اتنا ذرا سا تھا۔ بالکل اتنا سا ۔۔" انھوں نے اپنے انگوٹھے کے پور کا اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔۔ "بغیر نیکر پہنے پھرتا تھا۔ خدا معلوم پاجامہ پہننے سے کیوں الجھتا تھا ایک دن تو میں دوڑا تھا اس کے پیچھے دیا سلائی لے کر۔ باجی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور یہ حضرت بھی جلدی سے پاجامہ پہن کر آ گئے تھے مجھے بتانے کے لئے ۔۔ بس جناب پھر انھوں نے اپنی عادت چھوڑ دی ۔۔"

"یہی تو بات ہے ۔۔" عشرت نے کہا۔ "آپ کو ان کا قد دکھائی دیتا ہے نہ تعلیم ۔۔ آپ تو یہی سوچتے ہوں گے کہ وہی صاحبزادے ہیں جو نیکر کے بغیر گھوما کرتے تھے ۔۔"

"میاں ۔۔ ہو سکے تو کل کالج سے واپسی پر جج کمیٹی آفس جا کر ضروری معلومات کا پروگرام لیتے آنا۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں اثنائے راہ میں کرنسی وغیرہ کی دشواری پیش آئے ۔۔" مقتدر صاحب نے کہا۔

"جی بہت اچھا باباجان ۔۔ آپ بالکل بے فکر رہیئے ۔۔" مونس نے جواب دیا۔ "میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ آپ تینوں کو بمبئی تک جا کے اپنے سامنے جہاز پر سوار کرا دوں گا۔ تار البتہ باجی اور سرفراز بھائی کو دینا ہے ۔۔ خیر ۔۔ یہ میں کل کروں گا ۔۔"

آمنہ بیگم کے دل کے اندر چپکے چپکے کچھ ہونے لگا۔ انھوں نے علی کے چہرے

سے نظریں ہٹالیں۔ بیشک وہ ایک مقدس فرض کی ادائیگی کے لیے جارہی تھیں لیکن دل بیٹھا جارہا تھا۔ موت زندگی کس نے دیکھی ہے۔ اگر میں واپس نہ آسکی تب ——

لیکن یہ کون سوچتا ہے.... انھوں نے خود کو بہلایا۔ آنکھ جھپکتے یہ مدت بھی گزر جائے گی —— پھر میں اپنے علی سے آکر ملوں گی۔

ایک طویل مدت گزری تھی کہ نہیں! زندگی کے پچیس سال۔ ایک ربع صدی۔ یہ گئی تھی تو کہاں گئی تھی۔ اب تو پیچھے مڑ کر دیکھنے سے خوف معلوم ہوتا تھا! ایک ایک لمحہ جس حیات گرانبار کا بار تھا وہ بالآخر سسک سسک کر ٹھہر ٹھہر کر گزر ہی گیا تھا۔

مقتدر حسین صاحب کی بوڑھی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ بایں پیرانہ سالی دن دن بھر نجانے کہاں کہاں کی خاک چھانا کرتے! مونس سب کچھ کر ہی رہے تھے اور انھیں یک گونہ اطمینان بھی دلادیا تھا لیکن انھیں قرار نہ تھا۔ چاہتے تھے کہ پر لگ جائیں اور وہ بس سوئے مدینہ اڑ جائیں۔

گھر میں رخت سفر بندھتا رہا۔

سرفراز نے تار کے جواب میں بذریعہ تار ہی اطلاع دی تھی کہ وہ اور زبیدہ جلد ہی آنے والے ہیں۔

اب تک علی سمجھتا رہا تھا۔ یہ سب رواداری کی باتیں ہیں۔ اتنی دور کون جاتا ہے۔ مگر جب دیکھا کہ سامان سفر تیار ہے اور سب لوگ روانگی پہ کمر بستہ ہیں تب ایک بے چین خلش اس کے دل میں جاگ اٹھی۔

اپنی ماں کی پچھلی ساری زندگی اس سے پوشیدہ نہ تھی۔ زندگی کیا تھی۔ غم و الم کی بند کتاب تھی جس پر جھوٹی مسکراہٹوں کا گرد پوش چڑھا ہوا تھا۔ مجاہدہ، عمل

غم، دکھ اور نجانے کون کون سے دردناک باب اس کتاب میں تھے کہ جن کا کوئی عنوان نہ تھا۔ وہ اپنی ماں کا چہرہ دیکھتا اور ایک کربناک ٹیس اس کے دل میں پیر جاتی۔ کیسا چہرہ ہے۔ حزن وملال کا مرقع۔ حسرت خیز اداس آنکھیں سرمئی حلقوں میں ہلتی ہوئی پژمردہ اور خشک لب جو مدتوں سے سچی مسرت کے بخشے ہوئے ایک ہلکے سے تبسم کو رو رہے تھے۔ پریشان قیافہ ـــ بشرے سے دکھ عیاں ـــ

نہ اپنی کوئی مرضی۔ نہ اپنا کوئی ارادہ ـــ

وہ کھو سا گیا ـــ امی نے آج تک کسی سے کوئی فرمائش نہیں کی۔ ان کا دل کیا چاہتا ہے۔ اچھا کھانا۔ اچھا لباس۔ انھوں نے سختیاں جھیلی تھیں۔ گو کہ سب کے ساتھ ہی۔ کوئی ایسا ہی زبردست غم پہاڑ بن کر ان کی نحیف ونزار ہستی پر پر ٹوٹا ہوگا تبھی تو وہ چند روز کے بچے کو سنبھال کر گھر سے نکلی تھیں۔

علی کے سامنے مقتدر حسین صاحب اور ان کا خاندان بھی تھا! کیسے شریف اعلیٰ اخیال اور بلند وبرتر لوگ تھے۔ حد سے زیادہ مخلص۔ انتہا سے زیادہ بے غرض بے لوث ـــ اور اس کے اپنے لوگ۔ دادھیال۔ ننہیال ـــ ؛ جن کے ایک فرد سے بھی وہ واقف نہ تھا! عجیب ہے دنیا۔ عجیب ہیں اس کے باسی۔ دن اور رات کا فرق ہے۔ ان میں وہ اپنے یہ پرائے ـــ

ایک زہریلی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

کاش میں ان سے انتقام لے سکتا ـــ! علی کے دل میں آگ سی جلنے لگی۔

میں کسی کو معاف نہیں کروں گا ـــ کبھی نہیں معاف کروں گا! اس نے قسم کھائی۔ اور بابا جان ـــ مونس بھائی۔ میری باجی ـــ ان کے لئے جان

بھی کام آئے تو دے دوں گا۔

مقصد حسین صاحب کی روانگی میں ابھی لگ بھگ ایک مہینہ باقی تھا۔ مگر سامان سفر قریب قریب سب تیار۔ زبیدہ باجی بھی آگئیں — سرفراز چھٹی لے کر آنے والے تھے زبیدہ کے آنے سے گھر میں بڑی چہل پہل ہوگئی تھی — ان کے اب ننھے منے سے تین بچے بھی تھے؛ مگر وہ اب بھی ویسی ہی تھیں۔ پہلے کی سی پُرمحبت، ہنس مکھ خوش مزاج۔ علی انھیں لینے اسٹیشن گیا تھا۔ وہ ڈبے سے اتری تھیں اور گرد و پیش کا خیال کئے بغیر۔ اس کو سینے سے لگا کر رونا شروع کر دیا تھا — ایک بیجان بوے کی طرح وہ ان کے سینے سے لگا پلکیں جھپکاتا رہ گیا تھا۔

"میری آنکھوں میں خاک —" وہ بولی تھیں اور اس کا سر جھکا کر اس کی پیشانی چوم لی تھی — "تیری طرف دیکھا نہیں جاتا۔ نظر لگی جاتی ہے کیسا بدل گیا۔ میرے علی —"

وہ شرما کر ہنسنے لگا۔

ان کے بچے علی سے آلپٹے —! زندگی یکبارگی بڑی دلکش اور خوبصورت ہو کر رہ گئی۔

زبیدہ باجی پر اپنے والدین اور آمنہ بیگم کی روانگی کا بالکل اثر نہ تھا۔ وہ خوش تھیں۔ یہ سب پھر آئیں گے۔ بیکار دل بھاری کرنے سے کیا فائدہ —! ہر وقت سب کے پاس بیٹھی ہنستی ہنساتی رہتیں۔

"باجی۔ اب آپ آ ہی گئی ہیں تو ایک اور خوش گوار فرض پورا کرتی جایئے —" سونس نے کہا۔

"اے بھیا ضرور —" وہ خوش ہو گئیں۔

"اچھا باجی ۔ پوچھیئے تو بھلا ۔ وہ کیا فرض ہے ۔۔۔۔؟" عشرت علی کو دیکھ کر ہنسنے لگی۔

"اُف فوہ ۔۔۔۔" وہ جھینپنے لگا ۔۔۔۔ "یہ بھیا اور بھابی ۔۔۔۔ اچھی بات ہے انھیں اکیلے میں دیکھوں گا۔" اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں جکڑ لیا اور بھابی کو گھورنے لگا۔

میں سمجھ گئی ۔ باجی ہنس پڑیں ۔۔۔۔ "مگر ابھی نہیں ۔ سچ مچ میری نند کی بچی اتنی پیاری ہے کہ بالکل کافور کی گڑیا معلوم ہوتی ہے ۔ جب خالہ اماں حج سے واپس آجائیں تو پھر بات چھیڑیں گے ۔۔۔۔"

"بابا جان آپ سن رہے ہیں ۔۔۔ !" علی نے احتجاج کیا ۔ وہ انہی کے پاس بیٹھا تھا ۔ ہفتہ بھر سے ان کی طبیعت خراب بھی تھی ! باہر دوڑ دھوپ کرتے کرتے بالکل پست ہو چکے تھے ۔

مقتدر صاحب بڑے پیار سے مسکرائے اور علی کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگے ۔

"انشاء اللہ ۔ انشاء اللہ ۔۔۔۔" انھوں نے بڑی قرأت سے کہا ۔۔۔ "وہ وقت بھی آئے گا ۔ مگر پہلے میرا خواب پورا ہولے ۔ میرا بیٹا اپنی تعلیم مکمل کر کے ایک اعلیٰ عہدے پر پہنچ جائے ۔۔۔ میاں مونس سن رہے ہو جس گاڑی میں میرا بچہ جائے گا اپنی دلھن کے گھر میں اسے سونے کے پھولوں سے سجاؤں گا ۔"

"ہم بھی بیٹھیں گے نانا میاں اس گاڑی میں ۔۔۔۔" زبیدہ باجی کے بچے للچا کر بولے ۔

"پہلے میں بیٹھوں گا ۔۔۔" مونس بھائی اکڑ کر بولے ۔۔۔۔ "میری گاڑی بابا جان نے چاندی کے پھولوں سے بھی نہیں سجائی ۔۔۔ واہ واہ ۔ کیا بابا جان کا انصاف ہے ۔۔۔" انھوں نے اس طرح سے بسورنا منہ بنایا کہ بچے بے ساختہ ہنسنے لگے ۔

پھر ایک دردناک موڑ ان سب کی زندگیوں میں اچانک آگیا مقتدر صاحب جس دن کی آمد آمد کے دن گن رہے تھے وہ مبارک دن ان کی زندگی میں نہیں آیا۔ طبیعت کی پستی۔ بخار اور دوران سر رنگ لایا ڈاکٹروں نے ان کا معائنہ کرنے کے بعد فیصلہ سنا دیا کہ اس حالت میں اتنا طویل سفر ان کے لئے کسی طرح مناسب نہیں۔ اگر وہ چل بھی پڑے تو راستے کی ذمہ داری کسی نے نہیں لی۔

"میرا پختہ ارادہ ہے ـــ" وہ بے ضبط ہو کر چیخ اٹھے تھے ـــ "میں کل پرسوں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ مجھے ہوا کیا ہے۔ لاحول ولاقوۃ ـــ دوران سر بیکمان لوگوں نے اتنا ہولناک بنا دیا ہے ـــ" چیختے چیختے ہی انھیں چکر آگیا اور وہ ہائے کہہ کر تکیہ پر گر پڑے ـــ

"آپ دیکھ رہے ہیں مسٹر مونس!" ڈاکٹر نے چپکے سے کہا۔ "یہ تکیے سے سر بھی نہیں اٹھا سکتے۔ اتنا طویل سفر کیسے کریں گے! ـــ ناممکن ـــ ٹریٹمنٹ جاری رکھئے ـــ اگلے برس ہی سہی ـــ"

"اگلا برس ـــ" وہ خفا ہو کر بولے ـــ "کیا بکواس کرتے ہو ـــ"

انھیں پختہ یقین تھا۔ یہ بیماری اور پستی صرف چند روزہ ہے ـــ اسی خیال کے تحت وہ خود کو صحت مند کرنے میں جی جان سے جٹ گئے ـــ جو ہدایت ڈاکٹروں نے دی اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کیا مگر وہ اضمحلال اور کمزوری جو اول روز سے ان پر چھا گئی تھی وہ کم نہ ہوئی۔ اب تو ان پر ہلکی ہلکی غفلت کے دورے بھی پڑنے لگے تھے۔

مونس گھبرا گئے۔ علی کی پریشانی ناقابل بیان تھی اس نے سرفراز کو ارجنٹ ٹیلیگرام دیا۔ اور وہ بھی آموجود ہوئے۔ تینوں کے مشورے سے سول سرجن اور ماہر فزیشین بلوائے گئے۔ علاج تو سب نے جاری کر دیا مگر ان حالات میں

سفر کی اجازت بھلا کون دیتا۔ اور اس کا تو کوئی امکان ہی نہیں رہ گیا تھا۔

جب بھی مقتدر صاحب کچھ چاق و چوبند ہوتے۔ خود کو تسلیاں دیتے اور دوسروں کی ڈھارس بندھانے کے لئے بڑی مستعد آوازیں پوچھتے ___

"کیوں بیٹے ... سامان سفر سب تیار ہے نا؟ ___ کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔"

"جی؟ ... نہیں تو بابا جان ___!" مونس بھی ہشاش بشاش لہجے میں جواب دیتے! ___ مقتدر صاحب ہنسنے لگتے ___ ہاں ___ یہ ڈاکٹر میاں یہ تو بیوقوف ہوتے ہیں۔ اچھے بھلے آدمی کو سہما سہما کر بستر پر ڈال دیں بہر حال میں تو خود کو بالکل تندرست سمجھتا ہوں۔ انشاء اللہ آج کے آٹھویں [illegible] جاؤں گا ___"

ان کی خود فریبی پر ناصر و طاہرہ کی آنکھ [illegible] تصویر بن کر رہ گئی تھیں۔ دہشت سے [illegible] شروع ہو گیا تھا۔

"اب کیا ہوگا سرفراز بھائی؟" مونس کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔

"اللہ پر نظر رکھو۔ بھائی ___ دوا بھی ہے دعا بھی۔ خدا سبب میں اثر دے ___" سرفراز بولتے۔ علی اس قابل ہی نہیں تھا کہ اس سے کوئی مشورہ لیا جاتا۔ وہ چھوٹے بچے کی طرح زبیدہ باجی کی گود میں سر چھپا کر روتا!

"حوصلہ رکھو۔ علی ___ خدا کے واسطے خود کو سنبھالو۔ بابا جان کا کیا عالم ہوگا جب وہ تمھیں پریشان دیکھیں گے ___" زبیدہ کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ___

مگر وہ جب بھی مقتدر صاحب کے سامنے گیا ہنستا ہوا گیا وہ اسے دیکھ کر خوش ہو جاتے ___ بابا جان ... آپ نے سنا آج ڈبیٹ میں، میں سب سے بازی لے گیا ___" وہ ان کا دھیان بٹانے کے لئے اِدھر اُدھر کی

بائیں چھیڑ دیتا۔

"ماشاءاللہ.. میاں ــــ ماشاءاللہ ـــ" وہ مرتعش لہجے میں فوراً شاباشی دینے لگتے ــــ "یہی تو میں خواب دیکھتا تھا۔ بلند۔۔ اونچے۔ اعلیٰ وارفع خواب ــــ ہاں ـــ تو کوئی انعام بھی ملا۔ میرے بچے کو ـــــ!"

جی ہاں ـــ باباجان ـــ" وہ بھی ہنسنے لگتا ـــ "انعام سا انعام تھا آپ اگر موجود ہوتے تو دیکھتے کہ ہر طرف بس علی احمد مقتدر ہی کا چرچا تھا ـــ"

"علی احمد مقتدر ـــ؟ وہ فرطِ مسرت سے رونے لگتے تھے ـــ تو میرا نام تمھارے نام کے ساتھ زندہ رہے گا ـــ"

ان سب کو مقتدر صاحب کی مزاجی حالت سے تشویش تھی پھر ہونی تو ہو کر ہی رہی ـــ وہ اپنی دانست میں روانگی کے دن کے منتظر ہی رہے کہ عید قرباں آگئی۔

اس دن نسبتہً مقتدر صاحب کی طبیعت ٹھیک تھی! وہ گاؤتکیہ کے سہارے نیم دراز تھے ـــ ان کے سامنے سب لوگ چل پھر رہے تھے۔ بیٹے، بیٹی، بہو داماد اور نواسے بھرا پرا گھر تھا۔ وہ عجیب سے مشفقانہ انداز میں مسکرا رہے تھے۔

ان سے یہ چھپایا گیا تھا کہ اس دن عید ہے ـــ خواہ مخواہ ایک دھکا ان کے دل پر لگتا۔ دن چمکیلا تھا۔ عید کی مسرتیں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں دفعتہً ہمسائے کا چھوٹا سا لڑکا ایک طشتری میں کچھ لایا اور طشتری زبیدہ کے بچے کو تھما کر خود مقتدر صاحب کے پاس کھڑا ہو گیا۔

کیوں۔ بیٹے ـــ کیسے آئے!" وہ پیار سے اسے چمکار کر بولے۔

"دادا جان ـــ آج بقر عید ہے ـــ اماں نے حصہ بھیجا ہے ـــــ"

لڑکے نے کہا۔ یہ سننا تھا کہ مقتدر صاحب کی حالت غیر ہو گئی۔

"آج عید قربان ہے ــــ یوم حج ہے آج ــــ" وہ بے ساختہ دیوانوں کی طرح چیخ اٹھے ــــ

"میرے اللہ ــــ میرے اللہ ــــ وہاں خوش نصیب لوگ حج کر رہے ہیں۔ میں یہیں رہ گیا ــــ کسی نے کہا نہیں مجھ سے۔ آمنہ ــــ ناصرہ ــــ مونس ــــ تم سب کہاں ہو ــــ علی ــــ بیٹا تم سب کہاں ہو ــــ" اور غشی کی حالت میں زار و قطار رونے لگے ــــ سب ان کے آس پاس دم بخود کھڑے تھے۔

"بابا جان ــــ" ہمت کر کے سرفراز نے کہا "طبیعت سنبھالئے انشاءاللہ آپ اگلے برس چلے جائیے گا ــــ یوں تو آپ اور زیادہ نڈھال ہو جائیں گے ــــ"

"میں سمجھا تھا ابھی بہت سے دن باقی ہیں۔" وہ درد و کرب سے معمور لہجے میں کراہنے لگے۔

"معلوم نہیں کس کا دل میں نے دکھایا تھا۔ معلوم نہیں بارگاہ رب العزت میں کون سا گناہ سرزد ہوا تھا۔ میں محروم رہا ــــ میں بدنصیب ــــ میں بدقسمت ــــ" انھوں نے آہیں بھرتے بھرتے تکیہ پر سر رکھ دیا۔

"نہیں نہیں ــــ میں ضرور جاؤں گا ــــ میں ضرور جاؤں گا ــــ میرا سامان تیار کرو ــــ"

مونس نے جلدی سے ڈاکٹر کو فون کیا۔ ان کی حالت نہایت غیر تھی ــــ! سرفراز نے دیکھا کہ ان کا سر تکیے سے ڈھلک گیا تھا۔ انھوں نے آہستہ سے تکیہ سرکایا اور انھیں آرام سے لٹا دیا۔

"بابا جان ـــــ" علی نے دفور گریہ سے بھرائی ہوئی آواز میں پکارا۔
مگر یہ پہلی مرتبہ تھی کہ علی کی پکار کا مقتدر صاحب نے جواب نہیں دیا۔
"کیا بات ہے ۔ بھائی صاحب ـــ" مونس دوڑ کر سرفراز کے قریب آئے۔
"اللہ کی مرضی پوری ہوئی مونس ـــ!" سرفراز نے شدت غم سے بدحال لہجے میں کہا۔
"بھائی جان ـــــ!" علی چیخ اٹھا اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ ڈاکٹر نے کال بل بجائی۔ وہ کہرام میں گھل مل گئی ـــ سرفراز نے پائنتی سے شال اٹھائی اور سر سے پاؤں تک مقتدر صاحب پر اڑھا دی۔
وہ بہر حال عید قرباں تھی ـــ

آمنہ بیگم کو اب رنج و غم کے موقعوں پر ہنسی آنے لگی تھی ۔ ان کی شکلوں نے مضحکہ خیز صورتیں اختیار کر لی تھیں۔ جیسے وہ اپنی تقدیر میں سکون اطمینان آرام اور فراغت لکھا کے لائی ہی نہیں تھیں۔ اک ازلی التہاب۔ ایک ازلی اضطراب اور بس ـــ
مقتدر صاحب کے دنیا سے اٹھنے سے انھیں پتہ چلا۔ حقیقی معنوں میں کوئی پرسان حال ختم ہوا تھا۔ ایک مضبوط چھت ان کے سر سے اٹھ گئی تھی ان کے آس پاس آنسوؤں کے سیلاب اور آہوں کے طوفان کے سوا کچھ بھی نہیں تھا ـــ

مونس نے مناسب نہیں سمجھا کہ اپنی سوگوار ماں اور خالہ کو تنہا چھوڑ کر ملازمت پر چلے جائیں۔ سرفراز مجبور تھے وہ ملازمت پر چلے گئے ــــ زبیدہ اور بچے گئے۔ رفتہ رفتہ گھر خالی ہونے لگا ــــ

"امی بہتر ہو کہ آپ اس مکان کو فروخت کر دیجئے اور میرے ساتھ چلئے"۔ ایک دن مونس نے ناصرہ خاتون سے کہا ــــ "میں دیکھ رہا ہوں کہ بابا جان کے بعد آپ اور خالہ امی بڑی خراب حال ہو کر رہ گئی ہیں۔ اگر یہی صورت حال برقرار رہی تو بڑا سخت نقصان ہوگا۔ میں یہ مکان بھی بیچ دوں گا۔ اپنا تبادلہ کرا لوں گا اور ہم سب ہمیشہ کے لئے نقل وطن کر جائیں گے ــــ

"میں کہاں جاؤں گی مونس ــــ" ناصرہ خاتون نے کہا "یہیں آدھی عمر گزری ہے۔ یہیں باقی بھی گزر جائے گی ــــ تم اللہ کا نام لے کر سدھارو یہاں ہم دونوں تو ہیں ــــ اس کے علاوہ میں نہیں چاہتی کہ علی کی پڑھائی خراب ہو ــــ"

"خیر میں سوچوں گا ــــ" مونس نے متفکرانہ انداز میں جواب دیا "آپ سب کے لئے مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ علی کہاں ہے؟ صبح سے دکھائی نہیں دیا ــــ"

"معلوم نہیں ــــ اپنے کمرے میں ہوگا ــــ" آمنہ بیگم نے آہ بھر کر کہا "وہ تو صحیح معنوں میں اب یتیم ہوا ہے نہ اسے راتوں کو نیند ہے نہ دن کا آرام نصیب ہے معلوم نہیں کہ کب تک کے لئے اس کی تقدیر میں یہی پریشانی لکھی ہے۔ ہفتہ بھر ہو چکا ہے اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار نہیں ٹوٹتا۔"

"خالہ امی ــــ کیا آپ نے اسے تقدیر کی پریشانیاں بھگتنے کے لئے آزاد چھوڑ رکھا ہے ــــ" مونس نے ملامت خیز لہجے میں کہا۔ "جب کبھی میں آپ سے اس کے متعلق پوچھتا ہوں آپ مجھے یہی جواب دیتی ہیں کہ

معلوم نہیں۔ کہاں ہے ۔ کیا کر رہا ہے ۔ "آج بھی آپ کو پتہ نہیں وہ کدھر گیا ہے ؟ ۔ کمرے میں نہیں ہے ۔"

"بیٹا وہ مجھ سے کہہ کے کب جاتا ہے ۔ ؟" آمنہ بیگم نے کہا۔

"اگر نہیں کہتا تو اسے اس کا پابند کیجیے کہ ہمیشہ کہہ کے جایا کرے !" مونس نے کہا اور پھر اٹھتے ہوئے بولے ۔ "میں تو سمجھتا ہوں وہ یقیناً باباجان کی قبر پر گیا ہے ۔ خدا ہی بہتر جانتا ۔ بے چارہ اپنے دل و دماغ کا کیا حشر کرے گا ؟"

انھوں نے ایک برہم نظر اپنی ماں اور خالہ پر ڈالی اور بھاری قدموں کی دھمک پیدا کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"مونس سے میں کہتی تو انھیں صدمہ پہنچتا آپا ۔" آمنہ بیگم نے کہا "علی نے بھیا کی قبر پر جانا اپنا معمول بنا رکھا ہے۔ میں اسے روک نہیں سکتی دل کو اگر سکون ملتا ہے تو انہوں سے ملتا ہے ۔ میں مجبور ہوں ورنہ میں بھی انہی کے پاس بیٹھی رہتی ۔"

"مرنے والوں کے ساتھ کوئی نہیں مرا ۔ آمنہ ۔" ناصرہ خاتون نے پرنم آنکھوں کو آنچل سے پونچھتے ہوئے کہا ۔ "میرا ان کا برسہا برس کا ساتھ تھا ۔ میں ہی نہ مری ان کے بعد ۔ مگر اب غم کرنا بیکار ہے ۔ اگر اس طرح سر پیٹنے خاک اڑانے سے جانے والے واپس آسکتے تو سچ کہتی ہوں آدھی دنیا ماتم گسار ہی نظر آتی ۔ علی کو سمجھاؤ ۔ اس طرح سوگ پالے بیٹھا رہے گا تو اس کی صحت الگ خراب ہوگی اور مستقبل پر بھی اثر پڑے گا ۔"

"میرے بس کی بات نہیں ہے ۔ میرا تو خود ہی حال تباہ ہے ۔"

آمنہ بیگم نے کہا۔

اور یہ حقیقت بھی تھی! —— ایک تو مقتدر صاحب کی بے ہنگام اچانک موت۔ دوسرے اپنوں کی لا بدی جدائی۔ گھر ویران ہو کر رہ گیا تھا! عشرت کے یہاں انہی دنوں ولادت ہوئی تھی وہ اپنے میکے چلی گئیں۔ مونس کب گھر میں بیٹھے رہتے تھے! علی دیوانہ ہو رہا تھا! لے دے کے دو خستہ حال عورتیں رہ گئی تھیں جنھیں گھر بار کھانے پینے سونے جاگنے کا بھی ہوش نہ رہا تھا۔! مونس نے زبردستی کھلا دیا تو کھا لیا۔ نہیں تو کسی کو اس کی پرواہ بھی نہیں۔! ناصرہ خاتون اپنی موت کی دعائیں مانگتی رہتیں اور آمنہ خاتون کو یہ ہول سما گیا تھا کہ اگر کبھی وہ ناگہانی ختم ہو گئیں تو بے یار و مددگار علی کا کیا حشر ہوگا۔؟

مونس کا خیال غلط نہیں تھا۔ وہ گھر سے نکلے تو سیدھے قبرستان پہنچے۔! دور ہی سے انھیں باپ کی قبر دکھائی دی اور علی بھی نظر آ گیا۔

اسے مونس کی آمد کی خبر بھی نہیں لگی —— مقتدر صاحب کی قبر پر بازو پھیلائے اور بازو پر سر رکھے وہ سسک رہا تھا۔

"بابا جان —— دنیا میں میرا جی نہیں لگتا۔ میں اکیلا ہوں۔ وحشت سی میرے دل میں سمائی رہتی ہے —— بابا جان —— مجھے بھی بلا لیجئے اپنے پاس... آپ کی طرح کوئی مجھے نہیں چاہتا ——" وہ قبر پر سر رگڑنے لگا۔

مونس اس کے پاس بیٹھ گئے اور چپکے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا

"علی یہ کیسی بے صبری ہے ——، تم خدا کو بھول گئے ہو ——!" اور اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کا سر اٹھایا۔

اس نے بمشکل اپنی آنکھیں کھولیں۔ ان سے خون ٹپک رہا تھا! آنسوؤں سے اس کا چہرہ تر بتر تھا۔ منہ بسورا ہوا۔ حالت دیوانوں کی سی۔

میلا پُرشکن لباس ——— !

• مونس بھائی - میں نہیں جی سکتا - میں نہیں جی سکتا ——— "وہ ان کی آغوش میں گر گیا -

وہ پیار سے اس کے بالوں میں اپنی انگلیوں سے کنگھی کرنے لگے - اور تسلی دینے کے انداز میں پیٹھ تھپکنے لگے -

" اس طرح کوئی جان سے نہیں گزرتا علی ——— " انھوں نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور بے حد پر محبت لہجے میں سمجھایا ——— " تم بابا جان کو بہت چاہتے تھے - مگر اس طرح رو رو کر تم ان کی روح کو تکلیف پہنچانے کا باعث بن رہے ہو ——— ؟ اگر حقیقی معنوں میں تمھیں ان سے اتنی ہی محبت ہو تو اٹھو - آنسو پونچھو - دل کو سنبھالو - ان کی مغفرت کی دعا مانگو ان کی چھوٹی موٹی تمام آرزوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کرو" یوں رونا دھونا نہ ان کے کسی کام کا ہے نہ تمھارے - مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے علی کہ تم اتنے سنگدل ہو گئے ہو کہ تمھیں ان عورتوں کا بھی خیال نہیں رہا جو ضعیف و کمزور ہیں - جن کے دل تم سے زیادہ صدمہ محسوس کر رہے ہیں مگر وہ اتنی صابر و ضابط ہیں کہ محض تمھاری خاطر انھوں نے اپنے غم و الم کو اپنی ذات تک محدود رکھا ہے - تم سب کو پریشان کر رہے ہو - یہ خود غرضی بھی ہے مرنے والے اور جینے والوں سے محبت نہیں ہے - "

علی نے سر اٹھایا اور خاموشی سے آنسو پونچھ لئے - پھر گلوگیر آواز میں کہا

• مونس بھائی ——— اب میرا باپ کہاں ہے - میں کسے بابا جان پکاروں گا - "

" بڑا بھائی باپ سے کم نہیں ہوتا مجھے بابا جان کہہ کر پکار لو - مگر خدا کا واسطہ تمھیں اب دل کو سنبھالو اور صبر کرو - تمھیں معلوم نہیں گھر پر اتنی

اور خالہ اماں کس قدر پریشان ہیں اور تمہارا یہ طرزِ زندگی ان کے لیے کتنا روح فرسا اور جانگسل ہے ۔۔۔"

مونس نے اس کا ہاتھ تھام کر اٹھا دیا۔

"میں جا رہا ہوں۔ بابا جان ۔۔۔ خدا حافظ ۔۔۔"

علی نے کپکپاتے ہوئے لبوں سے کہا اور مونس کے ساتھ قبرستان سے باہر آ گیا۔ ! ان کی پیہم نصیحتوں نے اس کا غم کسی حد تک کم کر دیا تھا یا پھر اس نے اظہار میں احتیاط برتی تھی ۔۔۔ مگر بالکل گم صم رہنے لگا تھا۔

مونس بھی ملازمت پر جانے والے تھے ۔۔۔ عشرت کا ارادہ کئی ماہ اپنے میکے ہی میں رہنے کا تھا ۔۔۔ وہ سوچتے رہتے تھے کہ معلوم نہیں ان کی غیر موجودگی میں گھر کی کیسی ابتر حالت ہو جائے گی ۔ علی کی عمر حالانکہ پچیس چھبیس کے لگ بھگ تھی۔ مگر وہ ابھی تک اسے غیر ذمہ دار نا سمجھ بچہ ہی سمجھتے تھے جس سے گھر کی دیکھ بھال اور بوڑھی عورتوں کی خدمت ممکن نہیں تھی ۔ درحقیقت انھیں علی سے محبت بھی بے انتہا تھی ۔۔۔ وہ اپنی محبت کا عملی مظاہرہ بھی کرتے تھے علی کی تمام تر کفالت انہی کے ذمہ تھی ۔۔۔ اپنی شادی کے بعد سے انھوں نے سختی سے اپنی ماں اور خالہ کو محنت مشقت کرنے سے روک دیا تھا ۔ مقتدر صاحب کی وفات کے بعد ایک نہایت قلیل رقم گزارے کی ادارے کی طرف سے ناصرہ خاتون کو ملتی تھی ۔ جو کسی کام کی نہیں تھی ۔ وہ اتنی بھی نہیں تھی کہ اس سے ایک ہی دن کا خرچ چل سکتا ۔۔۔ مونس کی تنخواہ بڑی تھی اور وہ نہایت اعلیٰ طریقے سے رہنا چاہتے تھے ۔ اور رہتے بھی تھے ۔ مگر اب ان کا اپنا خاندان بھی بڑھ رہا تھا ۔۔۔ عشرت کی تمام ضروریات تھیں ۔۔۔ جن میں کتر بیونت نا ممکن تھی ۔ اور اب بچے کے فرائض بھی بڑھ گئے تھے ۔ جو پختہ عمر

مہینے کوئی تقریب ہوتی ہی رہتی تھی۔ کرنل بخشی کی طرز رہائش بڑی شان دار تھی۔ عشرت اسی کی عادی تھیں۔ ان کے یہاں پہلے نواسے کی پیدائش کی خوشی میں جو معمولی سے معمولی تقریب بھی ہوئی وہ مونس کی حیثیت سے غیر معمولی ہی ثابت ہوئی۔ انھیں اپنی سسرال کے شایان شان انتظام کرنا پڑا اور وہ اپنے ساتھیوں کے کسی قدر مقروض بھی ہوئے۔

گھر کے اخراجات۔ عشرت کا ماہانہ خرچ۔ خود ان کی ضروریات کے لئے رقم کی حاجت اور پھر علی کی تعلیم۔ لباس۔ اس کا ماہانہ جیب خرچ۔ غرض کہ اس صورت حال نے مونس کو پریشان کر دیا تھا۔ مگر انھوں نے اپنی پریشانی کا اظہار بھول کر بھی کسی سے نہیں کیا ــــ مگر سوچتے رہے کہ کیسے اور کیونکر بجٹ متوازن کر سکتے ہیں۔

علی نے آج تک اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا۔ وہ متقدر صاحب کے بیٹے کی حیثیت رکھتا تھا اور اب تک تمام ضرورتیں متقدر صاحب ہی پوری کرتے تھے ان کے بعد دفعتہً یہ بار جو غیر معمولی تھا! مونس پر پڑ گیا۔ ان کی خاموش پریشانیاں عورتوں سے پوشیدہ نہ رہیں۔ آمنہ بیگم نے پوچھ ہی لیا۔

"کچھ نہیں!" ــــ وہ ٹال گئے ــــ "کوئی خاص بات نہیں خالہ اماں بس یہی فکر ہے کہ میں بھی چلا جاؤں گا۔ عشرت ابھی آئیں گی نہیں۔ اور گھر میں بس آپ دو ہی عورتیں رہ جائیں گی۔ اگر خدا نخواستہ کسی وقت کوئی خاص پریشانی درپیش ہوئی تو کیا ہوگا ــــ؟"

"بیٹے تم نے پریشانیاں بڑھائی ہیں" ــــ آمنہ بیگم نے کہا۔ "میں آپ لوگوں کے سلسلے میں اس پر رتی بھر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ وہ لڑکیوں سے بڑھ کر ڈرپوک بودا اور کمزور ہے۔ میں مزید برآں یہ چاہتا بھی نہیں کہ یکبارگی اس پر بڑوں کی

دیکھ بھال اور خدمت کا بوجھ پڑ جائے —"

"مونس یہ تمھاری محبت ہے کہ تم نے ابھی تک علی کو بچہ بنائے رکھا ہے" آمنہ بیگم نے جواب دیا۔

"مگر یہ حقیقت نہیں ہے۔ اسے سمجھاؤ۔ کچھ تو اسے بھی اپنے فرائض کا خیال ہو۔ اور پھر.... ضروری کیا ہے کہ کوئی ہماری خدمت کرے — میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ اپنا دل بہلانے کے لیے میں پھر کوئی کام شروع کر دوں —"

"خدا کی قسم! — خالہ اماں —" وہ تڑپ کر بولے — "میری زندگی میں یہ ممکن نہیں ہے —"

"مونس!" وہ آواز دبا کر بولیں — "بیٹا اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ تم نے اس پہلو پر غور نہیں کیا کہ اب ایک قلیل رقم میں گھر کا چلنا دشوار ہے کل سوا سو روپیوں میں سب خرچ کیسے پورے ہوں گے —"

مونس کو اس تذکرے سے شرم سی آنے لگی — "آپ اس کی فکر نہ کیجیے یہ روپیہ آپ علی کو دے دیا کیجیے۔ وہ یونیورسٹی جاتا ہے۔ اس کی پوزیشن کو شاندار ہونا چاہیئے۔ میں آپ کے لیے ہر ماہ معقول رقم بھجوا دیا کروں گا۔"

"تم آخر اتنا کہاں سے لاؤ گے —، تمھارا ابھی خرچ کافی ہے —" آمنہ بیگم نے کہا — "میں نہیں چاہتی کہ تم اپنی بیوی اور بچے کا منھ مار کر ہمارا گھر بھرو میاں — دن بھر ہم بیٹھے ہی تو رہتے ہیں — میں ہمسائی سے تذکرہ کروں گی۔ کچھ سلائی کا کام ہو تو مجھے لا دیا کریں —"

"یہ تو ان کی زندگی میں بھی کرتے تھے —" ناصرہ خاتون بھی آ کر بیٹھ گئیں "نہ تو یہ کوئی شرم کی بات ہے نہ قدر سے گری ہوئی ہے —"

"نہیں امی نہیں — ہرگز نہیں —" وہ سختی سے بولے "میں

یہ سننا نہیں چاہتا کہ میری ماں اور خالہ اپنی گزربسر کے لیے سلائی کرتی ہیں۔"

"بیٹا پھر گھر کا خرچ ــــــ" ناصرہ خاتون نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔ "شکل سے تیس چالیس پڑے ہیں اور پہاڑ سا مہینہ ــــــ"

مونس کا چہرہ متغیر ہونے لگا ــــــ "میں نہیں سمجھتا کہ باباجان کے مرتے ہی یہ کیا مصیبت آئی ہے کہ دفعتہً ادبار چھا گیا ــــــ"

"اسے تو چھانا ہی تھا ــــــ" ناصرہ خاتون نے کہا۔ "معلوم نہیں خدا کی کیا مرضی تھی۔ تم اپنے ہاتھوں سے ہم تینوں کے حج کا سفرخرچ کمپنی کو چھ سات ہزار دے آئے تھے وہ اب واپس نہیں ملے گا۔ ادارہ سے چار سو کی بجائے سوا سو آرہے ہیں۔ جس گھر کا خرچ ماہانہ پانچ سو سے کم نہ ہو وہاں سوا سو روپے آٹے میں نمک کے برابر ہیں ــــــ"

"امی اب چار پانچ نفوس مجھ پر بار نہیں ہیں ــــــ" وہ چیخ اٹھے۔ "بارہ سو ماہوار پاتا ہوں۔ میرے اور عشرت کے لئے پانچ سو کافی ہیں۔ میں سات سو علی کو بھیج دیا کروں گا ــــــ اس کے حصے میں خبردار کوئی کمی نہ آئے۔ امی نہ اسے اس بات کا احساس ہو ــــ میں پھر کہتا ہوں۔ اس کا خیال رکھئے گا ــــــ"

"ایسی فضول خرچی نہ کرنا۔ میں تمہاری رقم واپس کردوں گی ــــــ" آمنہ بیگم نے کہا ــــــ "بلا سے ہم سلائی نہ کریں گے مگر تمہارے سو روپے ہمارے لئے کافی ہوں گے۔ اب تمہارے سامنے ماشاء اللہ بڑے گھر کی بیوی ہے۔ بچہ ہے تمہیں اپنے سب کے لئے بھی پس انداز کرنا چاہئیے ــــــ"

پھر دوسری باتیں چھڑ گئیں ــــــ مونس دو تین دن بعد روانہ ہونے والے تھے۔ ان کے پاس اتنی فالتو رقم نہیں تھی کہ وہ عشرت کو اور ناصرہ خاتون

کو دے سکیں انھوں نے کسی سے کہے بغیر پانچسو روپیے سرفراز سے منگوا بھیجے
یہ اتفاق ہی تھا کہ ٹی۔ ایم۔ او۔ اس دن پہونچا جب علی گھر پر تھا۔ اس کے سامنے مونس نے رقم وصول کی ۔۔۔ وہ سب کچھ خاموشی سے دیکھتا رہا۔
مونس نے سو روپیے الگ کر کے اسے دیتے ہوئے کہا ۔۔ "یہ روپیے اپنی بھابی کو دے آنا۔ میں شام کو جا رہا ہوں ۔۔۔"
اور چار سو علی کی جیب میں رکھ دیئے ۔۔۔ "یہ تمھارے ہیں ۔۔۔ میں پھر بھیجوں گا ۔۔۔"
"آپ کب آیئے گا ۔۔؟" اس نے پوچھا۔
"شاید میں چار پانچ مہینے نہ آسکوں ۔۔۔" مونس نے ہنس کر اس کے کندھے پر تھپکی دی ۔۔۔ "اگر تمھاری بھابی آنا چاہیں تو انھیں سہولت سے مجھ تک پہنچا دینا ۔۔۔ اور سنو۔ ہمیشہ بے فکر اور ہشاش بشاش رہنا۔ میں خالہ اماں اور امی کو تمھارے سپرد کئے جا رہا ہوں ۔۔۔"
"جی ۔۔۔!" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے سر جھکا لیا۔ مونس نے اس کی ٹھوڑی تھام کر چہرہ اٹھایا اور ہنسنے لگے ۔۔۔
"کیا سوچ رہے ہو ۔۔۔؟"
"تنہائی مجھے ڈس لے گی ۔۔۔"
"مار بیٹھوں گا اگر تم نے لڑکیوں کی سی کوئی بات کی ۔۔۔" مونس نے جھوٹے موٹ بگڑ کر کہا ۔۔۔ "جناب مرد کی شکل لئے پھرتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ اچھا بیٹے۔ اگر تمھیں فارن نہ بھجوا دیا تو میں نے بھی کوئی کام نہ کیا۔ ایسا کورس دلوا دوں گا کہ کم از کم پانچ سال تک چلے ۔۔۔"
وہ خاموش ہو گیا ۔۔۔

"کبھی اکیلا رہا نہیں ــــ ناحق ڈانٹنے ہو یونس ــــ" ناصرہ خاتون نے کہا ــــ

"خبردار ــــ رونا دھونا بند ــــ" یونس نے گرج کر دبنگ لہجے میں کہا "تمھارے آگے زندگی کا وسیع میدان ہے۔ جسے تمھیں اور صرف تمھیں عبور کرنا ہے ــــ پہلے قدم پر تھک کر بیٹھ جاؤ گے تو باباجان کے کسی خواب کو شرمندہ تعبیر نہ کرسکو گے ــــ دو سال چشم زدن میں گزرتے ہیں ــــ"

"جی ــــ!" اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

سہ پہر کا وقت تھا۔ آمنہ بیگم نے چائے تیار کردی تھی۔ دونوں پی کر باہر نکلے۔ یونس کو کچھ خریدنا تھا۔ مغرب سے کچھ پہلے واپس آئے تو پتہ چلا کہ ناصرہ خاتون کے بڑے بھائی عثمان صاحب آئے ہیں۔ مقتدر صاحب کی تعزیت کے سلسلے میں آئے اور یہ ارادہ بھی رکھتے تھے کہ بہن کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ بڑے ضعیف اور بالکل سن سفید تھے۔ بے چارے ایسے خستہ و خراب ہو رہے تھے کہ گھنٹہ بھر تک تو ان کے منھ سے بات ہی نہیں نکلی۔ پھر مقتدر صاحب کی یاد میں روئے تو اس طرح کہ ننھے بچوں کا سا بنا یا مگر آنسو ایک نہ نکلا ــــ سوکھی سوکھی سسکیاں لیتے رہے ــــ

"ہم اب سے پانچ سال پہلے آئے تھے ــــ" وہ آہیں بھر بھر کے بولے ــــ "کیسا جی خوش ہوا تھا بھرا ہوا گھر دیکھ کر آج عجیب ویرانی سی ویرانی ہے۔ کلیجہ منھ کو آرہا ہے ــــ بیٹی تم اور بی بی۔ تم بھی اپنے بچے سمیت چلو ہمارے یہاں ــــ کچھ آب و ہوا بدلے گی۔ دماغ ہلکا ہوگا۔ معلوم نہیں کیسے رہ لیتی ہو اس گھر میں ــــ ہم تو اتنی سی دیر میں گھبرا گئے ہیں ــــ"

"زمانہ بدلتا رہتا ہے بھائی صاحب ــــ" ناصرہ خاتون نے کہا۔ "کبھی صبح ہے تو کبھی شام۔ اب تو یہیں رہنا بسنا ہے کب تک بھلا آپ کے یہاں رہوں گی۔ پھر واپس آؤں گی تو پھر اسی ویرانی اور سناٹے سے سابقہ ہوگا۔ اب تو آمنہ کی وجہ سے کچھ ایسی تنہائی بھی نہیں معلوم ہوتی ــــ خدا رکھے بڑی ہے ــــ"

آمنہ بیگم تو کسی صورت سے ان کے ساتھ جانے پر آمادہ نہیں تھیں۔ مگر بڑے میاں تھے کہ بس اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے ــــ

"دلھن نے کہا تھا کہ ہم ساتھ میں تمھیں لے کر ہی لوٹیں ــــ" انھوں نے کہا آئے بھی اسی غرض سے ہیں! ورنہ تم جانو بی بی کہ یہ عمر ہماری ایسی نہیں کہ کرانبار سفر کرکے میرٹھ سے حیدرآباد آئیں ــــ! تم سامان درست کرو ــــ پرسوں نکل چلینگے"

یونس کو سخت ناگوار ہو رہا تھا! انھوں نے اکیلے میں ناصرہ خاتون کو تاکید کردی کہ ان کے ساتھ نہ جائیں اور چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہ تو چل دیئے۔ ناصرہ خاتون کے لئے مشکل چھوڑ گئے ــــ بڑے میاں اس پر بھی مصر تھے کہ آمنہ بھی ساتھ چلیں لیکن وہ راضی نہ ہوئیں۔

عثمان صاحب نے اب زبردستی کی ــــ "ہم کہے دیتے ہیں ناصرہ اگر تم نے ہمارا کہا نہ مانا تو پھر یاد رکھو کہ ہمارے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے ــــ تمھارے لئے تو خیر ہم مر ہی جائیں گے پھر تمھارا وجود اور عدم وجود ہمارے لئے برابر ہو جائے گا خدا کی قسم ــــ"

"بھائی صاحب۔ میرے عدت کے دن ــــ" ناصرہ نے عذر پیش کیا۔

"تو پھر ہم ٹھہر جائیں گے سوا مہینے اور ــــ" انھوں نے بڑے اطمینان سے کہا۔

ناصرہ خاتون کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ عدت وغیرہ

کو کہیں الگ اور ان کے ساتھ چل دیں۔ گھر کا موقف ایسا نہیں تھا کہ ایک دائم المریض بوڑھے انسان کی ہر طرح خاطر تواضع کی جاتی۔ وہ اعلاج میں پیسے صرف کئے جاتے ــــ وہ خاص خاص چیزیں کھاتے پیتے تھے ۔ اپنے گھر سے خوشحال تھے اور بہن کی خوشحالی بھی دیکھی تھی ــــ انھوں نے یہ سوچا تک نہیں کہ چار پانچ برسوں میں دنیا بدل بھی سکتی ہے ۔

جب عثمان صاحب نے اپنے گھر خط لکھ کر اپنے قیام کا ارادہ ظاہر کیا تب بدقت تمام بدرجہ مجبوری ناصرہ خاتون نے کہا ۔

"لکھ دیجئے کہ میں آپ کے ساتھ آ رہی ہوں ــــ آپ کا ارادہ پرسوں صبح نکلنے کا تھا ــــ"

"بیٹی ــ واقعی ؟ ــــ" وہ خوش ہو گئے۔ مگر ان کی یہ خوشی ناصرہ خاتون کو زہر لگی ۔

"آمنہ !ــ" انھوں نے اکیلے میں ان سے کہا ــــ "یقین کرو کہ ایک ہفتہ سے زائد نہ رہوں گی ۔ میرا خود بھی دل نہ لگے گا ــــ ایسے بھائی صاحب قضائے مبرم بن کر نازل ہوئے ہیں کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن ــــ"

"ہاں آپا ــ جلدی آ جایئے گا ــ!" آمنہ بیگم نے کہا ــــ "میں بھی اکیلی رہنے کی عادی نہیں ۔ اختلاج تو مجھے ابھی سے ہو رہا ہے ــــ کبھی ایسا جی نہیں گھبرایا تھا ــــ"

"بڑی مجبوری آن پڑی ہے ــــ!" ناصرہ خاتون نے کہا ــ "بہرحال گھبراؤ نہیں ــــ"

غرض کہ دوسرے تیسرے دن ہی عثمان صاحب جیسے بلائے ناگہان بن کر نازل ہوئے تھے ۔ اسی طرح اپنی بہن کمیت میرٹھ روانہ ہو گئے ــــ

گھر کے سناٹے اور ویرانی کا یہ عالم تھا جیسے شہر خموشاں بن کر رہ گیا ہو ——
آمنہ بیگم کو پورا اندازہ تھا کہ کس طرح یہ جاں گسل تنہائی علی کو کھلتی تھی - وہ اس کی خاطر خود کو چاق و چوبند رکھتیں! ہر وقت حتی الامکان مسکرانے کی کوشش کرتیں یہ تو ان کا دل ہی جانتا تھا کہ اس کوشش میں ان کا کتنا خون پانی ہوتا تھا۔
علی نے باہر رہنا چھوڑ دیا۔ شام کی تفریح بھی ترک کر دی - بڑے آخر وقت میں یونیورسٹی جاتا اور جلد ہی بھاگ آتا۔ اپنا سارا کاروبار باہر کے کمروں سے اندر اٹھا لایا تھا! دن بھر سامنے دالان ہی میں بیٹھا لکھا پڑھا کرتا ——
آمنہ بیگم نے سب سے چھپا کر ایک اور کاروبار شروع کر دیا تھا۔ انھوں نے کچھ رقم پس انداز کی تھی - اس سے ہمسائے لڑکے سے رنگ برنگی اون منگوایا تھا اور سوئٹر بننے شروع کر دیے تھے کہ سردیاں آئیں گی تو مناسب داموں پر فروخت کر دیں گی —— اپنا مدعا انھوں نے کسی پر ظاہر نہیں کیا تھا۔ جلدی کھانا پکا کر وہ علی کے پاس اپنا ساز و سامان لئے آ بیٹھتیں - بڑے برے دن ان کے پیش نظر تھے —— اور وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھیں کہ اپنی غربت اور مفلسی علی پر ظاہر کریں -
انھیں خبر نہیں تھی کہ علی بھی کچھ کم فکر مند اور پریشان نہیں تھا —— اپنی دانست میں وہ اس کا اظہار ماں پر نہیں چاہتا تھا کہ اب اس کے پہلے کے سے دن نہیں رہے ——
سرفراز کے بھیجے ہوئے منی آرڈر نے اس پر ایک بھیانک حقیقت روشن کر دی تھی —— وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ بہر حال تنہا ناصرہ خاتون کے لئے سوا سو روپیے بہت کافی تھے - زیادہ خرچ کی ضرورت تو خود اسے اور اس کی ماں کو تھی —— تعلیم - خورد و نوش - ملبوسات وہ سب سے حد پریشان رہا کرتا تھا -

اور پھر سب سے چھپ کر اس نے بڑی جماعتوں کے طلبا کے دو تین ٹیوشن کر لئے! اس اثنا میں ایک مرتبہ سرفراز نے اسے مزید کچھ رقم اور مونس نے دو ڈھائی سو کے لگ بھگ روانہ کئے۔ اس صورت حال نے اسے بے انتہا فکرمند اور رنجیدہ بنا دیا۔

کب تک ؟۔۔۔

یہ کب تک ہوتا رہے گا ؟

کیا اسے شرم نہیں آئے گی ۔۔۔ بابا جان کی بات اور تھی ۔۔۔ وہ سچ مچ باپ تھے۔۔۔ مگر سرفراز احمد اور مونس حسن ۔۔۔ یہ کب تک، اور کہاں تک۔۔۔ اور کس کس کی کفالت کرتے رہیں گے ؟ کیا اثر مرتب ہوگا سرفراز پر۔ علی اور اس کی والدہ کی گزر بسر ان کے رحم و کرم پر ہوتی تھی۔ مونس نے اگر کبھی اشارے کنائے سے بھی ظاہر کر دیا۔ تب۔ یا اگر عشرت نے اس پر احساس برتری جتایا تب ۔۔۔ ؟۔ تب کیا ہوگا ۔۔۔ ؟

وہ پاگل ہونے لگا ۔۔۔ نہیں نہیں !۔ اب میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوں گا۔ پھر جب اس نے ٹیوشن شروع کئے تب اسے قدرے تسلی اور سکون ہوا اسے پہلی مرتبہ چاروں ٹیوشنوں سے کل ایک سو پچیس روپیہ ملے اور پہلی ہی مرتبہ اپنی محنت کی کمائی پا کر اسے محسوس ہوا۔ اس کی فکریں قدرے کم ہو گئی ہیں۔ لیکن ایک احساس کمتری تھا جو اس کے دل پر بوجھ بن کر آ گرا تھا۔۔۔!

ٹیوشن ؟ ۔۔۔ پتہ نہیں اچھا پیشہ ہے کہ برا ۔۔۔ اس نے پیسے ماں کے حوالے کر دیئے اور ان کے استفسار پر بات بنا دی کہ کسی دوست پر واجب تھے اس نے قرض چکایا ہے !

پھر پہلی بار اس نے سرفراز کا منی آرڈر واپس کیا۔ پتہ نہیں انھوں نے

ردعمل کے طور پر یونس کو اپنے خط میں کیا لکھا تھا کہ وہ اپنے خط میں علی پر خوب گرجے برسے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ خود کو بڑا سمجھنے لگے ہو۔ اب تو میں محض دھمکی دے دے کر رہ گیا مگر خدا کی قسم اب تو ضرور پیٹوں گا۔۔۔ یہ آخر کیا لغویت کی۔۔۔؟ سرفراز بھائی نے کیا سوچا ہوگا۔ باجی کا بھی تم نے دل توڑ دیا ہے۔ فوراً انھیں معذرت کا خط لکھو اور اپنی حماقت کی معافی مانگو۔۔۔ بڑے بے ہودہ ہو رہے ہیں آپ۔ اچھی بات ہے۔ میں عشرت کو لینے آرہا ہوں۔ سمجھوں گا تم سے۔ ایسے ناخلف ہو گئے ہو۔۔۔!"

"کیوں ڈانٹا ڈپٹا ہے یونس نے۔۔۔؟ کیا کیا ہے تم نے؟۔۔۔" آمنہ خاتون نے خط پڑھ کر کہا۔ بے حد حیران تھیں۔۔۔ "نہ بیٹا بری بات ہے۔ وہ تو بڑے بھائی ہیں تمھارے ان سے کوئی بدتمیزی نہ کیا کرو۔۔۔"

علی نے کہہ دیا کہ اس سے کیا حماقت سرزد ہوئی تھی۔ "دراصل۔ مجھے اب کچھ شرم سی آتی ہے امی۔۔۔ یونس بھائی کی بات اور ہے۔۔۔ مگر دولہا بھائی۔۔۔"

"یونس سے کیا شرم۔۔۔" آمنہ بیگم نے سمجھایا۔ "انھوں نے اب تک ہمارے ساتھ بہت کیا ہے۔۔۔"

"اچھا میں منگوا لوں گا رقم۔۔۔" اس نے کہا اور پھر کچھ سوچ کر پوچھا "امی ایک بات مجھے بتایئے کہ جب آپ مجھے لے کر اپنے باپ کے گھر سے نکلی تھیں۔۔۔ تو۔۔۔؟"

"کیا فضول پرانا قصہ لے بیٹھے ہو۔۔۔!" آمنہ بیگم نے ناگواری سے بات کاٹ دی۔۔۔ "پچیس برس بیت گئے۔۔۔ دنیا بدل گئی۔۔۔"

"آپ کے والد محترم کا اسم گرامی کیا تھا — امی —؟" اس نے دانت پیس کر کہا۔

"میرے والد محترم تمہارے کون ہوئے —؟" آمنہ بیگم نے غصے سے کہا۔

"میرے —؟" وہ زہریلی ہنسی ہنسا۔ "ان کی مقدس ذات سے کوئی رشتہ لگا کر میں اپنی ذات کو ناپاک کرنا نہیں چاہتا — بہرحال آپ ان کا نام تو بتائیے —"

"نہیں بتاؤں گی۔ تم سچ مچ بڑے بے ہودہ ہو رہے ہو۔ آنے دو مونس کو۔ تمہاری شکایت ضرور کروں گی —"

"آپ کچھ بھی کیجئے امی —" اس نے بڑے مستحکم لہجے میں کہا: "اگر زندگی نے وفا کی اور مجھے موقع ملا تو میں آپ کے والد اور اپنے بزرگ و مشفق نانا جان محترم سے انتقام لئے بغیر ہرگز نہ رہوں گا —"

"میں کہتی ہوں۔ علی۔ یہ آج کل تمھیں ہو کیا گیا ہے —" آمنہ بیگم نے بگڑ کر کہا۔

"یہ جو رات دن چپ شاہ کا روزہ رکھے رہتے ہو تو کیا یہی سب کچھ سوچا کرتے ہو — بیٹا جو کچھ اس دنیا میں ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ میرا اور اپنا معاملہ بھی اللہ ہی کے سپرد کر دو — انتقام اگر لے سکتا ہے تو وہی منتقم حقیقی لے سکتا ہے — اور تم اتنا یاد رکھو علی کہ میرے باپ سے انتقام لے کر میری خوشنودی حاصل نہ کر سکو گے۔ بلکہ میری نظروں میں گر جاؤ گے —"

"ایک شرط ہے — پوری کر دیجئے تو آپ کا حکم مان لوں گا"

"نہیں مانو گے — ضدی ہو تم۔ خود سر —" آمنہ بیگم نے ناخوشگوار لب و لہجے میں کہا — "تمہارے نانا کا نام صفات احمد تھا —"

"اور میرے دادا کا نام نامی بھی بتایئے ۔۔۔"

"شفیع احمد ۔۔۔ وہ تو میرے سگے خاوند تھے ۔۔۔ پتہ نہیں کہ زندہ ہیں یا گزر گئے ۔۔۔"

"ظالم اتنی جلدی کہاں گزرتے ہیں ۔۔۔" وہ تلخی سے بولا ۔ "زندہ ہی ہوگا ۔۔۔"

"پھر وہی بدتمیزی ۔۔۔ نامیاں ۔۔۔ میں بھرپائی ۔ تمہارے پاس آمنہ نہیں بیٹھوں گی ۔ اپنا دماغ تو خراب کرتے ہی ہو مجھے بھی فضول بکواس کر کر کے کسی کام کا نہیں چھوڑتے ۔۔۔"

"آپ کے کوئی اور بھائی بہن یا دیور وغیرہ نہیں ہیں امی ۔۔۔؟"

"پتہ نہیں میں سب بھول بھال گئی ۔۔۔" وہ خفا ہوگئیں ۔ "تم بیٹھ کے لکھو پڑھو میں جا رہی ہوں رات کا کھانا پکاؤں گی ۔۔۔"

وہ قلم ہاتھ میں لیے گم صم سا بیٹھا رہ گیا ۔ آمنہ بیگم اٹھ کے چل دیں ۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ اپنے ددھیال اور ننھیال دونوں سے سخت نفرت کرتا تھا اور دل میں قسم کھائی تھی کہ کبھی ان لوگوں کو معاف نہیں کرے گا ۔

آمنہ بیگم کی تباہ حالی اور اپنی بے بضاعتی نے اسے بہت زیادہ خائف اور متفکر کر دیا تھا ! وہ سوچ رہا تھا کہ گنی بوٹی تپا شوربہ کھلا کے دن اس طرح چلیں گے ! پھر اس کے خیالات کی رو اپنے شاگردوں کی طرف چلی گئی وہ بڑے متمول اور ذی عزت لوگ تھے ۔ اونچی سوسائٹی کے تہذیب یافتہ افراد کہلاتے تھے ۔ علی نے سوچا کیا اچھا ہوتا اگر وہ بھی انہی دولت مندوں میں سے ایک ہوتا جن کے پاس کاریں تھیں ۔ پانچ پانچ منزلہ کوٹھیاں تھیں ۔ نوکروں کی فوج ہمیشہ آقاؤں کے حکم پر دوڑتی پھرتی تھی ۔ روپیہ پیسہ

کا وہ ریل پیل کہ جیسے گھر ہی پر ٹکسال لگی ہو۔

اس نے حسرت سے اپنے گھر کے در و دیوار پر نظر ڈالی۔ چھوٹا سا دالان اس کے دائیں دو نیم تاریک سے کمرے۔ ایک دیوان خانہ۔ کچا صحن جسے امرود کے گھنے درخت نے تاریک اور مختصر کر دیا تھا۔ کہیں پختہ اور کہیں انگریزی کھپریل کی چھت۔۔۔

کیا کبھی وہ دور بھی میری زندگی میں آسکے گا جس کا میں خواب دیکھا کرتا ہوں اور وہ اونچی شاندار کوٹھی اس کے ذہن میں ابھرنے لگی جہاں وہ روز ٹیوشن پڑھانے جاتا تھا۔ کتنا خوبصورت ڈرائینگ روم۔ پائیں باغ۔ لان۔ پورٹیکو وہ نیم دائرہ، برآمدے، تعیشات زندگی کا اعلیٰ ترین سامان۔ لمبی سی مونگیا رنگ کی کار۔۔۔ جسے باوردی ڈرائیور چلاتا تھا۔

پھر اس کے دماغ میں کوٹھی کے مالک کا ہیولیٰ ابھرا۔ بڑے بھاری تن و توش کے آدمی تھے اتنے بری الفاظ تو نہیں تھے۔ لیکن پھیلاؤ خوفناک تھا۔ بارعب غصیلا چہرہ۔ سینے پر پھیلی ہوئی کھچڑی ڈاڑھی۔ کم بخدار اور غصہ ور آواز سرخ آنکھیں کہ جدھر دیکھ لیں ایک سکوت چھا جائے۔۔۔ آج تک۔۔۔ درانی صاحب سے روبرو بات چیت کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ لیکن اس نے اپنی شاگردوں سے سنا تھا کہ اس کے ڈیڈی بڑے سخت اور حکومت پسند آدمی ہیں۔

دو ڈھائی مہینے کے بعد مونس اچانک عشرت کو لینے آگئے۔ ان کی آمد

سے آمنہ بیگم کو بڑی خوشی اور تقویت حاصل ہوئی۔ شام کا وقت تھا اور اس وقت بھی علی گھر پر موجود نہیں تھا۔ تنہا آمنہ بیگم تھیں جو مونس کا سامان قرینے سے رکھنے کے بعد ان کے لئے ناشتہ تیار کرنے باورچی خانے کی طرف لپکیں۔

"نہیں خالہ اماں۔ آپ کوئی زحمت نہ کیجئے ——" انھوں نے کہا اور آمنہ بیگم کا ہاتھ تھام کر دالان میں لے آئے —— "میں اسٹیشن ہی سے چائے پی کر چلا تھا ——" "علی کیا عشرت کے یہاں ہیں؟"

"آج تو شاید نہیں گئے ——" آمنہ بیگم نے کہا —— کل البتہ عشرت نے کہلوایا تھا کہ وہ میرے پاس آنا چاہتی ہیں۔ میں نے منع کرا دیا۔ بھلا یہاں کیا جی لگتا ان کا۔ معلوم ہوتا کہ تم آنے والے ہو تو بلوا بھیجتی۔ مگر تم اچانک آ کیسے گئے ——"

"کچھ نہیں۔ یونہیں میں نے سوچا کہ ایک چکر لگا آؤں ——" مونس نے کہا —— "خالہ اماں یہ بتائیے۔ کیا علی نے کہیں ملازمت کر لی ہے یا انھیں اب ہماری ضرورت نہیں رہی ——"

"مجھے کچھ پتہ نہیں بیٹا —— کیا اس نے کوئی حماقت کی ہے۔؟"

"جی ہاں —— وہ غالباً بزرگ بن رہے ہیں یا پھر دماغ میں ان کے کوئی کیڑا رینگتا ہے —— وہ سعادت مند اب شاید ہماری مدد کو اپنے شایان شان نہیں سمجھتے —— خیر میں اس کے سارے ڈھیلے اسکرو کس دوں گا اچھا۔ میں جا رہا ہوں۔ عشرت کو لے آؤں۔!"

"مونس میاں —— تم اور وہ لوگ کھانا یہیں کھانا ——"

"جی بہت اچھا ——"

ان کے جانے کے لگ بھگ آدھ گھنٹے بعد علی بھی آ گیا۔ مونس کی آمد

کی خبر نے فکر و تشویش کا ایک سایہ سا اس کے خوبصورت چہرے پر محیط کر دیا۔ آمنہ بیگم نے اسے اور دہلا دیا۔

"اب دیکھنا کہ مونس میاں تمھاری کیسی خبر لیتے ہیں۔ معلوم نہیں اندر اندر کون سی حماقتیں کرتے پھرتے ہو۔ مجھ سے بھی نہیں کہتے۔ بہت ناراض نظر آ رہے تھے۔ سچ بتاؤ۔ تم نے کیا کیا ہے۔ میں ہی کوئی بہانہ کر کے بات برابر کر دوں"

"امی در اصل ــــ" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

آمنہ بیگم جلدی میں تھیں انھوں نے بھی تفصیل سے نہیں پوچھا۔ علی کو کچھ ضروری چیزیں لانے بھیج دیا۔ پھر وہ تو کھانے کی تیاری میں لگ گئیں اور علی واپسی پر گم صم سا باہر کے کمرے میں جا کر بیٹھ گیا۔

آمنہ بیگم کی حسب ہدایت رات کے کھانے سے پہلے مونس اور عشرت آ گئے ــــ

یونس نے عشرت سے کہا ــــ "جاؤ تم بھی خالہ اماں کے ساتھ کھانا تیار کرو ــ میں علی سے باتیں کرتا ہوں ــــ"

ان کی آواز سن کر علی خود ہی باہر نکل آیا اور بڑے ادب سے مسکرا کر انھیں اور عشرت کو سلام کیا۔

"جیتے رہو ــــ" بڑی خنگی سے مونس نے کہا اور علی کو گھورنے لگے۔ وہ گھبرایا ہوا تو تھا ہی۔ جھٹ سے ان کے بچے کو باہوں پر اٹھا لیا اور اس سے کھیلنے لگا ــــ

"تم غالباً گھومنے گئے ہو گے باہر!" مونس نے سرد لہجے میں پوچھا

"جی ــــ" وہ گو مگو میں بولا۔ جھوٹ بولنے کی عادت نہیں۔ سچ بولنا خطرناک تھا ــــ

"میری طرف دیکھو ــــ!" اچانک وہ یوں گرجے کہ بچہ اس کے ہاتھوں

سے چھوٹتے چھوٹتے بچا اور وہ خوف زدہ نظروں سے مونس کی طرف دیکھنے لگا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ بدمعاشوں اور غنڈوں میں اٹھنے بیٹھنے لگے ہو۔ جنھوں نے ہمارے سب کے خلاف حلق تک تمھیں بھرا ہے ——" وہ غصیلے لہجے میں بولے "سچ سچ بتاؤ۔ علی۔ تمھارا یہ طرزِ عمل آخر کیوں ہے —— یا تمھیں کہیں سے دفینہ ہاتھ لگا ہے ——"

"بیٹی تم جاؤ یہاں سے ——!" آمنہ بیگم نے وحشت زدہ ہو کر کہا —" میں سب تیار کروں گی۔ جاؤ دیکھو جا کے۔ آخر وہاں کیا ہو رہا ہے ——"

عشرت جلدی سے دالان میں آئیں۔ مگر مونس نے نہایت سرد لہجے میں اور بڑی بے رخی سے کہا۔

"تم جاؤ۔ خالہ اماں کا ہاتھ بٹاؤ ——" وہ کچھ شرمندہ سی لوٹ گئیں۔

"مونس بھائی ——" بالآخر علی نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور بڑی ہمت کر کے بولا —— "اس دنیا میں آپ سب کے سوا اور کوئی میرا دوست نہیں ہے... نہ کوئی دشمن ہے کہ آپ کے خلاف میرے کان بھرے گا —— وہ تو میں —— وہ تو میں خود ہی سوچ رہا ہوں کہ ——!"

"کہو کہو —— رک کیوں گئے ——"

اس نے نیچے کو چپکے سے تخت پر لٹا دیا اور خود اس کے پہلو میں ٹک گیا۔ پھر مدھم آواز میں بولا —— "مونس بھائی —— میں سوچا رہتا تھا کہ آخر —— آپ یا سرفراز بھائی کب تک ہماری مدد کرتے رہیں گے —— چنانچہ ——!" وہ پھر رک گیا —— اسے احساس تھا کہ مونس کس طرح اسے گھور رہے تھے کہ ان کی گرم گرم نظریں اس کی پیشانی کو جھلسے دیتی تھیں۔

"صاحبزادے تو پھر آپ نے مجھ بیچارے کو اس بوجھ سے نجات دلا...

کا کون سا طریقہ اختیار کیا ہے ۔۔۔؟"

"مونس بھائی آپ خواہ مخواہ خفا ہو رہے ہیں ۔۔۔" اس نے اب بھی نظریں نہیں اٹھائیں ۔

"حالانکہ آپ کو میرے اس اقدام پر خوش ہونا چاہیئے تھا ۔۔۔"

"خوش ہی تو ہونا چاہتا ہوں ۔ کون سا اقدام کیا ہے آپ نے ۔۔؟"

"بیوقوف کیوں غصہ دلا رہا ہے مونس کو ۔۔۔" آمنہ بیگم بڑبڑائیں ۔۔۔

"خالہ اماں ۔۔۔ ادھر آیئے ۔۔۔" دفعتہً مونس ہانپ کر کھڑے ہو گئے ! آمنہ بیگم بڑی تیزی سے آئیں ۔۔۔

"میں دراصل اسی لئے آیا ہوں ۔۔۔" مونس نے ایک نگاہ گرم علی پر ڈال کر کہا ۔۔۔ "ابھی اور اسی وقت اس بات کا فیصلہ ہو جانا چاہیئے ؛ مجھے یہ بتا دیجئے ۔ کوئی رشتہ انسانیت کا خلوص کا محبت کا ہم میں آپ میں ہے کہ ابھی تک ہم سب آپس میں منافقت اور ریاکاری برتتے رہے ۔"

"مونس بھائی ۔۔۔ خدا بہتر گواہ ہے ۔ ۔۔۔" علی نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر انھوں نے ڈانٹ کر کہا ۔۔۔ "تم چپ رہو ۔۔۔" وہ پھر چپ ہو گیا ۔

"بیٹا میری بالکل سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ بیوقوف آخر کیوں تمھارے منھ لگ رہا ہے ۔ مجھے معلوم ہے کہ اس نے کچھ کیا ہی ہوگا ۔ جبھی تو تم کو غصہ آگیا ہے ورنہ تم کو اس سے جو محبت ہے کیا میں جانتی نہیں ۔۔۔" پھر وہ علی کی طرف مڑ کر بولیں ۔۔۔ "اب مجھے بیچ میں نہ ڈالنا مجھے تم ۔۔۔ میں کہتی رہتی تھی کہ کوئی ایسی بات نہ کرو کہ بڑے بھائی کو بری لگے ۔ ۔ گر میں تو پاگل تھی ۔ دیوانی تھی ۔۔۔ تم نے میری بات مانی بھی ؟؟"

"نہیں جناب ۔۔۔ میں نے ڈھونگ کیا تھا ۔ محبت کا سوانگ رچایا تھا

مکاری کی تھی۔ جواب برادر عزیز پر کھل گئی لہذا انھوں نے انقطاع تعلق ہی مناسب سمجھا۔ اُدھر بھائی صاحب حیران ہیں۔ ادھر میں فکر مند ۔۔۔ لیکن انھوں نے اپنی نام نہاد عزت، دو غیرت پر ہماری برسہا برس کی محبت کو قربان کر کے پھینک دیا ۔۔۔" مونس نے تلخ و تند انداز میں کہا ۔۔۔ "اچھی بات ہے تم نے ذریعہ معاش تلاش کر لیا ٹھیک کیا۔ میں تو اپنی ماں کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آیا ہوں۔ تم سے مجھ سے کوئی مطلب آئندہ نہیں ہوگا ۔۔۔ میں نہیں چاہتا کہ میری ماں کی کفالت کا بوجھ تم پر پڑے لہذا بخیر شما بسلامت ۔۔۔ کل ہم چلے جائیں گے ۔۔!!"

"میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ مونس بھائی ۔۔۔" اچانک علی نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے ۔۔۔ "خدا بہتر گواہ ہے کہ میرا وہ مطلب نہیں تھا جو آپ نے نکالا ہے ۔۔۔ مونس بھائی میں صرف یہی چاہتا تھا کہ آپ کا بوجھ کچھ کم کر دوں۔ کون ایسا محسن کش اور نمک حرام ہے جو آپ کی محبت خلوص اور شفقت سے انکار کر دے گا مونس بھائی۔ نہ میں اپنے باپ کو جانتا ہوں نہ بھائی بند کو۔ میرے جو کچھ بھی ہیں آپ ہیں۔ کیا میں نہیں جانتا۔ کیا کچھ آپ نے میرے ساتھ کیا تھا اور کر رہے ہیں ۔۔!"

"بکواس بند کرو ۔۔ اور یہ بتاؤ کہ تم نے کیا کیا ہے ۔۔۔؟" مونس نے کہا۔

"کچھ نہیں .... اس طرف ۔۔۔ دو ایک ٹیوشن کر لئے تھے ۔۔۔" وہ دبی زبان میں بولا۔

"ٹیوشن؟" ایک چیخ کی صورت میں ان کی زبان سے نکلا اور وہ گھونسہ تان کر بڑے غصے میں اسے مارنے کے لئے اٹھے تھے کہ جلدی سے عشرت نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"خدا کے لئے۔ سنیئے تو۔ یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے ۔۔" وہ وحشت زدہ

ہو کر چیخیں ۔

"میں دیوانہ ہو گیا ہوں ۔۔۔۔۔" وہ گرجے ۔۔۔ "نہیں عشرت ۔ تم ہٹ جاؤ ۔ آج میں اس گدھے کو بتاؤں گا ۔ کس کرب و عذاب اور ذہنی خلش میں اس احمق نے مجھے مبتلا کر رکھا تھا ۔ ٹیوشن کر رہا ہے ۔ ٹھیک ہے ۔ باپ تو غریب کا مر چکا ۔ بھائی کو بھی اس غیرت دار نے دفن کر دیا ۔ اب اکیلا ہے دنیا میں ۔ خالہ اماں آپ چلیئے میرے ساتھ ۔۔۔ میں اب ایک منٹ یہاں رکنا پسند نہیں کرتا"

علی حیرت زدہ تھا ۔ سخت بدحواس ۔ کیا ٹیوشن کرنا ایسا ناقابل معافی جرم تھا جس کی یہ سزا مل رہی تھی ۔ آج سے پہلے اس نے کبھی مونس کو اتنا برہم نہیں دیکھا تھا ۔۔۔ غصہ تو انھیں آتا ہی نہیں تھا ۔۔۔ پھر اب ۔۔۔ کیا اس نے ایسی ہی شدید حماقت کی تھی ۔۔

"میں کہتی ہوں ۔ کیا تم اتنے ہی غیر ہو گئے ہو علی ۔۔" عشرت نے للکارا ۔ اور مونس کو ٹھنڈا کیا ۔۔۔ "اب غصہ تھوک دیجئے ۔ آپ ہی تو کہتے تھے کہ ابھی یہ بالکل غیر ذمہ دار اور نا سمجھ ہے ۔ آئندہ کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے ۔۔"

"نہیں کروں گا ۔ مونس بھائی ۔۔۔ کبھی نہیں کروں گا ۔۔" وہ گھٹنوں کے بل ٹیک کر ان کی ٹانگوں سے لپٹ گیا ۔ مونس کا غصہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا وہ منھ پھیر کر مسکرائے اور مسکراہٹ چھپانے کو کھنکھار کر بڑی دبنگ آواز میں بولے ۔

"خیر ٹھیک ہے ۔۔۔ اٹھو ۔ کھانا لے آؤ ۔ سب ساتھ ہی کھائیں گے"

عشرت کو علی کی شکل دیکھ کر بے ساختہ ہنسی آ گئی ! آمنہ بیگم نے بھی اطمینان کی سانس لی ۔

دو تین دن مونس کے ساتھ بڑے خوشگوار گزرے ! ان کی موجودگی میں

ایک لمحے کے لئے بھی علی گھر سے باہر نہیں نکلا۔ یا تو عورتوں کے ساتھ مل کر کھانا پکاتا یا پھر عشرت کے ساتھ گپ بازی ہوتی۔ اس کے علاوہ دلچسپیوں کا سامان ان کا بچہ تھا! —— صبح سے کب شام ہوتی۔ کچھ پتہ نہ چلتا ——

تیسرے روز اسے بے شمار نصیحتیں فضیحتیں کر کے مونس عشرت اور ننھے کے ساتھ چلے گئے —— اسے ایک بیکراں اداسی اور سناٹے کے حوالے کر کے۔

اس عرصہ میں دو ایک مرتبہ اس کی شاگرد کے پاس سے ملازم اسے بلانے آیا تھا مگر اس نے جلدی سے اسے بھگا دیا۔

آمنہ بیگم کو مونس ایک معقول رقم دے گئے تھے۔ انھیں ٹیوشن کی چنداں پرواہ نہیں رہی تھی —— وہ بھی یہی چاہتی تھیں کہ علی ذہنی یکسوئی کے ساتھ پہلے اپنی تعلیم مکمل کرے۔ مگر علی بڑا ویران ہو کر رہ گیا تھا —— نہ اس کا کوئی دوست تھا نہ ساتھی۔ نہ اسے غلط قسم کی تفریحوں سے دلچسپی تھی۔ فلم کے نام سے اسے دشمنی تھی —— ذرا سی وقت گزاری درس و تدریس کے ذریعہ ہوتی تھی سو وہ یوں گئی ——

"امی —— اس طرح تو میں بیمار ہو جاؤں گا!" ایک شام اس نے احتجاج کیا۔

"پڑھا لکھا کرو ——!" آمنہ بیگم نے لاپرواہی سے کہا۔ "اللہ نے فرصت اور فراغت دی ہے۔ تم چاہو تو بھائی صاحب کے بلند خوابوں کو تعبیر میں ڈھال سکتے ہو ——!"

"مگر ——" وہ اپنے آپ ہنسا۔

فردِ واحد کی اس آشوب میں قیمت کیا ہے
نفسِ گل کی بیاباں میں حقیقت کیا ہے

مغرب ہو چلی تھی وہ بیزار اور مضطرب سا نماز کے لئے اٹھنے ہی والا تھا کہ ایک کار دروازے پر آکر رکی دوسرے لمحے کسی نے ہارن بجایا۔

اس نے باہر نکل کر دیکھا۔ گاڑی میں سیٹھ درانی کی صاحبزادی جلوہ گر تھیں علی کو دیکھتے ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی ـــــ اور اس نے بڑی خاص ادا سے اسے سلام کیا۔

"خیریت تو ہے ماسٹر صاحب۔ آپ تشریف نہیں لائے ـــــ" اس نے شکایت کی۔

"ہاں۔ بے بی ـــ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ـــ" وہ مجبوراً جھوٹ بولا "دو ایک دن بعد انشاء اللہ آؤں گا ـــ"

"نہیں ـــ آپ کو تو ابھی چلنا ہے۔ میرے ساتھ! کل میرا ٹسٹ ہے آپ کے بھروسے پر میں نے بالکل تیاری نہیں کی ـــ!" سترہ اٹھارہ سال کی صاحبزادی جو کوٹھی میں بے بی کہلاتی تھیں۔ ایک بے بی ہی کی طرح ضد کرنے لگیں ـــ

علی نے سوچا کہ اب تو اس نے پڑھانا لکھانا ترک کر ہی دیا ہے۔ اگر اس وقت اسے کچھ نوٹس لکھا دیے جائیں تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ بعد میں معذرت کردے گا کہ وہ مزید ٹیوشن نہیں کر سکتا۔

"اچھی بات ہے ـــ آپ چلئے میں آتا ہوں!"

"جی؟" رومانہ نے حیرت سے کہا ـــ "آپ بعد کو آئیں گے؟ مگر میرے ساتھ چلنے میں کیا حرج ہے ـــ" پھر اس کی ایک نہ چلی اور اسے اس کے ساتھ جانا ہی پڑا۔

پورٹیکو میں سیٹھ صاحب کی گاڑی کھڑی تھی۔ وہ بھی غالباً کہیں جا رہے تھے اتنے میں علی کو ساتھ لئے پہنچ گئی ـــ سیٹھ صاحب نے ایک ناگوار اور برہم نگاہ دونو

پر ڈالی اور اپنی نہایت گرجدار آواز میں بولے۔

"نہایت درجہ کی لغویت، ماسٹر صاحب۔ یہ آپ کے شاگردوں کے فرائض میں شامل نہیں ہے کہ وہ آپ کو گھر سے پک اپ کیا کریں۔ اگر یہاں کا آنا جانا ایسا ہی دشوار ہے تو خدا حافظ۔"

علی کے تلووں سے لگی اور تالو پر بجھی۔ جواب اس کی زبان پر بڑا سخت آیا تھا مگر وہ خاموش ہی رہا۔ رومانہ نروس نظر آنے لگی۔

"اندر جاؤ ۔۔۔۔" اچانک وہ رومانہ کو دیکھ کر دہاڑے۔ غریب لڑکی اچھل پڑی۔ ایک التجائی نظر اس نے علی پر ڈالی۔ مگر اب تو اس کا موڈ بھی آف ہو گیا تھا اس نے بھی ایک نظر نفرت و حقارت سے بھرپور سیٹھ صاحب پر ڈالی اور پلٹ کر گیٹ کی طرف چل دیا۔ سیٹھ صاحب بڑے غصے سے ہونٹ چبا رہے تھے ۔۔۔

علی کو سخت غصہ آ رہا تھا اس نے سوچ لیا کہ پھر کبھی یہاں قدم نہیں رکھے گا یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ اسے ایک بہانہ ہاتھ آیا۔

معلوم نہیں۔۔ یہ خرد ماغ بڈھا اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ اس نے سوچا اور گزرتی ہوئی ٹیکسی کے لئے ہاتھ اٹھا دیا۔۔۔ راستے بھر اس کا دماغ پکتا رہا۔ کیا ایسا ہی ہوتا ہے۔ دولت کا گھمنڈ ۔۔۔ رہ رہ کر اس کے ذہن میں سیٹھ صاحب کا طباق سا چہرہ ابھرتا اور کانوں میں تضحیک آمیز الفاظ گونجتے ۔۔۔

"خدا کی مار ۔۔۔ پورا جانور ہے ۔۔۔" اس نے ہونٹ بھینچ کر سوچا۔

جب وہ گھر پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ آمنہ بیگم نے دیکھا کہ اس کا منہ کھنچا ہوا ہے انھوں نے وجہ پوچھی ۔۔۔ وہ تو بھرا ہوا تھا ۔۔۔ زہر اگلنے لگا۔

"کل سے نہ جانا ۔۔۔" آمنہ بیگم نے بات کاٹ دی ۔۔۔ "تم ان کی غیبت

کر کے اپنا ثواب کم نہ کرو۔ اپنے اعمال کا جواب سیٹھ صاحب کو دینا ہے۔ تمہیں کسی سے کیا مطلب ہے ۔۔۔؟"

"امی آخر آپ کہاں تک اور کب تک اپنے اور میرے دشمنوں کو معاف کرتی جائیں گی ۔۔۔؟" وہ بڑے طنز سے ہنس کر بولا۔

"معاف کرنے میں جو لذت ہے وہ انتقام میں نہیں ہے ۔۔۔" آمنہ بیگم نے سمجھایا ۔۔۔ "بدلہ لینے کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم بھی کسی ظالم کی سطح پر آگئے ہو ۔۔۔"

"امی یہ ساری باتیں کتابی ہیں ۔۔۔" اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ "میں تو دیکھتا ہی ہوں سزا جزا کسی کو کچھ نہیں ملتی۔ کیا ان لوگوں کو کوئی سزا ملی ہے جنھوں نے آپ کو اور مجھے بے سروسامانی کی حالت میں دربدر کیا تھا! آپ ناکردہ کار تھیں میں تو خیر بچہ ہی تھا۔ کس کو یقین آئے گا کہ آپ کے والد نے آپ پر ظلم کیا تھا۔"

"تم پھر وہی بکواس کرنے لگے ۔۔۔" انھوں نے ناگوار انداز میں کہا۔ "علی تم یقین کرو کہ میرے دل میں کسی طرف سے کوئی شکایت اور کدورت نہیں۔ اگر مجھے اپنے ماں باپ ملیں۔ ساس سسر کبھی مجھے یاد کریں تو میں ان سب کے ساتھ ہی رہوں گی جیسے پہلے رہتی تھی! میں اکثر سوچتی ہوں بیٹا کہ میں نے ہی گھر سے نکل کر غلطی کی تھی۔ مجھے اپنے گھر ہی میں مرجانا چاہیئے تھا ۔۔۔"

"بے شک آپ نے غلطی ہی ایسی کی تھی کہ ناقابل معافی تھی! جان بوجھ کر بیوہ ہوجانا کوئی کم گناہ ہے ۔۔۔؟"

"یہ تو کوئی نیکی میرے آڑے آگئی تھی ۔۔۔" وہ اپنی رَو میں بولیں ۔۔۔ "کہ مجھے فرشتے کی صورت میں مقتدر بھائی مل گئے تھے۔ فرض کرو کہ وہ نہ ملتے کوئی بدمعاش ملتا! تو پھر کیا ہوتا۔ تم کہاں ہوتے۔ میں کہاں ہوتی خدا نہ کرے کہ اور بیوہ عورتوں میں میری مثال قائم ہوجائے۔ ہر ایک کو مقتدر بھائی نہیں ملتے

پتہ نہیں۔ انھوں نے بھی کیا سوچا ہوگا۔ تم برملا میرے باپ اور سسرال کو برا بھلا کہتے ہو۔ انھوں نے نہیں کہا مگر یہ تو یقیناً اندازہ قائم کیا ہوگا کہ جب میں نوجوانی کے زمانے میں ننھا سا بچہ لے کر گھر سے بھاگ کھڑی ہوئی ہوں تو خدا معلوم میرے کنبے والے کیسے ذلیل نیچ اور کم ظرف لوگ ہوں گے۔۔۔!"

"اگر باباجان یہی سمجھے تھے تو سچ سمجھے تھے۔۔۔" اس نے لقمہ دیا۔

آمنہ بیگم کو اس کی دریدہ دہنی پر ایسا غصہ آیا کہ وہ خاموش ہوگئیں، اور پھر اٹھ کر نماز پڑھنے چلی گئیں۔۔

علی کے ذہن میں پھر اچھی بری باتیں بگولوں کی طرح چکرانے لگیں۔ کیا دنیا میں ایسے ہی لوگ رہتے ہیں۔ جن کے دل رحم و مروت ہمدردی اور خلوص سے یکسر خالی ہوتے ہیں۔ میرے نانا اور دادا —— اور سیٹھ درانی صاحب۔۔؟

مگر نہیں ... دنیا ابھی اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہوئی۔ میرے باباجان یونس بھائی۔ زبیدہ باجی —— یہ تو اندھیری دنیا میں روشنی کے مینار ہیں۔

دوسرے دن یونیورسٹی میں کوئی مباحثہ تھا... اس نے صرف پہلا گھنٹہ اٹنڈ کیا اور پھر لائبریری میں جا کر بیٹھ گیا۔ یوں بھی اکثر کتابیں اس کے پاس نہیں تھیں۔ لائبریری ہی سے اس کا کام چلتا تھا۔

یہاں اس وقت مکمل سناٹا تھا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو اتنی مطالعہ سے دلچسپی کہاں تھی کہ وہ فری پیریڈز میں کتب بینی کرتیں۔ ان کے پاس تازہ فلموں کی کہانیاں تھیں نت نئے فیشن کے موضوع تھے کہیں اپنے پسندیدہ ہیرو ہیروئین

کی ایک گروپ قصیدہ خوانی کر رہا تھا تو کہیں موسیقی کا کامپیٹشن ہو رہا تھا۔

علی کو دنیا کی رنگینیوں اور رعنائیوں سے کیا سروکار تھا؟... اگرچہ کہ وہ ساری یونیورسٹی کا ایک اچھا دماغ تھا لیکن اساتذہ کی حد تک۔۔ طلبا اس سے جلتے تھے اور جان بوجھ کر اس کی ہم نشینی سے گریز کرتے۔ اس نے اس کی پرواہ بھی نہیں کی۔۔ اسے تو صرف پڑھنا تھا اور وقت مقررہ کے بعد درسگاہ کو خیرباد کہنا تھا۔۔ کسی کے رشک و حسد۔ جلن اور طنز و تعریض سے اسے واسطہ بھی کیا تھا!

اس کے چند کلاس فیلو تو اس سے سچ مچ کی دشمنی رکھتے تھے۔ اسے ستانا اس پر رکیک اور چھچھورے فقرے کسنا، اس کی ذات پر شرمناک حملے کرنا ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ لیکن اس نے اپنے مخالفین کی دشنام طرازی کی بھی پرواہ نہیں کی۔۔۔ بلا سے۔ کوئی اپنے ظرف کا مظاہرہ کرے۔ معلم حضرات تو اس پر بہت مہربان تھے اور ہر ممکن طریقے سے اس کی علمی مدد کرتے رہتے تھے۔

اسے بھی اس کے کرم فرماؤں نے عجیب روشنی میں دیکھا تھا!.. وہ جدھر سے گزرتا اس کے ہم جماعت اس پر آوازے کستے۔۔

"ارے بھئی وہ دیکھو۔ پروفیسر سعید کے پٹھو جا رہے ہیں۔ شائد ان کی گاڑی کے لئے پٹرول لینا ہے۔۔"

"کمال کرتے ہو یار۔ میں نے تو سنا ہے کہ یہ حضرت روز پروفیسر صدیقی کے کتوں کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں تفریح کرانے۔۔"

اور پھر بڑے وحشیانہ قہقہے لگتے۔۔

اس نے کبھی کسی کی شکایت پروفیسروں سے نہیں کی تھی۔ فائدہ بھی

کیا تھا۔ ! وہ سب بڑے آدمی تھے اور بڑے آدمیوں کا ایک الگ غول ہوتا ہے بھیڑیوں کا غول۔ جس میں کسی بھیڑ کا گزر نہیں ہو سکتا۔ کون سمجھ سکتا تھا کہ اس کی شکایت پر خود اسی کو لتاڑ نہ سننی پڑتی۔ لہذا وہ بس اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔

لائبریری کی خاموش فضا کو سیلنگ فین کی سنسناہٹ خوشگوار بنائے ہوئے تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وسیع وعریض لینڈ اسکیپ تھا۔ قریب ہی بوٹانیکل گارڈن اپنی تمام تر سرسبزیوں کے ساتھ بکھرا ہوا تھا۔ چند پتھروں کے حلقے میں ایک چھوٹی سی نیلگوں جھیل محصور تھی اور نکھرے ہوئے آسمان پر بے فکر پرندے محو پرواز تھے۔

اس کی نظریں سامنے رکھی ہوئی کتاب پر تھیں مگر دماغ ان قہقہوں میں الجھا ہوا تھا جو دور سے آرہے تھے اور اس کا سکون درہم برہم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

اس نے کتاب بند کر کے آگے سرکا دی اور ایک ہلکی سی انگڑائی لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دفعتہً راہداری میں کسی کے قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ اور دوسرے لمحے روحانہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ کچھ شرمسار اور کھسیائی سی۔

اس نے یہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ دل ہی دل میں جھنجلایا۔ مگر بناوٹی انداز میں مسکرا کر پوچھا۔

"اوہو۔ آپ یہاں۔ کہیئے کیسے تشریف لائیں؟"

"ماسٹر صاحب۔" وہ نادم سی مسکرائی۔ "کل آپ بگڑ کر چلے آئے۔ دراصل آپ کو ڈیڈی کی بات بری لگی ہوگی۔ وہ بدمزاج اور غصہ ور ذرا زیادہ ہیں۔ میں ان کی طرف سے معافی چاہتی ہوں۔ تو پھر آج شام کو آپ آئیں گے

پڑھانے ۔۔۔ ، در اصل میرے ٹسٹ ہو رہے ہیں۔ ماسٹر صاحب ۔۔!"

"ہو سکتا ہے بے۔ بی کہ میری آمد آپ کے ڈیڈی کو اور برہم کر دے" علی نے کہا ۔۔۔ "اور کوئی ناگوار بات ہو جائے۔ ظاہر ہے اگر یہ واقعہ ہوا کہ ..."

"وہ تو بات کہہ کے بھول جاتے ہیں ....." رومانہ نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی ۔۔۔ "ہم لوگوں نے تو برا ماننا ہی چھوڑ دیا ... تو پھر ۔۔ آپ آج آ رہے ہیں ۔۔! دیکھئے میری سفارش کے لئے مینا باجی بھی آئی ہیں ۔۔ کم از کم ان کا کہنا تو آپ کو ماننا ہی پڑے گا ۔۔۔"

اس نے غیر ارادی طور پر سر اٹھا کر دیکھا۔ رومانہ کے پاس قدرے پیچھے مینا کھڑی تھی ۔۔ اس کی بڑی بہن ۔ سفید کلی ایسے لباس میں ملبوس ۔ مبتسم چہرہ، مخمور گن آنکھیں روز ہی یونیورسٹی میں وہ بے شمار لڑکیوں کو دیکھتا تھا! جو آزاد اور شوخ ہرنوں کی مانند ہر طرف قلانچیں مارتی پھرتی تھیں ۔ جن میں نام کو نسائیت ۔ نزاکت اور حیا نہ تھی! جو لباس اسی مقصد کے تحت پہنتی تھیں کہ زیادہ بے لباس ہو جائیں جو جان بوجھ کر چٹاخ پٹاخ لہجے میں مردوں سے باتیں کرتی تھیں ۔ بات بے بات قہقہے لگاتیں اور حتی الامکان کوشش کرتیں کہ زیادہ سے زیادہ تیز، طرار، حسین اور دل کش نظر آئیں ۔۔!

مگر یہ لڑکی ان سب سے مختلف تھی! سیٹھ درانی کی صاحبزادی ہونے کے لحاظ سے اسے اور زیادہ بیباک و تیز اور بے حجاب ہونا چاہیئے تھا ۔ لیکن وہ اپنی خوشنما ساڑھی کا آنچل سر پر اوڑھے کتنی دل کش اور جاذب نظر معلوم ہو رہی تھی! ایک مرتبہ بے خیالی میں اس کی نظریں علی کی نظروں سے الجھی تھیں ۔ پھر اس کے رخساروں پر گلابی سی جھلک اٹھی ۔ لب کانپے اور اس نے سر جھکا لیا۔

"مینا باجی! آپ نے تو کہا تھا کہ چلو ہم تمہاری سفارش کر دیں ۔۔۔"

روبانہ خاموشی سے اکتا کر بول پڑی ـــــ "کچھ تو کہیئے نا آخر۔ آپ تو خاموش ہیں۔ کیجئے سفارش ـــــ!"

اس نے اپنی موروں سی گردن اٹھائی اور مرتعش مگر دلکش لہجے میں بولی ـــــ
"میرا بھرم رکھ لیجئے۔ مقدر صاحب ـــــ چلے آیئے۔ اگر آپ نے ڈیڈی کا ناگوار لہجہ بہت زیادہ محسوس کیا ہے تو ان کی طرف سے میں بھی آپ سے معافی مانگتی ہوں ـــــ"

اس کے دل میں کسی نے ہلکا ہلکا سا ارغنوں چھیڑ دیا۔ زندگی کے بے آب و گیاہ ریگزار میں جیسے یک بیک حدی خوانوں نے نغمے گونجنے لگے۔ زندگی اچانک دلکش اور خوبصورت ہو گئی۔ اس کے لبوں سے کوئی جواب نہیں نکلا۔ گم صم سادہ کھڑا ہی رہ گیا۔ جیسے جاگتے میں کوئی دلکش خواب دیکھنے لگا ہو۔ ـــــ روبانہ کچھ کہہ رہی تھی مگر اس کی آواز اسے بڑی دور سے آتی معلوم ہوئی ـــــ!

"اچھا ماسٹر صاحب ـــــ میں جاتی ہوں۔ ابھی باجی کو کالج بھی جانا ہے۔ پھر میں آپ کو آکر لے جاؤں گی!" وہ خوش ہو کر بولی۔

ایک سرسری نظر اس پر ڈال کر مینا بھی چلی گئی۔

اور دیر تک وہ وہیں کھڑا رہا ـــــ تو یہ تھی ـــــ روبانہ کی باجی ـــــ!

وہ زندگی جو لمحہ بھر پہلے خوبصورت نظر آرہی تھی ـــــ ویران صحرا بن کر رہ گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے مینا کا حسین چہرہ پھر رہا تھا۔ دل کی عمیق ترین گہرائیوں میں اس کی دلکش آواز ابھی تک گونج رہی تھی ـــــ

وہ اس رہگذر کو دیکھتا رہ گیا جس پر سے وہ گزر چکی تھی۔

"صاحب۔ آپ کو سعید صاحب بلا رہے ہیں ـــــ" دفعتہً چپراسی نے کہا اور وہ ہوش میں آگیا۔

سیمنار میں سعید صاحب کے پاس چند لڑکے اور بھی تھے! علی نے دیکھا ان میں اس کا حریف اور کھلا ہوا دشمن اوصاف بھی تھا۔ علی کو دیکھ کر اس کے بشرے سے شیطنت اور کینہ توزی جھلکنے لگی۔

"غالباً تم نے تو تیاری مکمل کر لی ہوگی؟" سعید صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں!۔" اس نے بڑے مستور لہجے میں کہا۔

"دیکھو بھئی۔ نظام کالج سے بھی کچھ لوگ آ رہے ہیں ۔۔۔" سعید صاحب نے علی کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "خیال رہے کہ تمھیں بہر حال اپنا پلہ بھاری رکھنا ہے ۔۔۔!"

"جی ۔۔۔" وہ جبراً و قہراً مسکرایا۔ دفعتہً اس کے مزاج میں عجب تبدیلی ہوئی تھی کہ یہ کاروبار حیات بے مصرف بے معنی اور مہمل معلوم ہونے لگا تھا! ایک بے حسی، بے زاری اس کی ذات پر محیط ہوتی جا رہی تھی۔

"اچھا کچھ تلخیص تو دکھاؤ ۔۔۔" پروفیسر صاحب نے کہا۔

اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا کاغذ کا پرزہ نکال کر انھیں تھما دیا۔

"بس۔ اسی قدر ۔۔۔؟" وہ متعجب نظر آئے۔

"جی۔ جناب اشارے ہیں۔ پورا پورا مباحثہ نہیں ہے ۔۔۔!" اس نے بیزار لہجے میں کہا۔

"واہ صاحبزادے ۔۔۔" انھوں نے ایک طائرانہ نظر اشارات پر ڈالی اور خوش ہو کر بولے ۔۔۔ "نکات بہت عمدہ ہیں اور تفصیل طلب مقرر کئے ہیں مجھے پوری امید ہے کہ آج کی بازی تمھارے ہی ہاتھ رہے گی ۔۔۔" پھر وہ اچانک اوصاف سے مخاطب ہو گئے ۔۔۔ "آپ نے بڑا تفصیلی مضمون لکھا ہے میرا خیال ہے کہ علی احمد سے کچھ مشورہ کر لیجئے ان کے نکات بہت عمدہ

ہیں۔ آپ کی یہ ساری تقریر ذہن میں جوں کی توں رہنے والی نہیں ـــ"

"بہت اچھا ـــ!" اوصاف نے پھنکار کر کہا ـــ اور میز پر سے اپنا فائل اٹھا کر سیمنار سے باہر نکل گیا ـــ علی اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

"پرواہ مت کرو ـــ فتح کا سہرا تمھارے ہی سر بندھے گا ـــ" سعید صاحب نے اس کی پیٹھ ٹھونک کر کہا ـــ "اچھا اب تم جا سکتے ہو ـــ"

وہ ایزی چیئر پر لیٹ کر اخبار پڑھنے لگا۔ وہ سیمنار سے چلا آیا ـــ لیڈیز روم کے قریب اسے اوصاف ملا۔ اس کا یہ معمول ہی بندھ کر رہ گیا تھا۔ آنکھیں سینکنے اور نفس کی دلچسپی کی خاطر وہ بظاہر بالکل لاتعلق بنا لڑکیوں کے کمرے کے پاس کھڑا رہتا۔ پہلے پہل اکثر نئی لڑکیوں نے اپنی نگراں کار سے شکایت بھی کی تھی لیکن اس نے بڑی بے رخی سے ان کی بات ٹال دی ـــ کچھ ایسی دھاک اوصاف کی دولت کی بیٹھی ہوئی تھی کہ کوئی اس کے خلاف زبان ہلانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ ہر ہفتہ بڑے پیمانے پر اپنے اساتذہ اور ساتھیوں کی دعوت کرتا ـــ مصلحتاً ان لڑکوں کی مدد کرتا جو اس سے حیثیت اور پوزیشن میں بہت کم تھے۔ خواتین کی عزت کرنا اس کا مسلک تھا۔ بہرحال یونیورسٹی میں تو کوئی نہیں تھا جو اس کے خلاف ایک لفظ بھی کہہ سکتا۔

"سنیے مسٹر مقتدر ـــ!" اچانک اس نے علی کا راستہ روک لیا۔ وہ رک گیا۔ اگرچہ کہ وہ اس کا کلاس فیلو تھا۔ لیکن کبھی ان دونوں میں براہ راست گفتگو کی نوبت نہیں آئی تھی۔ مقتدر اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ پڑھائی لکھائی میں وہ صفر سے بدتر تھا ـــ شاید اس کے پاس ڈھنگ کی کوئی کتاب بھی نہیں تھی۔ ہر سال بڑی بڑی رشوتیں دے کر اپنا کام نکالتا۔ یونیورسٹی آنے کا مقصد سوائے وقت گزاری اور سطحی دلچسپی کے اور کچھ بھی نہ تھا! اوصاف لاکھ اپ ٹو ڈیٹ

فیشن ایبل اور دولت مند تھا۔ لیکن مقتدر کی نظروں میں اس کی اہمیت اتنی تھی کہ وہ اسے محض ڈھول کا پول سمجھتا۔ دولت جسم کو چاہے جیسے سنوار دے لیکن روح کو نہیں سنوار سکتی۔ روح کو صرف تعلیم سنوارتی ہے۔

"فرمایئے۔" مقتدر نے ایک طویل سانس لی اور اوصاف کو دیکھنے لگا۔ "آج آپ ڈبیٹ میں ضرور حصہ لیں گے۔" اس نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"ضرور۔"

اوصاف کے آگ لگنا شروع ہوئی۔ "شاید تمہیں دوسروں کے مقابلے میں اپنی کامیابی کا یقین ہے۔"

"کیوں نہیں۔" مقتدر نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ کس طرح میں دوسروں پر غالب آ سکتا ہوں۔ خود اعتمادی بھی کوئی چیز ہے۔"

"اپنی کھوپڑی سے باہر نہ آؤ۔ سمجھے تم۔" دفعتہً وہ اپنی اصلیت پر اتر آیا۔ "تم اس وقت تک اس مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک میں نہ چاہوں۔"

"اچھا تو آپ بزعم خود یونین کے سربراہ بن بیٹھے ہیں۔" مقتدر نے ہنس کر لاپرواہی سے کہا۔ "میں آپ کا چیلنج قبول کرتا ہوں اور اب میں دیکھوں گا کہ اس مقابلہ میں میرے سوا کون کامیاب ہوتا ہے۔"

"تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔ میں چاہوں تو تمہیں اس یونیورسٹی سے نکلوا دوں۔"

"بے شک۔ تم اپنی دولت کی اندھی لاٹھی سے گدھے اور گھوڑے کو

یکساں ہانکتے ہو۔ لیکن تمہارا یہ حربہ مجھ پر کارگر نہیں ہو سکتا ــــ جو جی میں آئے کر لینا۔ تمہاری دھمکیاں خود ہی تمہاری کمزوریوں کی دلیل ہیں ــــــ" مقتدر نے کہا اور پلٹ کر چل دیا۔

اوصاف کی آنکھوں سے شعلے سے نکل رہے تھے۔ بار بار مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ اسی وقت مقتدر کی بوٹیاں اڑا دیتا۔ پھر بھی اپنی ریشہ دوانیوں سے باز نہ آیا۔ غصے کا بھوت اس کے سر پر سوار تھا۔! پہلے تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ ہر ممکن طریقے سے مقتدر کی بحث کو ہوٹ کر کے ناکام بنائیں۔ پھر ان استادوں کو بڑی شاندار ٹی پارٹی دے ڈالی جنھیں کچھ نہ کچھ تعلق اس ڈبیٹ سے تھا اور جن کا کوئی نہ کوئی کام اس کے دولت مند باپ سے اٹکا ہی رہتا تھا۔

لیکن نامعقول اور جاہل گنواروں کے گروپ میں سمجھدار تہذیب یافتہ اور انصاف پسند لوگ بھی ہوتے ہیں۔

اوصاف کو سو فیصدی یقین تھا! وہ اس عام مجمع میں مقتدر کو شکست دے دے گا۔۔۔ وہ بڑا خوش اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔

سہ پہر کو مباحثہ کا آغاز ہوا ــــ دوسرے کالج سے بھی طالب علم اور پروفیسر آئے تھے۔ پہل انھوں نے کی۔ اوصاف کے ایک ساتھی سے یہ معمولی سی غلطی سرزد ہوئی کہ اس نے مارے جوش کے اور اوصاف کی خوشنودی کی خاطر نظام کالج کے ایک ہونہار ذہین اور پسندیدہ طالب علم کو ہوٹ کر دیا۔

اوصاف کے ساتھیوں نے شور بھی مچایا۔

لیکن نظام کالج کے ایک پروفیسر بہت سخت گیر اور اصول پسند تھے وہ فوراً ڈائس پر آئے اور انھوں نے اپنی گونجدار آواز میں دھمکی دی کہ اگر جن

شریر اور بیہودہ لڑکوں نے مباحثہ کو اس طرح ناکام کرنے کی کوشش کی تو فوراً پولیس بلوائی جائے گی۔ جس طرح یونیورسٹی میں استادوں کا منظور نظر مقتدر تھا اسی طرح نظام کالج کا بڑا ذہین طالب علم عبید بھی تھا۔

پروفیسر خان خود بھی پولیس سے کم نہ تھے ۔ نہ وہ کسی سے مرعوب ہوتے تھے نہ متاثر — وہ خود ڈائس پر شروع سے آخر تک بیٹھے رہے باری باری مباحثہ کی کارروائی چلتی رہی۔ مقتدر نے بھی ہمیشہ کی طرح حصہ لیا جب وہ مائیک کے سامنے آیا تب ایک بڑی سرسری سی نظر اوصاف پر ڈالی تھی۔ اس نظر میں بظاہر کچھ نہیں تھا۔ لیکن اوصاف نے نفرت انتقام اور توہین کی ایک جلتی ہوئی بھڑکتی ہوئی دنیا اپنے لئے دیکھ لی۔ اب اسے اپنی اسکیم کی کامیابی کی امید نہیں تھی —

جن استادوں کو اس نے ہموار کیا تھا وہ بھی کھلے بندوں مقتدر کی تردید نہ کر سکے۔ جج صاحبان ایسے اساتذہ تھے؛ جنھیں اوصاف جانتا نہیں تھا اور جن کا تعلق بھی اس سے اور اس کے باپ سے نہیں تھا۔

جلسے کے بعد عبید اور مقتدر کے ناموں کا اعلان کیا گیا۔ اپنے گروپ کی طرف سے یہی دونوں کامیاب ہوئے تھے۔ جنھیں انعام بھی دیا گیا

دونوں نے بڑی گرمجوشی سے آپس میں مصافحہ کیا۔ مقتدر نے پھر ایک طائرانہ نگاہ ہال پر ڈالی۔ اوصاف کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

"آپ سے مل کے بڑی خوشی ہوئی مسٹر مقتدر —" عبید نے کہا۔ "میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں —" اسے اداس آنکھوں والا اپنا ساتھی بے حد پسند آیا تھا —

"شکریہ جناب —" وہ ہولے سے مسکرایا۔

"شاید آپ اس میدان کے پرانے کھلاڑی ہیں ـــــ" عبید نے کہا۔ "کیونکہ جہاں میں اپنی فتح پر آپے سے باہر ہوا جا رہا ہوں ـــــ آپ پر ہیں کوئی اثر نہیں رکھتا"

مقتدر اس کا دل رکھنے کو ہنسنے لگا ـــ "ایسی کوئی بات نہیں۔ خوش تو میں بھی ہوں لیکن اظہار احساس سے قاصر ـــ"

"خیر ـــ کبھی کبھی ملتے رہا کیجئے ـــ" عبید نے کہا ـــ "مجھے بھی آپ اپنے دوستوں کے حلقے میں شامل کریں تو بڑا شکر گزار ہوں گا ـــ"

"حلقہ کہاں۔ عبید صاحب ـــ میں تو صرف مرکز ہوں ـــ" مقتدر نے کہا "حلقہ کی تمنا بھی نہیں رکھتا۔ کیوں کہ خود کو معدوم سمجھتا ہوں ـــ"

"آپ شائد کسی قسم کا فلسفہ ارشاد فرما رہے ہیں ـــ" عبید نے حیرت سے کہا ـــ "کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ کوئی آپ کا دوست نہیں ـــ"

"جی نہیں ـــ کوئی نہیں ـــ"

"ارے یار جو خود اپنی ذات سے انجمن ہو اسے دوستوں کی کیا پرواہ ـــ لاؤ ہاتھ ـــ ہم بھی اکیلے ہی ہیں۔ مطلب یہ کہ پتہ نہیں۔ ہم نفسوں کے درمیان میری پرواز اونچی ہے کہ نیچی ـــ کہ کوئی بھی ہمراہ نہیں ہے" عبید بولا ـــ وہ اتنی جلد بے تکلف ہو گیا کہ مقتدر کو حیرت ہونے لگی کیونکہ وہ کم گو، کم آمیز اور تقریباً گوشہ نشین تھا ـــ

"اچھا خدا حافظ! پھر ملوں گا ـــ" عبید نے اسے اپنا پتہ دیا اور اس کا پتہ زبردستی وصول کر کے رخصت ہوا۔

اس کی دوستی کی ترنگ میں وہ کچھ ایسا خود فراموش ہوا کہ اوصاف کو یکسر بھول گیا۔

مقتدر کو خود بھی اس بات کا احساس نہیں ہوا وہ کیسے اور کیونکر اور کس جذبۂ بے اختیار کے تحت دوبارہ سیٹھ درانی صاحب کی کوٹھی جانے پر رضامند ہو گیا تھا پچھلے ہی دن اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ پھر کبھی ان کی دہلیز پر قدم نہیں رکھے گا۔ اس کے بعد مغرب ہی اضطراب نہانی نے اسے آتش زیر پا کر دیا۔ وہ اپنی بے تابی کی وجہ خود بھی نہیں سمجھ سکا —— بظاہر وہ اپنا کوئی مقالہ مرتب کر رہا تھا لیکن کان اس، گاڑی کے ہارن پر لگے تھے۔ جو شاید آنے ہی والی تھی۔

آمنہ بیگم نے چائے اس کے سامنے لا رکھی اور پاس بیٹھ کر دن بھر کی غیر دلچسپ رپورٹ اسے دینے لگیں۔

"آپا کا خط آیا ہے۔ لکھا ہے کہ ایک آدھ مہینہ اور اپنے بھائی کے یہاں رہیں گی۔ زبیدہ کے یہاں چوتھا لڑکا ہوا۔ بے چاری لڑکی کے لئے ترس رہی ہے اللہ اس کے سارے ارمان پورے کرے۔ وہ تو زمین کی حور ہے۔ یہاں آنے کے لئے لکھا ہے۔ اور سنا۔ غضب خدا کا۔ ہمسائے مرزا صاحب کے بیٹے نے اپنی بیوی کو مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ بھلا کہو تو یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں مجھے تو غریب کی حالت پر بڑا ترس آیا۔ شوہر صاحب کے کھانے میں دیر لگی تھی۔ یہ حشر کیا بیوی کا —— بیویوں کو بھی خاموش رہنا نہیں آتا۔ ایک کی زبان چلتی ہے دوسرے کا ہاتھ ——"

وہ خاموشی سے چائے پیتا رہا۔

"تمہارے مدرسہ میں کوئی جلسہ تھا! ۔ کامیاب ہوا —— ؟" اچانک انہوں

نے پوچھا۔

"جی ہاں ۔۔۔" وہ چونک پڑا۔ اپنی کامیابی کے ساتھ ساتھ اسے ادصاف کی اوچھی گفتگو یاد آئی اور وہ کچھ بے چین سا ہو گیا۔

کون سا انتقام لے گا وہ مجھ سے ؟ اس نے سوچا لیکن یہ دشمنی ہے کس بنا پر۔ کیا بگاڑا ہے اس نے ادصاف کا۔ اب تک اس نے اس کی دلشکنی کی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ طنز، فقرہ بازی، تحقیر۔ صرف ہاتھا پائی رہ گئی ہے۔ اچھا ہے کہ یہ حسرت بھی اس کی ایک دن نکل جائے۔

"آج دوپہر تمہارے دو تین شاگرد آئے تھے ۔۔۔" آمنہ بیگم اپنی کہے گئیں۔ تمہاری غیر حاضری سے وہ پریشان تھے۔ میں نے کہدیا کہ اسے فرصت نہیں ہے ۔۔۔"

"ہاں ۔۔۔ امی۔ آپ نے ٹھیک کیا۔ میں اب کہیں نہیں جاؤں گا۔ خدا کے فضل سے اس کی ضرورت بھی نہیں۔ ایک سال میرا اور باقی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پھر مجھے اچھی ملازمت مل جائے ۔۔۔"

"اللہ کرے ۔۔۔"

اور ٹھیک اسی وقت اس کے دروازے پر جیا؟ بوجھا ہارن گونجا۔ وہ اس طرح کرسی سے اٹھ گیا جیسے کسی نے پیچھے سے اٹھا دیا ہو۔

"کہاں چلے ۔۔۔؟"

"امی۔ وہ لڑکی۔ وہ جو ۔۔۔" وہ ہکلا کر چپ ہو گیا۔

"ابھی ابھی کہہ چکے ہو کہ کہیں نہیں جاؤ گے ۔۔۔" آمنہ بیگم حیران تھیں

"بس امی ۔۔۔ یقیناً کل سے نہیں جاؤں گا ۔۔۔" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیر کر کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا ۔۔۔" بات دراصل یہ ہے کہ وہ بیچاری

آج کا سچ آئی تھی۔ مجھے بلانے کے لئے اگر میں نہ گیا تو شاید محسوس کرے۔ آج
میں جا کے سارا معاملہ اسے سمجھا دوں گا"
"تم جانو۔۔۔ روش کو خفا کرنا اچھی بات نہیں ہے ۔۔۔" وہ بڑبڑاتی رہ
گئیں۔ مقتدر نے رواں دواں منھ پر پانی کے چھپکے مارے۔ جلدی جلدی لباس بدلا
اور باہر نکل گیا۔ باوردی شوفر نے اس کے لئے پٹ کھولا۔
عجیب انقلاب اس کے مزاج میں ہو گیا تھا۔ راستے بھر وہ بے حد مسرور
اور مگن رہا۔۔۔ پچھلے ناگوار اور تلخ تصورات کا اس کے دماغ میں کہیں شائبہ
بھی نہیں تھا! ۔۔ نہ آج وہ یہ سوچ رہا تھا کہ سیٹھ صاحب ایک مغرور متکبر
بدمزاج اور تندخو آدمی ہیں نہ اسے ان سے نفرت تھی نہ شکایت ۔۔۔ آج
اس کے خشک اور ویران احساسات کی سنگلاخ سرزمین پر ارمانوں، آرزوؤں
اور اجنبی جذبات کی خنک و خوشگوار گھٹائیں چھا رہی تھیں۔
مینا۔ کتنا مترنم نام ہے ۔۔۔ وہ خود بھی ایسی ہی حسین ہے۔ خوشنما سراپا
سیاہ آنکھیں۔ ننھا سا دہانہ۔ گلابی گلابی رنگت ۔ راستے بھر وہ اپنے خیالات
سے شہد نچوڑتا رہا۔۔۔
گاڑی پورٹیکو میں پہنچ کر رک گئی۔
وہ اتر کر اسٹڈی روم کی طرف بڑھ گیا۔ کمرے میں رومانہ اس کی منتظر تھی
ناقابل بیان مسرت اس کے بشرے سے ہویدا تھی ۔۔ بڑی گرمجوشی سے اس نے
اس کا استقبال کیا۔
"ماسٹر صاحب۔ آپ آگئے ۔۔ ہائے اللہ میں تو شرط ہار گئی۔۔"
"کیسی شرط۔" وہ مسکرایا۔
"ارے باجی نے خواہ مخواہ بدی تھی کہنے لگیں مقتدر صاحب سے کوئی

غیریت باقی نہیں رہ گئی وہ ضرور آئیں گے ــــ میں نے کہا تھا کہ بری طرح خفا ہیں۔ شاید ہی آئیں ــــ"

"مجھے افسوس ہے بی بی ــــ آپ کی ہار کا غم بھی ــــ" مقتدر نے ہنستے ہوئے کہا ــــ " اگر مجھے اس کا علم ہوتا تو میں ضرور آپ کو شرط جیتنے کا موقعہ دیتا ــــ"

" ہار کا مجھے کوئی غم نہیں۔ ماسٹر صاحب۔ آپ آگئے نا۔ بس کافی ہے۔ اچھا ٹھہریئے میں چائے کے لئے کہہ آؤں۔ !"

"نہیں نہیں۔ سنیئے ! چائے وائے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ــــ" مقتدر کہتا رہ گیا لیکن وہ غڑاپ سے پردے کے اندر ہو رہی ــــ

وہ بے معنی انداز میں دیواروں پر آویزاں سنیپ دیکھنے لگا۔ ایک بڑا ساجہازی پورٹریٹ سیٹھ صاحب کا تھا ــــ ان کے قریب سنہری فریم میں ان کی بیوی کی تصویر ــــ اس پر اس کی نظریں جم کر رہ گئیں ــــ ایک انجانی سی شبیہ اس کے ذہن میں ابھری ــــ اور وہ یادداشت پر زور دینے لگا کہ یہ چہرہ اس نے کب اور کہاں دیکھا تھا۔ بڑی جانی پہچانی شخصیت تھی لیکن اسے یاد نہیں آیا کہ کبھی وہ سیٹھ صاحب کی معزز بیگم سے بھی ملا ہو ــــ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

بڑے سے ریڈیو گرام پر دو خوبصورت فریم اور تھے۔ ایک تصویر تو روما ہی کی تھی اور دوسری مینا کی ــــ حسین و جمیل، انتہائی دلکش۔ عجیب سی سحر خیز مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھری ہوئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ریڈیو کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اسے محسوس ہوا تصویر بھی اسی کو دیکھ رہی تھی کیسی پیاری تصویر ہے کہ جسے دیکھ کر بیک وقت ذہن میں چاندنی سی چھانے لگتی ہے۔ انجانی سی مہک زندگی میں تیرنے لگتی ہے کہیں ان دیکھے جزیروں میں محبت کے نغمے

بکھرنے لگتے ہیں۔

"تشریف لائیے ۔۔!" اپنے پیچھے رومانہ کی آواز سن کر وہ مڑا اور صوفہ پر جا بیٹھا اور جان بوجھ کر اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری کرلی۔

"سنیئے محترمہ رومانہ ۔ آئندہ سے کبھی آپ چائے وائے کی زحمت نہ کیجئے گا ۔۔ یہ مجھے سخت ناپسند ہے ۔"

"یا خدا یہ آپ نے میرے نام کے ساتھ محترمہ کا دم چھلا کیوں لگا دیا ہے؟" وہ تعجب سے بولی کیا میں آپ کو محترمہ نظر آتی ہوں ۔۔ ؟

"بے بی بھی نظر نہیں آتیں ۔۔۔" اس نے کہا اور پھر جلدی سے بولا۔"اچھا اب دکھائیے آپ نے کیا لکھا ہے ۔۔ بڑی حیرت ہوتی ہے مجھے جب میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی انگریزی تو بڑی اچھی ہے لیکن آپ اردو میں کمزور ہیں ۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے ۔"

رومانہ نے جلدی سے کتابیں کرید کر مضمون نکالا اور اسے تھما دیا پھر بڑی پریشان اور حواس باختہ سی ہو کر رہ گئی ۔

مقتدر نے ایک گہری نظر مضمون پر ڈالی ۔ ورق الٹ کر دیکھا اور ایک طویل سانس لے کر رہ گیا ۔

"معلوم نہیں ۔ اردو کی اس تحریر کو آپ خود کیسے پڑھ لیتی ہیں ؟ یہ لاطینی لکھی ہے آپ نے ۔۔۔ جرمن زبان ہے ۔۔ یا پھر کچھ اور ہے ۔۔ اردو تو ہرگز نہیں ہے ۔۔۔"

"ماسٹر صاحب ۔ آپ اس عرصہ میں ناراض رہے ۔ میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا ۔ میں پھر کیا کرتی ۔۔ ؟ مگر اس کی غلطیاں درست کر دیجئے ۔ آئندہ میں ٹھیک سے لکھنے کی کوشش کروں گی ؟

"خدا جانے آپ نے کیا لکھ مارا ہے ـــــ" اس نے کاپی اس کے سامنے رکھ دی ـــــ "یہ دیکھیے لفظ مامور کو آپ نے عین سے لکھا ہے۔ دو معمور ہیں۔ جن کے محل استعمال اور ہجے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایک الف سے اور ایک عین سے ـــــ شعر کی جمع اشعار ہے۔ آپ نے اشعاروں لکھ دیا ہے۔ گلستان سعدی کی لکھی ہوئی ہے۔ ارسطو کی نہیں ـــــ لاحول ولا قوۃ یہ کیا ہے؟"

"اگر میں ارسطو کے زمانے میں ہوتی تو اسے گولی مار دیتی وہ مغرور اور بد دماغ فلسفی عورتوں سے نفرت کرتا تھا ـــــ" "آپ کی رائے کس نے پوچھی تھی ـــــ؟ آپ نے بہت کم الفاظ پر نقطے دیئے ہیں۔ نقطوں کے بغیر کیوں لکھتی ہیں ـــــ؟" وہ اسے گھورنے لگا ـــــ ردمانہ کا عجیب حال تھا جیسے یک لخت رو پڑے گی۔

"ماسٹر صاحب ـــــ! آج باجی نے مجھے آپ کی ڈانٹیں سنوائی ہیں۔ جان بوجھ کر غلط سلط لکھوا دیا ہے" ـــــ وہ بالآخر بسور کر بولی۔

"کیا مطلب؟" اس نے خشک لہجے میں پوچھا ـــــ "آپ کی باجی بھی اتنی بے نقط غلط سلط تحریر لکھتی ہیں ـــــ"

"جی نہیں ـــــ" وہ معصومانہ انداز میں سر ہلا کر بولی ـــــ "وہ تو بڑی قابل ہیں۔ مگر آج تو یہ ہوا کہ باجی نے کہا کہ بے بی تم جتنی جلدی اپنی ترقی کا ثبوت دو گی اسی قدر اپنے پیروں پر کلہاڑی مارو گی؟"

"میں بالکل نہیں سمجھا ـــــ!"

"باجی نے ترکیب بتائی تھی ماسٹر صاحب ـــــ" وہ برا سا منھ بنا کر بولی "کہا تھا کہ مقتدر صاحب کا آنا نہ آنا تمھاری مرضی پر منحصر ہے۔ خراب سراب پڑھو گی۔ مقتدر صاحب برابر آتے رہیں گے۔ اگر اچھا پڑھو گی تو آنا بند کر دیں گے

تب ضرورت ہی نہ رہے گی ان کی ۔ لہذا آج مجھ سے کہا کہ جتنا غلط لکھ سکتی ہو لکھو اور لفظوں پر نقطے نہ دو تو اور بھی اچھا ہے ۔ میں ان کی کوئی بات نہیں ٹالتی ۔ وہ مجھے بہت چاہتی ہیں نا؟ ممی کے بعد وہی میری سب کچھ ہیں ۔۔۔ ڈیڈی نے کبھی پیار سے کوئی بات نہیں کی ۔ باجی نہ ہوتیں تو زندگی موت سے بدتر ہو جاتی ۔ وہ خود بھی بہت سوگوار، اداس اور پریشان رہتی ہیں ۔ مگر میری خاطر ہنستی ہیں ۔ قہقہے لگاتی ہیں ۔ خود کو بہلاتی ہیں ۔ مجھ سے کہتی ہیں کہ رومانہ جلدی سے بڑی مت ہو جانا ۔ تم بچوں کی سی باتیں کرتی ہو تو اچھی لگتی ہو ۔ میں کیا کروں ماسٹر صاحب ۔ میں بھی بے بی بن گئی ۔ باجی کے لئے بالکل بچی ۔ ورنہ آپ تو دیکھتے ہی ہیں ۔ میں بے بی نہیں ۔ دو مہینے پہلے میری سترھویں سالگرہ ہوئی ہے ۔

اسے ایک لخت رومانہ پر ترس آ گیا اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ اسے اپنی چھوٹی بہن کی طرح اپنے سینے سے لگائے ۔ سمجھائے، منائے لیکن وہ کچھ بھی نہ کر سکا ۔ خاموش بیٹھا رہا ۔ پھر وہ خود ہی سنبھل گئی اور جلدی جلدی اپنی بھیگی آنکھیں مل ڈالیں ۔ پھر مسکرائی ۔

"معاف کیجئے ماسٹر صاحب ۔ میں خواہ مخواہ اپنی داستان آپ سے کہنے لگی ۔ معلوم نہیں آپ مجھے کیوں اتنے اچھے لگتے ہیں ۔ میں اکثر سوچتی ہوں، کہ اگر کوئی میرا بڑا بھائی ہوتا تو آپ ہی کا سا ہوتا! میں نے باجی سے آپ کی بہت سی تعریفیں کی تھیں آپ اتنے خاموش اور سنجیدہ رہتے ہیں تو بڑے اچھے لگتے ہیں ۔ جب آپ ہنستے ہیں تو آپ کے چہرے پر ایک خاص حسن بکھر جاتا ہے ۔ باجی آپ کو دیکھنے کی بڑی آرزو مند تھیں ۔۔۔" وہ زور زور سے ہنسنے لگی ۔

مقتدر کی پیشانی پر پسینہ چھلکنے لگا — اس نے گھبرا کر کہا۔
"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ بے بی — شکریہ — تو پھر میں اب جاؤں —؟"
"کس بات کا شکریہ — ماسٹر صاحب"۔ وہ ہنس پڑی۔
"کل انگریزی مضمون لکھ رکھئے گا — براہ کرم اس میں بالکل غلطیاں نہ کیجئے گا — میں یوں بھی آؤں گا — اور دیکھئے۔ یہ اتنی بہت ساری باتیں جو آپ نے کی ہیں پھر نہ کیجئے گا —"
اس کا چہرہ ندامت سے سرخ ہو گیا — "آپ کو ناگوار ہوا — ماسٹر صاحب —"
"نہیں بے بی —" اس نے آہ بھر کر کہا — "ایسی کوئی بات نہیں لیکن — پتہ نہیں۔ دوسرے سننے والے کیا سوچیں۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کی ذات پر کوئی حرف گیری کرے — اگر آپ یہ چاہتی کہ میں روز یہاں آیا کروں تو — تو —" وہ کھو سا گیا۔
"یہ ترکیب باجی نے بتائی تھی۔ مینا نے؟ وہ بھی یہی چاہتی ہے کہ وہ روز آیا کرے — وہ اسے دیکھنے یونیورسٹی پہنچی تھی — آخر کیوں کیا قسمت کوئی نیا گل کھلائے گی؟ خدا کی پناہ .. یہ میں کیا سوچ رہا ہوں — شریر لڑکیوں نے اکثر اپنے استادوں کو احمق بنایا ہے ہوسکتا ہے کہ مینا بھی بیوقوف بنا رہی ہو — ایک امیر کبیر لڑکی کی ہنگامی تفریح — چہ نسبت خاک را با عالم پاک — !کون سے میرے دکھوں میں کمی ہے — جو سب سے بڑے دکھ کو گلے لگانے کا حوصلہ کر رہا ہوں — !" وہ پتہ نہیں کیا کچھ سوچتا رہا —

"ماسٹر صاحب۔ باجی کہتی ہیں۔ ڈنر تیار ہے ۔۔۔" روما نہ نے کہا۔

وہ بہت زیادہ پریشان ہو گیا۔

"نہیں ۔۔۔ روما نہ ۔۔۔ شکریہ ۔۔۔ اب مجھے اجازت دیجئے ۔۔۔"

لیکن وہ نہ مانی ۔۔۔ مقتدر کو اندیشہ تھا کہ کم از کم ڈائننگ ٹیبل پر سیٹھ صاحب کا ساتھ ناگزیر ہوگا۔ اور یہ اسے پسند نہیں تھا سیٹھ صاحب کے متعلق وہ اچھی رائے نہیں رکھتا تھا اور سیٹھ صاحب جو کچھ تھے وہ بھی ظاہر تھا "تشریف لائیے ۔۔۔" روما نہ نے مخمل کا دبیز اور زرکار پردہ سرکایا اتنی ملتجی نظریں اس کی تھیں کہ انکار اس سے مشکل ہو گیا۔

طعام خانے میں سیٹھ صاحب نہیں تھے۔ استفسار کے بغیر ہی روما نہ نے بتایا۔ وہ دو دن کے لئے باہر گئے ہیں۔ اس نے اس طرح چہک کر یہ خبر سنائی کہ مقتدر نے اندازہ لگا لیا ۔۔۔ وہ بھی اپنے باپ کی سخت گیری سے بیزار و متاثر تھی ۔۔۔

طعام خانے میں مینا بھی تھی۔ سیدھے سادے لباس میں ملبوس ساڑی کا آنچل اب بھی اس کے سر پر تھا۔ لمبی لمبی پلکیں جھکی ہوئی لب نیم وا! وہ ایک دولت مند گھرانے کی فیشن زدہ لڑکی تو معلوم ہی نہیں ہوتی۔ اس نے آج تک کسی متمول کنبہ کا جائزہ تو لیا نہیں تھا لیکن سنا تھا اور پڑھا بھی تھا کہ فیشن، بے حیائی، دلیری اور فلرٹ کا زہر ایسے ہی خوشنما اور ملمع شدہ گھڑوں سے پھوٹتا ہے جو بظاہر نخودان معلوم ہوتے ہیں ۔۔۔

مقتدر اور مینا خاموش ہی رہے ۔۔ روما نہ البتہ چہکتی رہی۔

"سیدھے ہاتھ سے شرط جیتنے کے پانچسو روپیے یہاں رکھ دیجئے باجی"

رومانہ بولی — مینا کا چہرہ لالہ فام ہونے لگا — "یہ آخر اتنی الّو کیوں ہے —" وہ زدس ہوگئی۔

"اچھا —!" اس نے بے بس نظروں سے مقتدر کو دیکھا۔ اور آنکھوں سے رومانہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا — اس نے اس اشارہ کو بھی واضح کر دیا۔

"اب کیا چھپاؤں — میں نے تو سب کچھ کہدیا" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی — "باجی — اپنے ماسٹر صاحب بڑے اچھے ہیں۔ وہ کچھ بولے تھوڑی ہی ہیں — وہ جو آپ نے غلط مضمون بے نقطوں والا لکھوایا تھا — نا — تو وہ بھی —"

"مقتدر صاحب —" مینا گھبرا گئی — "آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔ یہ جھوٹ بول رہی ہے — اتنی بڑی ہوگئی مگر اسے عقل نہیں آئی —؟"

"میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" رومانہ تڑپ کر بولی — "ماسٹر صاحب۔ باجی ہی نے —"

"اب خاموش بیٹھو! —" مینا نے ڈانٹا۔

"میں کیوں بیٹھوں! میں تو جھوٹ بولتی ہوں نا —!" رومانہ مچل کر اٹھی اور باہر نکل گئی —

"بالکل بے وقوف ہے یہ — مقتدر صاحب — کچھ جانتی بوجھتی نہیں — اس کے منہ سے کیا کیا نکل رہا ہے — آپ برا نہ مانیے گا" وہ گھبرائی بھی اور جھینپ بھی گئی —

محترمہ مینا — اس میں برا ماننے کا کیا سوال ہے؟ —"

مقتدر اس سے کم پریشان نہیں تھا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا موقعہ تھا
ایک اجنبی لڑکی تنہائی میں اس کے اس قدر قریب آگئی تھی کھایا پیا اس
نے واجبی سا تھا ــــ نیپکن سے ہاتھ پونچھ کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ جا کے بے بی کو لے آئیے۔ انھوں نے بہت کم کھایا ہے ــ"
مقتدر نے کہا ــــ "اور اب مجھے اجازت دیجئے ــــ میں کل ضرور
آؤں گا ــــ"

پھر وہ جی کڑا کر کے مسکرایا ــــ "یقین کیجئے کہ آپ کو غلط اور
بے نقطوں دار مضمون لکھوانا نہیں پڑے گا ــــ"

اس نے جھنیپ کر سر جھکا لیا۔

روحانہ کافی کی ٹرالی ڈھکیلتی ہوئی پھر اندر آئی ــ اور خشمگیں
نظروں سے مینا کو دیکھتی ہوئی بولی۔

"بنائیے اور پی لیجئے۔ مجھ سے کوئی مطلب نہیں ــــ"
یہ کہہ کر وہ پھر بھاگنے والی تھی کہ لپک کر مقتدر نے اس کی بانہہ پکڑ لی۔
"سنیئے ــــ بے بی، کافی تو آپ ہی کو بنانی پڑے گی۔ میں آپ کا
ماسٹر بھی ہوں اور بڑا بھائی بھی ــــ بنایا ہے نا آپ نے مجھے اپنا
بڑا بھائی ــــ"

"جی ہاں ــــ" اس نے منھ پھلا کر کہا ــ "میں نے تو بنا لیا
مگر کیا معلوم باجی بھی بنانا چاہیں گی کہ نہیں ــــ"

"آپ نے بنا لیا۔ بس کافی ہے ــــ" مقتدر نے ہنس کر کہا
اور اسے کرسی پر بٹھا دیا۔

اس رات جب دیر تک ان بہنوں کے ساتھ گپ شپ کر کے وہ واپس

آیا تو اس کے قدم زمین سے اونچے پڑ رہے تھے! اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی قلعہ فتح کر کے آیا ہو۔ اس نشے سے وہ اب تک ناآشنا تھا جو اس کے رگ و پے میں جاری و ساری تھا! وہ یہ بھول گیا کہ بینا درانی ایک لکھ پتی سیٹھ کی لڑکی تھی اور وہ خود ایک بے بضاعت مفلس اور تہیدست طالب علم تھا۔

آمنہ بیگم نے اس کی غیر معمولی مسرت کو حیرت و استعجاب سے دیکھا وہ جہاندیدہ اور سرد و گرم چشیدہ تھیں۔ مخلوط صحبت کو شک و خوف کی نظروں سے دیکھتی تھیں۔ انھیں معلوم تھا کہ منتشر کی شاگرد لڑکی تھی! وہ فوراً سمجھ گئیں کہ یہ مسرت اور شگفتگی علمی میدان میں سبقت لے جانے کی ہرگز نہیں تھی۔ محبت کی مسرت ہی اور ہوتی ہے۔

اس نے گنگناتے ہوئے لباس تبدیل کیا اور اپنی ایزی چیئر کمرے سے نکال کر صحن میں بکھری ہوئی چاندنی میں بیٹھ گیا۔ آج اس نے آمنہ بیگم سے ان کی خیریت نہیں پوچھی نہ یہ دریافت کیا کہ وہ اس کے انتظار میں بھوکی پیاسی تو نہیں بیٹھی تھیں۔ ہمیشہ وہ ساتھ ہی کھاتے تھے۔

وہ چاند سے نظر بازی کر رہا تھا! اور لبوں پہ وہ مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی جو سراسر خود فراموشی کا نتیجہ ہوتی ہے ۔۔۔

"علی ۔ کہاں ہو ۔۔۔ کھانا نہیں کھاؤ گے ۔۔۔!" آمنہ بیگم کی کمزور اور بیمار سی آواز نے اسے خوابوں کے حسین جزیروں سے نکال کر ناگوار حقیقتوں کی سخت چٹانوں پر پھینک دیا۔

"آج میں نے نہیں کھا لیا امی ۔۔۔ بہت اصرار کیا لڑکیوں نے" بے اختیار اس کے لبوں سے نکل گیا۔

"علی - برا ماننے کی بات نہیں ہے - مگر مونس ٹھیک ہی کہتے ہیں ــــ لڑکیوں کی پڑھائی تم فوراً چھوڑ دو ــــ تم نے دنیا کا رنگ ابھی دیکھا نہیں ہے - لڑکیوں سے دوستی اور خلا ملا میں جان و آبرو کے نقصان کے ماسوا اور کچھ نہیں ــــ تمھیں اب پچاس روپیے کی ضرورت بھی کیا ہے - ماشاء اللہ بہت کچھ ہے تمھارے پاس ــــ!"

"ضرورت کی بات نہیں ہے ــــ امی ــــ آپ سمجھیں نہیں - وہ لڑکی روبانہ - وہ میری شاگرد ہے نا - تمام مضامین میں اتنی کمزور ہے کہ بس گھنٹوں سر کھپانا پڑتا ہے اس کے ساتھ آج ایسا اتفاق ہوگیا کہ کھانے کا وقت ہوگیا - لہذا ــــ"

اس کے ہکلا ہکلا کر عذر لنگ پیش کرنے سے آمنہ بیگم آن واحد میں بھانپ گئیں کہ نشہ پہلا پہلا ہے اور بہت تیز ہے - انھیں صدمہ سا ہوا - شائد وہ پہلی ہی مرتبہ ان سے جھوٹ بھی بول رہا تھا - انھوں نے ترش لہجے میں کہا ــــ "خیر کچھ ہو کل سے تم نہیں جاسکتے سیٹھ صاحب دوسرے استاد کا بندوبست کرلیں گے - ورنہ ــــ میں لکھدوں گی مونس کو - تم سمجھے ــــ؟ تم میرے اکیلے بیٹے ہو - میری جوانی اسی انتظار میں گزر گئی کہ بڑھاپا تمھاری جوانی میں سکون و فراغت سے گزرے گا ــــ علی - تم یقین کرو اور جان لو کہ تمھاری ذراسی لغزش مجھے موت کے منھ میں ڈھکیل دے گی ــــ بیٹا - تم نہیں جانتے! غریب کی امیر سے دوستی شیر اور بکری کا معاملہ ہے جب تک جی چاہے اس سے کھیلے اور جب چاہے اسے ہڑپ کر جائے -

"اللہ اللہ امی آپ کتنی دور پہنچ گئیں ــــ!" وہ ہنستے ہنستے کہ رہا تھا

پشت پر گر پڑا ـــــ "اچھی بات ہے۔ میں آپ کا کہا مان لوں گا۔ نہیں کھاؤں گا ان کے ساتھ کھانا دانا ــــــ مگر مجھے اس بے چاری کی مدد کرنے سے نہ روکئے ـــــ!"

"تم جانو تمھارا کام ــــ لیکن وہ اپنا کھلایا پلایا تم سے ضرور وصول کرے گی۔ تم دیکھ لینا اور میری بات یاد رکھنا ـــــ!" یہ کہکر وہ فکرمند اور سوگوار سی اکیلی ہی کھانا کھانے پلیٹیں! علی حسن وہیں بیٹھا رہا ــــ

اس رات اسے نیند نہیں آئی۔ عجب خود فراموشی، بے حسی اور جذباتیت اس پر سوار تھی کہ سوچتے اور جاگتے ہی ساری رات تمام کردی ـــــ

پہلی محبت کا جادو مینا کے بھی سر چڑھ کر بولنے لگا! وہ مجبور اور بے دست و پا تو تھی نہیں کہ اپنے آپ گھلتی پگھلتی رہتی ـــ سیٹھ اسماعیل دورانی بڑے مصروف ترین بزنس مین تھے ـــ بیوی کی موجودگی میں تھوڑی بہت حاضری گھر میں دیتے اور لڑکیوں سے اکا دکا بات چیت کر لیتے تھے لیکن تین سال قبل ان کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا ان کے پیروں کی زنجیر کٹیں ـــ اب وہ گھر بار، اولاد سے بالکل بے تعلق تھے۔ ویسے انھیں اپنی بیٹیوں کے آرام و آسائش کی فکر بھی تھی دولت کے انبار ہی ان کے لئے تھے ـــــ کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ نہ وہ یہ برداشت کرتے تھے کہ مینا اور روما نہ کو کوئی تکلیف ہو۔ مگر یہ

نوکر چاکر اور خادمائیں تھیں۔ انھیں سختی سے تاکید کی جاتی تھی کہ ہر کام وقت پر ہو اور وہ زندہ و متحرک مشین بنی رہیں —

سیٹھ اسماعیل درانی ایک بڑے بھاری تن و توش کے آدمی تھے مزاج میں بھی ایسے ہی تھے۔ بڑے مغرور۔ تکبر پسند اور انتہائی سخت گیر اپنے حسب نسب پر انھیں بڑا فخر تھا! سب کو اپنے سے کم رتبہ اور حقیر سمجھتے تھے۔ برابر والوں سے بھی سیدھے منھ بات کرنا باعث توہین خیال کرتے لوگ کہتے تھے کہ پہلے وہ ایک معمولی ٹریولنگ ایجنٹ تھے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا کر نقلی یا معمولی پتھروں کی انگوٹھیاں اور ایسے ہی امیٹیشن گہنے بیچا کرتے تھے۔ پھر ان کی تقدیر نے پلٹا کھایا — کہیں سے شاید انھیں کوئی قیمتی پتھر دستیاب ہو گیا تھا جس کی قیمت بڑی گراں لگی۔ اسی پتھر نے ان کے دن پھیر دیئے۔ پھر شادی کے بعد وہ یکایک بڑھنے اور پھیلنے لگے ان کی بیوی ایک غریب گھرانے کی لڑکی تھیں جو اپنے ساتھ معمولی سا جہیز لائی تھیں وہ بڑے سیدھے مزاج کی خاتون تھیں — بالکل بے زبان اور بڑی نیک بیوی تھیں۔ انھیں اپنی امارت کے بعد سے طرح طرح سے سیٹھ صاحب نے ستایا تنگ کیا تھا! وہ بڑی بڑی کمیٹیوں کے صدر۔ فیکٹریوں اور کمپنیوں کے حصہ دار اور ملوں کے مالک تھے انھیں غریب اور بے زبان بیوی پسند نہیں تھی انھوں نے ایسے بازاری عورت کا بھی دکھ پہنچایا۔ اس کی ہر خدمت اپنی بیوی سے کرائی تھی ... اس کے سلونے سپنے تھے اور اس کی عزت کا مذاق اڑا کر بیچاری کو غم اور دق میں مبتلا کر دیا —

آخر کار کڑھ کڑھ کر جل جل کر وہ بےچاری ختم ہو گئیں۔ سیٹھ صاحب کی منظور نظر عورت نے بس چند ہی سال ان کی رفاقت میں بسر کی اور پھر ایک

دن اپنے دوست کے ساتھ ان کا سارا مال و متاع لے کر چلتی بنی طعنہ بھی دے گئی کہ جو بیوی کا نہ ہو سکا وہ میرا کیا ہو گا۔

سیٹھ صاحب کی تقدیر عروج پر تھی! جس طرح سرو کو تراش دینے کے بعد وہ پہلے سے زیادہ پھیلتا ہے اسی طرح سیٹھ صاحب بھی پھیپھک اٹھے قدرت ان کے ہر ظلم پر چشم پوشی کرتی رہی ــــــ اب وہ تھے اور ان کا پر غرور طرز زندگی!ــــــ

دنیا ان کے لئے ایک گڑھی اور دنیا والے حشرات الارض۔ وہ تو سانپوں سے بھی منہ ٹیڑھا کر کے بولتے تھے ــــــ غریبوں کی تو بات ہی اور تھی۔ وہ ان کی ہوا بھی اپنے لباس پر محسوس کرنا پسند نہ کرتے ــــــ وہ سمجھتے تھے ان کی اونچی اونچی کوٹھیاں ــــــ دھڑا دھڑ چلتی ہوئی ملیں.. دھواں اگلتی فیکٹریاں متحرک و سرگرم ورکشاپ ــــــ لبالب بھری ہوئی تجوریاں۔ سونے کی سلاخیں اور جھچماتی کاریں۔ خدم و حشم سدا ان کے کام آتا رہے گا۔ اور وہ سارا ساز و سامان تھا بھی بڑی مدت تک ساتھ دینے والا ــــــ لیکن وہ بھول گئے تھے کہ مدت کی ڈور ایک طاقتور اور خود مختار ہستی کے ہاتھ میں ہے کہ جب چاہے کھینچ لے یا توڑ دے ــــــ

ان کی بیٹیاں البتہ حیرت انگیز مزاج رکھتی تھیں۔ وہ ماں پر پڑی تھیں آنکھ انھوں نے عیش و طرب سے معمور ماحول میں کھولی تھی لیکن ماحول کا اثر ان پر بالکل نہیں تھا۔ بڑا سادہ مزاج رکھتی تھیں۔ دل ہمدردی اور نیکی سے لبریز تھے۔ جو دوسروں کی مصیبت اور دکھ پر متاثر ہو جاتے سب سے بڑی بات ان کی نرم دلی اور سادہ مزاجی کی یہ تھی کہ انھوں نے اپنی سمجھداری کی عمر میں وہ تمام مصائب اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔

جو سیٹھ صاحب ان کی ماں پر توڑا کرتے تھے۔ وہ سب مظالم انھیں یاد تھے جنھیں اپنی جان ناتواں پر جھیل کر ایک بے زبان غریب اور وفا شعار مگر بد نصیب خاتون موت کے منھ میں چلی گئی تھیں۔

ایک آدھ مرتبہ سیٹھ صاحب نے اپنی منظور نظر بی شبنم کی خاطر سے اس بیچاری پر ہاتھ بھی اٹھایا تھا — باوجود اتنی دولت کے غریب عزیزہ بیگم کو فاقے کرائے تھے۔ الماریاں ریشم و سنجاف سے پر تھیں مگر وہ دھجیاں لگانے پر مجبور تھیں ان کا یہی قصور تھا کہ وہ ایک مفلس گھرانے کی بیٹی تھیں مفلس اور تہیدست تو سیٹھ صاحب بھی تھے مگر اب انھیں اپنی غربت اور افلاس قطعی یاد نہیں تھا — البتہ وہ مرحوم عزیزہ بیگم کو جگر خراش طعنے ضرور دیا کرتے تھے۔

"تمھاری اوقات کیا ہے؟ تم ہو کس کھیت کی مولی۔ یہی غنیمت جانو کہ کھانا اور کپڑا تمھیں ملتا ہے۔ میں گھر سے تمھیں نہیں نکالتا۔ تم میں کشش کیا ہے نہ پڑھی نہ لکھی — نہ کوئی گرانقدر جہیز تم لائیں۔ سوئی تاگا تک تو تمھارے باپ نے تمھیں دیا نہیں تھا — ایک بلا کی طرح تمھیں مجھ پر مسلط کر دیا — عزیزہ بیگم۔ بھلا تم کیا حق میرے مال و متاع پر جتاؤ گی یہ سب میرا ہی تو ہے۔

جواب دینے کی عادت ان میں نہیں تھی انھیں ماں باپ نے یہی سبق سکھایا تھا کہ شوہر کو جواب کبھی مت دینا۔ اس کا ادب کرنا۔ وہ خدائے مجازی کا درجہ رکھتا ہے۔ کٹھ کر مارے سر جھکا دو۔ گلا کاٹے خنجر تلے گردن رکھ دو —

اور وہ شوہر پرست خاتون یہی کرتی رہیں ان کے آستانے پر سجدے

ہی سجدے کئے کہ ایک داغ سجدہ ان کی کائنات رہ گیا اور یہ کہکر وہ ختم ہوئیں کہ جبیں ہے نزی، آستانے ترے —— مگر داغ سجدہ تک لائق پذیرائی نہ رہا — داغ جو لگا تھا وہ تو دل پر تھا۔ اور دل کے داغوں کو کسی نے کب دیکھا ہے۔

ماماؤں میں، نوکر چاکر دل میں ان کی بے وقعتی تھی وہ سفلہ پرست ہنستے تھے —— ایک دور تو وہ بھی کہ سیٹھ صاحب نے ماں بیٹوں میں جدائی تک ڈال دی تھی وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک جاہل عورت کی زیر نگرانی ان کی اولاد رہے اور خود بھی جاہل کہلائے۔ انھوں نے تعلیم کے بہانے بچیوں کو اپنے ایک دوست کے گھر بھجوا دیا اس زمانے میں شنبم کے ساتھ سیٹھ صاحب کی رنگ رلیاں زوروں پر تھیں۔ انھیں گوارہ نہ تھا کہ لڑکیاں بھی انہی کی چھاتی پر دندنائیں —— اور ویسے انھیں شنبم کا بھی حکم ماننا ضروری تھا جس کی آنکھوں میں مینا اور رخسانہ کانٹا بن کر چبھتی تھیں۔

عزیزہ بیگم کی حالت تباہ تھی۔ چند ہی دنوں میں وہ لب گور پہنچ گئیں فریاد کس سے کرتیں۔ آنسو کس کے سامنے بہاتیں نہ کھانا پانی تھا نہ اپنی زندگی سے دلچسپی تھی —— دن رات بس ہائے ہائے تھی —— اپنی لڑکیوں کی یاد تھی وہ تو قدرت نے ایسا انتظام کر دیا کہ مینا اور رخسانہ پھر ان سے آن ملیں۔ سیٹھ صاحب کے دوست کے یہاں رخسانہ کو میعادی بخار نے گھیر لیا وہ ماں کی یاد میں ماہی بے آب رہتی تھی چنانچہ انھوں نے لڑکی کو اس کے گھر بھجوا دیا اس عرصہ میں شنبم صاحبہ نے اپنا ایک دوست اور تلاش کر لیا اور سیٹھ صاحب کے گھر میں

چھاڑ دے کر چلتی بنیں۔

سیٹھ صاحب ایسے چکر میں پڑے کہ انھیں ہنگامی طور پر اپنی بیوی اور بچیوں کا خیال جاتا رہا۔ از سر نو دولت پیدا کرنے کی دھن میں خواب و خوراک ان پر حرام ہوگیا۔

عزیزہ بیگم مسلسل غم اٹھاتے اٹھاتے پوست و استخوان رہ گئی تھیں ویسے وہ جینا چاہتی تھیں، اپنی لڑکیوں کی خاطر مگر موت نے کسی کی مرضی نامرضی دیکھی ہے وہ جبراً عزیزہ بیگم کو لے گئی۔ سیٹھ صاحب بزنس، کے سلسلے میں کہیں دور تھے — عزیزہ بیگم کا کوئی رشتہ دار نزدیک، نہیں تھا: باپ مفلوج اور محتاج خود ہی سیٹھ صاحب کے رحم و کرم پر پڑے زندگی کے بقیہ دن پورے کر رہے تھے۔ بھائی بھاوج کو گردش دوراں نے بڑی دور لے جا کر پھینکا تھا۔ ماں زمانہ ہوا ختم ہو چکی تھیں جتنی بے کسی کی زندگی عزیزہ بیگم کی تھی موت بھی اتنی ہی کس مپرسی میں آئی کہ نوکروں چاکروں کے ہاتھوں آخری رسومات انجام پائیں — مینا اور رومانہ ایک لق و دق کوٹھی میں، تنہا تھیں۔ ساتھ میں دغا باز اور غدار ملازمین! دونوں بہنیں ماں کے غم میں نڈھال ہوگئی تھیں۔ روتے روتے ان کی آنکھیں بہنے لگی تھیں — سیٹھ صاحب بیوی کے مرنے کے سال ڈیڑھ سال بعد آئے رسمی سی مزاج پرسی غم نصیب اولادوں کی اور بدستور اپنے بزنس میں مشغول ہو گئے انھیں بیوی کے مرنے کا ایک گونہ احساس مسرت کا ہوا تھا۔ بڑا پتھر ان کی راہ سے ہٹا تھا اپنی رنگین عصر و شبوں کا پھر انھوں نے اعادہ تو نہیں کیا لیکن سب

سے بے تعلق اب بھی تھے ــــ ان کی زندگی کا واحد مقصد دولت کمانا تھا وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب تھے ــــ روپیہ سونے کی سلاخوں میں اور دل پتھر میں تبدیل ہوتا رہا۔

ردانہ بچی تھی وہ جلد ہی بہل گئی ــ مینا نے اسے مدرسہ میں شریک کرا دیا۔ تعلیم چونکہ کافی عمر میں شروع کی تھی اور کچھ پڑھنے لکھنے کی طرف راغب بھی نہیں تھی۔ بڑی دشواری سے کلاس میں سب کے ساتھ چل سکتی! بہر حال سہیلیوں اور رنگ برنگی استانیوں کی محبت میں اس کا دل بہر حال لگ گیا ــــ وہ گھر سے فرار چاہتی تھی ــــ وہ اسے حاصل ہو گیا۔ بڑی شریر زندہ دل اور منچلی ہو کر رہ گئی ــ یا وہ مینا کو خوش دیکھنا چاہتی تھی کہ خود کو اس نے اس کے سامنے ہمیشہ بچہ ہی بنائے رکھا۔ مینا کے سامنے ٹھنکتی تھی ــــ باقاعدہ ضد کرتی تھی اور بچوں ہی کی طرح مچلتی ہاتھ پیر پٹختی بھی تھی ــ

مگر مینا نے ماں کے مرنے کے بعد غم آلود سنجیدگی کا دبیز لبادہ جو اوڑھا تو پھر کبھی نہیں اتارا۔ گزرتے ہوئے وقت نے اس کا غم اور صدمہ ہلکا ضرور کر دیا تھا مگر بھلایا نہیں تھا ــ اسے ہمیشہ اپنی مظلوم و ستم رسیدہ ماں یاد رہتی ــــ یہ دولت و ثروت۔ جاہ و حشم اسے محض ڈھونگ معلوم ہوتا ــــ روپیہ اس کی ماں کے کسی کام نہ آیا! پھر اس کا کیا مصرف تھا؟ اپنے باپ کو وہ مطلبی خود غرض اور مفاد پرست سمجھتی تھی۔ اگر سیٹھ صاحب کو ان سے وہ محبت نہیں تھی جو باپ کے دل میں ہونی چاہیئے تو مینا کو بھی ان سے رتی بھر دلچسپی اور انسیت نہیں تھی ــــ وہ ہمیشہ دعائیں مانگا کرتی۔ کسی نہ کسی طرح کوئی بات ہو جائے

اور وہ اس گھر سے نکلے ــــ

وہ کوٹھی میں شاہانہ ٹھاٹ سے رہتی! اس کے چشم و ابرو کے ایک اشارے پر تجوری کا منہ کھل جاتا۔ لیکن وہ کچھ بھی نہیں چاہتی تھی! اسے سب کچھ بے مسرت، بے معنی اور بیکار لگتا! اس کے خیالات بھی پاکیزہ تھے چہرہ دل کا آئینہ ہے اس کے چہرے پر بھی پرنور مسکراہٹ بکھری رہتی غریبوں کا اسے درد تھا! وہ ان کی مدد بھی اپنا فرض سمجھتی تھی! حالانکہ سیٹھ صاحب کا حکم تھا کہ بھک منگوں کو کبھی منھ نہ لگایا جائے کیونکہ وہ گھر دیکھ لیتے ہیں! اپنے اس اصول پر وہ کاربند بھی تھے ان کے حقیقی خسر ان ہی کے گھر میں رہتے تھے! لیکن ان کا درجہ ایک فقیر سے بھی بدتر تھا۔ آوٹ ہاؤز کا ایک خستہ و تاریک کمرہ ان کی رہائش گاہ تھی! ایک ہاتھ پیر سے وہ معذور تھے۔ بینائی بھی جواب دے رہی تھی ــــ رہی سہی کسر دمہ نے پوری کردی تھی ــــ لیکن نہ کوئی ان کا معالج تھا نہ تیماردار ــــ ساری ساری رات پڑے کھانسا کراہا کرتے ــــ اور اپنی موت کو آوازیں دیتے۔ مگر وہ بھی فی الحال کہیں اور متوجہ تھی کہ ان کی طرف رخ بھی نہ کیا

یہ تو مینا ہی کی توجہ اور مہربانی تھی کہ وہ باپ کی غیر موجودگی میں انھیں دیکھ آتی۔ ملازمہ کو انعام اکرام دے کر ان کا کمرہ اور بستر صاف کراتی۔ خادم کو زیادہ تنخواہ دیتی تھی کہ وہ وقت پر کھانا پہنچا دیا کرے۔ جب کبھی باہر جاتی اپنے نانا کے لئے پھل دوائیں اور ٹانک لے آتی اور اکثر ڈاکٹر کو بلا کر دکھا چکی تھی ــــ اسے شرم آتی۔ لوگ کیا کہیں گے ــــ یہ مجبور اور اپاہج آدمی اس کا حقیقی نانا تھا۔ مینا ہی کا خیال اور خوف تھا یا پھر لالچ کے ملازم اور خانساماں وغیرہ بڑے میاں کا بھی خیال رکھتے تھے اور کسی

میں یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ ان کی ہنسی اڑائے ـــــ بہرحال وہ بھی جیئے ہی جا رہے تھے ـــــ مینا کی پرسش احوال پر وہ بچوں کی طرح روتے ہزاروں دعائیں ان کے دل سے نکلیں ـــــ مینا کو ان پر بڑا ترس آتا تھا ـــــ

" نانا میاں ـــــ آپ کیوں خواہ مخواہ دل بھاری کرتے ہیں۔ میں تو آپ کے لئے کافی ہوں۔ پھر آپ ڈیڈی کے سلوک کا اثر کیوں لیتے ہیں آپ تو دیکھتے ہی ہیں ـــــ وہ تو ہم سے بھی لاپرواہ ہیں ! ـــــ"

" بیٹی ـــــ میں تو اپنے کرموں پر روتا ہوں ـــــ" وہ آہیں بھرنے لگتے " میں بڑا گناہگار ہوں ـــــ کچھ اچھے کام زندگی میں میں نے نہیں کئے یہ تو میں خمیازہ بھگت رہا ہوں بیٹی ـــــ کیا یہ کم عذاب ہے کہ میں جس کی کی شکل بھی دیکھنا نہ چاہوں ـــــ جس کی آواز سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہوں ـــــ وہی میرا کفیل بن جائے۔ اسی کی چھت کے نیچے میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاؤں ـــــ اسی کا دیا لیا کھاؤں ـــــ ؟ خدا کا کوئی اور عذاب اس سے بڑھ کر ہولناک اور دردناک نہیں ہوگا۔

" نانا میاں ـــــ اس طرح ہر وقت آہیں بھرنے اور مرض بڑھانے سے تو آپ کبھی اچھے نہیں ہوں گے ـــــ "

وہ ہنسے ـــــ " بیٹی۔ کسے اچھے ہونے کی تمنا ہے ؟ کون جینا چاہتا ہے ؟ میں تو اٹھتے بیٹھتے صبح و شام یہی دعائیں مانگتا ہوں کہ بس اب اس دکھوں بھری زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ پروردگار ـــــ اس دوزخ سے نجات دے۔ میں اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اللہ کے دربار میں پہنچ جاؤں ـــــ آہ ـــــ میری بچی ـــــ کیسے دکھاؤں اپنے دل کے داغ۔ جو مرتے

والوں اور جینے والوں کی ابدی جدائی میں ناسور بن کر تپکنے لگے ہیں۔ یا زندگی بھر جنھیں سہارتا رہا مگر اب تاب نہیں ——— تڑپتا ہوں بیٹی تڑپتا ہوں ——"

"کیا فائدہ نانامیاں ——— آپ کے تڑپنے سے کون مرنے والا واپس آئیگا سوائے اس کے کہ اس طرح غم پال کر آپ اپنا مرض بڑھالیں اور کوئی فائدہ رونے دھونے سے نہیں ——"

"مرنے والے تو گئے بیٹی —— مگر وہ جینے والے —— جنھیں میں نے اپنی کمینگی کم ظرفی اور سنگدلی سے جیتے جی اپنے سے جدا کیا وہ تو اب اس جنم میں ملنے والے نہیں! حشر میں اگر ملیں گے تو مجھ گہنگار بدکار و شرمسار کا گریبان پکڑ کر داورِ حشر کے سامنے لا کھڑا کریں گے —— میں تو اس وقت کے خوف سے نیم جاں رہتا ہوں۔ کل کلاں کو اگر بسترِ مرگ نصیب ہو جائے تو کس درجہ عذاب سے جان نکلے گی اور مرنے کے بعد کیا کروں گا؟ روح خلاؤں میں چکرائے گی جسم کو قبر میں بھی قرار نہ آئے گا ——"

"اُف نانامیاں! آپ تو مجھے ڈرا رہے ہیں ——"

"ہاں بیٹی ——— تم ٹھیک کہتی ہو۔ تمھارے سامنے مجھے یہ سب کچھ نہیں کہنا چاہیئے —— اب تم جاؤ اور بار بار یہاں نہ آنا۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں تمھارے ابا دیکھ لیں —— مجھے تو اپنی کوئی فکر نہیں مگر میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمھیں صلواتیں سننا پڑیں —— تمھاری دلشکنی ہو ——"

جب سیٹھ صاحب کوٹھی میں موجود ہوتے تو ایک ہیبت ناک سناٹا سا چاروں طرف چھایا رہتا جسے صرف سیٹھ صاحب کی گونجدار اور پُر ہیبت آواز ہی توڑتی تھی ——— !

انھیں جینا اور رومانہ کے مستقبل کی مطلق فکر نہیں تھی! شاید وہ انھیں

از قسم مویشی کوئی جاندار سمجھتے تھے جو کھائے پیئے اور پڑا رہے بس اس کے آگے کچھ نہیں — اور ہمت کس میں تھی کہ وہ اس طرف ان کی توجہ مبذول کراتا یا کوئی تذکرہ چھیڑتا۔

مینا اور رومانہ سے ان کی گفتگو بہت ہی کم اور بڑی رسمی ہوتی۔

"پڑھائی کا کیا حال ہے —" وہ نہایت گونجدار آواز میں بولتے نیلگوں شیشوں کے پیچھے سے گھورتی ہوئی سرخ سرخ آنکھیں خونخوار نظر آتیں۔

"جی — اچھی ہو رہی ہے ڈیڈی —" مینا چپکے سے جواب دیتی کیونکہ رومانہ ایسے موقعوں پر ہکلا کر اور گھبرا کر بات خراب کر دیتی تھی —"

"میری غیر موجودگی میں کوئی مہمان تو اس کوٹھی میں تم سے ملنے نہیں آیا"

"جی نہیں — ڈیڈی!"

"تم لوگ بھی کہیں نہیں گئیں —؟"

"سوائے کالج کے کہیں اور نہیں گئے"

"ٹھیک ہے — اچھا۔ کچھ ضرورت ہے تم لوگوں کو۔ لباس کی یا تعلیمی سلسلے میں —"

"جی نہیں — مگر —"

وہ کھنکار کر دھم سے گونسہ رسید کرتے! "بات پوری کیا کرو یہ بڑی لغویت ہے مخاطب کو دیر تک منتظر رکھنا۔

"ڈیڈی — رومانہ دو ایک مضامین میں کمزور ہے اس کے لئے کسی ٹیوٹر کا بندوبست —"

"ٹیوٹر کا بندوبست ——" وہ غرائے —— "میں جاؤں گا۔ اس کے لئے ٹیوٹر ڈھونڈنے —— ایسے فضول کام مجھ سے لینا چاہتی ہو ——؟ ارے کیا ٹیوٹر دنیا سے ناپید ہو گئے ہیں۔ اخبار میں ایک اشتہار دو۔ پچاس استاد آجائیں گے ——"

وہ چپ رہی !——

"میری کلاس فیلو کے بھائی کو ایک ماسٹر صاحب پڑھاتے ہیں باجی ——!" رومانہ نے ڈرتے ڈرتے کہا —— "اگر میں بھی انہی سے پڑھوں تو کیا حرج ہے ؟ ——"

"کون کہتا ہے کہ حرج ہے ؟" انھوں نے رومانہ کو گھور کر پوچھا۔

"آپ سے —— اجازت —— لینی تھی —— ڈیڈی ؟" وہ بیچاری ہکلائی ——

"ہے اجازت —— !" وہ بولے۔ اور پھر اٹھ گئے ——

"اس عرصہ میں کسی کا کوئی خط وط آیا تھا ——؟"

"جی نہیں !"

"لعنت ہے۔ خط والے تو کہیں دفن ہی ہو گئے ——"

اور زمین پر اپنے قدموں کی دھمک پیدا کرتے چل دیئے !

"ڈیڈی کبھی آدمی نہیں بن سکتے ——" رومانہ نے اتنی مایوسی سے اور اتنی بے ساختگی سے کہا کہ مینا کو ہنسی آگئی ——

"تم تربیت کرو۔ شاید سدھر جائیں !" مینا نے کہا۔

"اچھا باجی —— میں کل سلیمان سے کہوں گی کہ وہ اپنے ماسٹر کو یہاں بھیجدیں۔ کچھ آپ بھی ان سے پڑھیں گی !"

"میں تمھاری سی پھسڈی نہیں ـــــ ہر مضمون میں اول رہتی ہوں۔"
مبینا نے اسے چڑایا ـــــ "میری لیکچرر تو کہتی ہیں کہ میں ومینس کالج کی ناک ہوں!"

رومانہ حسرت سے آہ بھر کر بولی ـــــ "ہوں گی آپ ناک۔ میں تو اپنے کالج کی دم بھی نہیں۔ ہر وقت مس فاطمہ اور رضیہ آپا ـــــ دانٹا ہی کرتی ہیں"
سیٹھ صاحب کی اجازت کے بعد اپنے کلاس فیلو سے کہہ کر رومانہ ماسٹر صاحب کو اپنے یہاں لے آئی! ـــــ اس طرح مقتدر کو رومانہ کا ٹیوشن ملا۔
مبینا کا خیال تھا کہ کوئی بڈھا کھونس آدمی دقیانوسی کپڑے پہنے رومانہ کو پڑھانے آئے گا۔ اور وہ اسے ستا ستا کر اس کا نتھنوں میں دم کرے گی ـــــ!
جب رومانہ نے ماسٹر صاحب کی آمد کی خوشخبری سنائی تو وہ برا سا منھ بنا کر بولی۔
"ہاں ہاں بٹھاؤ۔ بڑے حضرت کو۔ وہ بھی بجانے کیا کہیں گے کہ لڑکی اردو میں بنڈل ہے ـــــ"
"بڑے میاں؟ ـــــ کون بڑے میاں؟ ـــــ" رومانہ نے پوچھا۔
"تمھارے ماسٹر جی ـــــ!"
رومانہ کو بڑی ہنسی آئی ـــــ "اے ہے باجی۔ بیچاروں کو دیکھا نہ سنا بے کار بے کار کو بڑے میاں کے خطاب سے سرفراز فرما دیا ـــــ ارے وہ اتنے پیارے سے لگتے ہیں کہ عین مین کوہ قاف کے پرے ـــــ"
مبینا کو بھی ہنسی آگئی ـــــ "ٹھیک ہے۔ تمھیں پرے لگتے ہوں گے میں نے تو ماسٹروں کو دیکھا کہ لمبا سا جبہ پہنے ـــــ میلی دستار۔ ہاتھ میں لمبا سا لٹھ لیے۔ ناک میں نسوار چڑھاتے ہوئے آتے ہیں ـــــ! میلوں دور سے جن کے پاس سے بدبو ـــــ"

رومانہ تڑپ اٹھی —— "چل کے دیکھئے —اب تو میں ان سے کہہ دوں گی کہ باجی نے آپ کا یہ حلیہ بگاڑ کے رکھا ہے —— توبہ - توبہ وہ باہر بیٹھے ہیں - اور جو سن لیں آپ کی باتیں - تو پھر —— ؟"

"تو کیا —— روٹھ جائیں - چلے جائیں - اپنا سا منھ لئے ——"

"ارے تو آیئے نا —— دیکھ لیجئے ——" وہ خفا ہونے لگی مبینا رومانہ کے ساتھ چلی گئی! اور جاتے جاتے ملازمہ سے کہتی گئی کہ وہ جلد چائے باہر بھجوا دے ——

رومانہ پردے کے پاس جا کر مچلی —"چلئے اندر"

"اچھی بیٹی ہے نا میری ——" مبینا نے اسے چمکارا "تم جاؤ ہم خواہ مخواہ کیوں بے پردہ ہوں ——"

"سمجھ گئی ہیں — آپ شرماتی ہیں ان سے ——"

"چپ —— جاؤ باہر - بڑی دیر ہو گئی ہے انھیں آئے ہوئے!"

رومانہ پردہ ہٹا کر باہر چلی گئی اور مبینا نے نہ چاہتے ہوئے بھی پردہ سرکا کر باہر دیکھا — اس کے بالکل سامنے جو نوجوان بیٹھا تھا وہ اس کے خیالوں سے کہیں مختلف تھا! سرمئی پتلون اور بند آستینوں کے سفید قمیص میں ملبوس - اس کی شخصیت دلکش اور سنجیدہ تھی! چہرے پر غم آلود نرمی — پژمردہ لب - جن پر رومانہ کو دیکھ کر مبہم سا تبسم بکھر گیا تھا — اس نے سر اٹھا کر رومانہ کو دیکھا تھا! اس کی آنکھیں پرکشش اور سیاہ تھیں، چمکیلی اور خمدار پلکوں سے سجی ہوئی! وہ رومانہ کی کتابیں دیکھ رہا تھا — اسے آتے دیکھ کر کتابیں قرینے سے رکھ دیں اور اس طرح مودب ہو بیٹھا جیسے خود اپنے استاد سے پڑھنے بیٹھا ہو - اس کی اس ادا پر مبینا کو بڑا ترس آیا - پھر

نہیں۔ کیسی کیسی خانگی یا ذاتی مجبوریاں ہوتی ہوں گی جو یہ بیچارے اتنی قلیل رقم پر اپنا علم بانٹنے آجاتے ہیں ـــــ کتنی اچھی حیثیت کا شریف آدمی معلوم ہو رہا ہے ـــ اس غریب کو صرف پچاس روپیہ ملیں گے۔ اور اس کا ڈرائیور جو نہایت جاہل، بدتمیز اور کم رتبہ ہے وہ ہر مہینے ڈھائی سو روپیے لیتا ہے اس کے خیالات ہمدردی اور خلوص میں بدلنے لگے۔ وہ خود بھی اپنی ماں کی غربت سے آشنا تھی ـــــ غربت ہی کا خمیر اس کا بھی تھا! اسے ہر مجبور انسان سے محبت اور لگاؤ معلوم ہونے لگتا۔

رومانہ اس کے سامنے بھیگی بلی بنی بیٹھی تھی۔ اسے اپنی کمزوری کا احساس تھا! یہ بھی پتہ تھا کہ مینا کس طرح اس کا مذاق اڑاتی تھی ـــــ سلیمان نے اپنے ماسٹر کے متعلق کہہ رکھا تھا کہ وہ یونیورسٹی کا بہترین دماغ تھا۔ انگریزی صحافت سے جسے بہت دلچسپی تھی۔ جو اردو پر بھی کامل عبور رکھتا تھا! اور ایک ذہین طالب علم تھا۔ وہ نروس ہونے لگی۔

جب رومانہ دیر تک گونگی بنی بیٹھی رہی تو مینا کو غصہ آنے لگا۔ ماسٹر صاحب بھی بدھو ہی سے بیٹھے تھے۔

اتنے میں ملازم نے درمیانی میز پر چائے لگادی ـــــ رومانہ احمقوں کی طرح مسکرائی۔ ملازم نے بڑے ادب سے مقتدر کو چائے پیش کی۔

"آپ نے اس کی زحمت کیوں کی؟" اس نے قدرے خشک لہجے میں کہا۔ اس کی آواز بھی مینا کو اچھی لگی۔ صاف اور پاکیزہ سی۔ اس نے بڑی مجبوری سے تین چار گھونٹ لئے اور پیالی واپس پرچ میں رکھدی رومانہ نے بھی اخلاقاً پیالی رکھی ـــــ ملازم ٹرے لے کر چلا گیا۔

رومانہ نے جلدی سے اپنی کارگزاری جتادی ـــــ "جی نہیں میرا

زحمت نہیں —— یہ تو باجی نے بھجوائی ہے —— پہلے تو مجھ سے لڑتی جھگڑتی رہیں کہ تمھارے ماسٹر صاحب لمبا سا جُبہ پہن کر آئیں گے اور ان کے میلے کچیلے ہاتھ میں موٹا سا ڈنڈا ہوگا —— میں نے کہا کہ اچھا جھانک کر دیکھ لیجیے جھانکا ضرور ہوگا —— اب جو آپ اتنے اچھے نکلے تو خوشامد کے مارے چائے بھجوادی ——" یہ کہکر وہ خواہ مخواہ ہنسی۔

مینا کا یہ حال ہوا کہ یکبارگی پسینے سے شرابور ہوگئی۔ مقتدر حیرت سے رومانہ کو دیکھنے لگا —— اسے یہ لڑکی پاگل پنے کی حد تک سادہ لوح لگی ——

مقتدر کی گرم نگاہی نے رومانہ کو پھر نروس کر دیا —— جلدی سے کتابوں پر جھکی اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے انھیں ٹھیک کرنے لگی۔

مقتدر نے ہلکے سے کھانس کر گلا صاف کیا —— "آپ سلیمان کی کلاس فیلو ہیں؟"

"جی ہاں ——" وہ خشک لبوں پر زبان پھیر کر بولی۔

"جن مضامین میں آپ کو میری مدد کی ضرورت محسوس ہوتی ہو سے وہ الگ رکھ دیجیے ——" اس نے اسے قطعی بدھو سمجھ کر نرم لہجے میں سمجھایا "اس طرح میں بھی اندازہ کرسکوں گا کہ کن مضامین پر کتنا وقت مجھے دینا چاہیے ——"

"اردو بھی —— نہیں آتی ——" رومانہ بمشکل بولی۔

"گھبرائیے نہیں —— آجائے گی!" وہ مسکرایا ——"میں آپ کو سب کچھ سکھا دوں گا —— اس وقت مجھے اجازت دیجیے۔ کل میں بعد مغرب آؤں گا —— آج تو میں صرف یہی دیکھنے آیا تھا کہ آپ کو کیا پڑھنا ہے!"

"اچھی بات ہے ـــــ" وہ جھنک کر بولی ـ "ارے ـ وہ چڑیلیں ـــــ شبانہ، بلقیس اور نازلی کی بچی ـــــ کہتی تھیں کہ رومانہ ہمیشہ تم گھانس ہی کھودو گی ـــــ اب دکھاؤں گی انھیں ـ کلاس میں بھی شرم نہیں لگے گی ـــــ"

"جی ہاں ـ جی ہاں ـــــ" وہ بولا اور اٹھ کھڑا ہوا ـــــ رومانہ بھی کھڑی ہو گئی اور بڑے ادب سے اسے سلام کیا ـــــ پھر خود بخود شرما گئی ـ مقتدر کو ہنسی آ گئی ـــــ اس نے کھانس کر رومال ہونٹوں پر رکھ لیا ـ

جب وہ قلعہ فتح کر کے اندر آئی تو مینا نے آڑے ہاتھوں لیا ـ

"بیوقوف بندریا ـ تو نے ان سے کہدیا کہ ـ باجی نے جھاڑ کاہے آپ کو ـ کیا سوچتے ہوں گے وہ دل میں !"

"خود جو آپ نے الٹے سیدھے اندازے لگائے تھے" وہ چنخ کر بولی ـ "میلے کچیلے ہوں گے ـــــ دس میل دور سے بدبو آتی ہو گی ـ چھی توبہ ـــــ کیسی گندی بات ـــــ ان کے رومال سے تو ایسی پیاری سی بھینی بھینی مہک آ رہی تھی ـــــ"

"رومانہ احمق نہ بنو ـــــ غیر اور اجنبی لوگوں سے اس طرح بے تکلفی سے باتیں نہیں کیا کرتے ـــــ" مینا جھلا گئی ـــــ "پتہ نہیں کیسے خیالات کے ہوں ـــــ میں نے تو دیکھا تھا کہ وہ تمھاری گدھے پن کی باتوں پہ کئی مرتبہ مسکرائے تھے اور ایک بار تو ہنس ہی پڑے تھے ـــــ"

"جی ہاں ـــــ سلیمان کہتا تھا کہ وہ بڑے خوش مزاج ہیں ـــــ"

بہر حال سن لو کان کھول کر پھر کبھی میرا نام ان کے سامنے لیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا ـــــ" مینا نے کہا ـــــ "تم چاہے کتنی ہی حماقتیں کرتی

پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں ۔۔۔۔۔

رومانہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی ۔۔۔۔ بینا نے کہنے کو تو کہدیا مگر اس کا دل چاہ رہا تھا کہ رومانہ اپنے ماسٹر صاحب ہی کی باتیں کرتی رہے ۔

دوسرے دن اسے رومانہ سے زیادہ اس کے ماسٹر کا انتظار تھا ! خواہ مخواہ اس نے کمرے کے صوفے کی ترتیب بدلی ۔ ملازم سے کہہ کر صوفہ کے غلاف اور کشن بدلوائے ۔۔۔ تازہ اور خوشنما پھول درازیں لگوائے اور ملازمہ سے کہا کہ چائے بالکل تیار رکھے ۔۔۔ رومانہ اگر اتنی بھولی بھالی نہ ہوتی تو وہ پہچان جاتی ۔۔۔۔ بینا کو اس کا اندیشہ بھی نہیں تھا ۔ وہ بڑی بے چینی سے اپنے بیٹوڑ کی منتظر تھی ۔۔۔ پھر شام ڈھلے جب وہ آیا تو اس نے سب سے پہلے اسے یہی خوش خبری سنائی کہ آج دن بھر باجی آپ کے لئے جانے کیا کیا پکاتی رہیں ۔

مقندر گھبرا سا گیا ۔ اس کے لئے کسی نادیدہ باجی کا تذکرہ دلکش بھی تھا اور پریشان کن بھی ۔ بھلا اس کی بے حقیقت ذات سے کسی امیر کبیر گھرانے کی باجی کو کیا دلچسپی ۔۔۔ ؟ اس نے فوراً دوسرا موضوع چھیڑ دیا ۔ اور بات ٹال دی ۔ لیکن رومانہ کو تو کسی صورت قرار ہی نہیں تھا ۔ پڑھائی کے درمیان وہ ضرور اپنا پسندیدہ اور محبوب تذکرہ چھیڑ دیتی ۔

اس کے بعد ملازم نے چائے کی میز سجائی جو بیک وقت حلوائی کی دکان اور میوہ فروش کی دوکان بن کر رہ گئی ۔

پھر تو روز ہی کا یہ معمول بن کر رہ گیا ۔۔۔ رومانہ اس سے بڑی بے تکلف ہو گئی تھی ۔۔۔ پڑھتے پڑھتے جب جی چاہتا رک جاتی اور فضول باتیں کرنے لگتی ۔۔۔

"اب کی گرمیوں میں ڈیڈی نے کشمیر کا پروگرام بنایا ہے۔ ماسٹر صاحب آپ بھی ساتھ چلیئے تو بڑا مزہ آئے ——"

"دکھایئے آپ نے غالب پر کیا لکھا ہے؟"

"اے ہے — ماسٹر صاحب، اتنے ادب سے آپ مجھے کیوں مخاطب کرتے ہیں۔ اسی طرح رومانہ کہا کیجئے جیسے باجی کہتی ہیں —— یہ آپ کی۔ آپ جناب مجھے بالکل پسند نہیں ——"

"فضول باتوں میں آپ کا بڑا وقت خراب ہوتا ہے ——"

"اللہ ماسٹر صاحب۔ اب جان بخش دیجئے —— کل زیادہ پڑھا دیجئے گا ——"

"نہیں نہیں —— یہ نہیں ہوسکتا — میں بولتا ہوں چلیئے لکھیئے۔ یہ کیا کاہلی ہے ——"

"ماسٹر صاحب —— آپ کی کوئی بہن نہیں؟ میری اتنی؟"

"سچ کہتا ہوں۔ کل سے نہیں آؤں گا!"

"اچھی بات ہے بولئے۔ میں لکھتی ہوں! یوں نہ ڈرایا کیجئے ——"

پھر اٹک اٹک کر مضمون چلتا — دس منٹ بعد ہی وہ جان بوجھ کر شرارت سے انگلیاں دبانے لگتی ——

یہ بات نہیں تھی کہ وہ بدشوق تھی۔ لیکن اس کا دل ہی نہیں لگتا تھا! لڑکیوں کے بنانے اور ہنسنے سے وہ زیادہ نروس ہو کر رہ جاتی تھی مگر اب اس نے خاصی ترقی کرلی تھی اور کالج میں بھی تیز ہو چلی تھی ویسے وہ نچلی نہیں بیٹھ سکتی تھی —— اور زیادہ بوجھ اپنے دماغ پر لادنا بھی پسند نہیں تھا ——

ایک دن جب اس نے جان بوجھ کر گپیں ہانکنی شروع کر دیں تو مقتدر اٹھ کھڑا ہوا۔

" مجھے اجازت دیجئے — آپ پڑھ چکیں — میں پڑھا چکا۔ بدنام کریں گی آپ مجھے —"

" ہائے اللہ! یہ کیوں؟ —" اس نے بوکھلا کر اس کا ہاتھ پکڑتے پکڑتے چھوڑا —

" اور پھر کیا — آپ کا مطلب یہی ہے۔ قصداً آپ جاہل رہنا چاہتی ہیں۔ فیل ہونے کا جی چاہتا ہے آپ کا — لوگ مجھے کہیں گے کہ میں نے آپ کے ساتھ محنت نہیں کی —"

" پڑھوں گی — پڑھوں گی — خفا نہ ہوئیے! ماسٹر صاحب خدا کے واسطے بیٹھ جائیے اب میں کبھی بکواس نہیں کروں گی — دراصل یہ میری بکواس ہی ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ مجھے پسند نہیں کرتے۔ جیسے آپ ناراض ہو کر جا رہے تھے نا — بالکل اسی طرح باجی بھی مجھے ایک تھپڑ رسید کر کے چل دیتی ہیں —"

مقتدر نے لاکھ کوشش کی کہ وہ اپنی عادت ترک کر سکے مگر وہ نہ تھی ہی باتونی اس کی اسی عادت نے مقتدر کو اس کے خانگی اور ذاتی حالات سے بھی واقف و متعارف کرا دیا اور وہ اس کی باجی کا ان دیکھا مشتاق و پرستار بنتا گیا۔

معمول کے مطابق شب و روز کے پروگرام جاری تھے کہ مقتدر نے دفعتہً آنا بند کر دیا — یہ وہ دور تھا جب مونس نے اسے سرزنش کی تھی۔ دراصل یہ تقدیر کی خوبی تھی کہ اس کی زندگی میں ایک دلکش اور

خوشرنگ موڑ اچانک آگیا! اسے سیٹھ صاحب نے اپنے انداز کلام سے ناراض کیا تھا۔ رومانہ اور مینا اس سے معافی مانگنے یونیورسٹی پہنچی تھیں اس طرح وہ مینا سے متعارف ہوا تھا۔

آمنہ بیگم نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ پھر کبھی کسی کا ٹیوشن نہیں کریگا لیکن وہ اپنے وعدے پر قائم نہیں رہا۔ نہ اسے سیٹھ صاحب کی سخت گیری اور بدمزاجی کی کوئی پرواہ رہ گئی۔۔۔ وہ رومانہ کو پڑھانے اور در پردہ مینا سے ملنے قریب قریب روز ہی کوٹھی جاتا تھا! اور وہ خود اس سے کتنا قریب ہوگیا تھا۔۔۔ یہ اسے بھی پتہ نہ تھا۔

زبیدہ عرصہ ہوا بیاہ کر اورنگ آباد چلی گئی تھیں۔۔۔ ان کی زندگی میں بھی ایک بڑا انقلاب آگیا تھا! اب وہ چار لڑکیوں کی امّی تھیں اور اتنی پروقار بھاری بھرکم ہو کر رہ گئی تھیں کہ کسی طرح پچھلی زبیدہ باجی لگتی ہی نہیں تھیں۔۔۔ لیکن وہ اتنی ہی مخلص پر محبت اور مشفق اب بھی تھیں۔۔۔ سرفراز نے ان کی کسی مرضی اور رائے پر پابندی نہیں لگائی تھی وہ بھی نہایت مخلص اور خوشمزاج آدمی تھے۔۔۔ دونوں کی زندگی قابل رشک تھی۔۔۔

زبیدہ نے اچھے دنوں میں بھی اپنے قابل توجہ عزیزوں کو فراموش نہیں کیا۔۔۔ ان کے چار لڑکے تھے مگر اپنا پانچواں لڑکا وہ علی کو سمجھتی تھیں اس کے لئے کپڑوں اور خوبصورت اسٹیشنری کے پارسل بھیجتیں۔ عید

بقر عید پر اس کی عیدی آتی! سرفراز اس کا بڑا بیش قیمت لباس روانہ کرتے
علی نے بھی کبھی ان دونوں سے کسی قسم کا کوئی تکلف نہیں برتا! سرفراز کو اس
کی زندگی کے المیہ کی خبر تھی مگر انھوں نے اس کا اظہار علی کے سامنے نہیں
کیا۔ انھیں مونس کی خانگی الجھنوں کا بھی پتہ تھا کہ وہ ایک بڑے گھر سے
منسوب ہونے کے بعد اپنا معیار زندگی بلند کرنا چاہتے تھے اور یہ بھی چاہتے
تھے کہ اس طرح علی کی اونچی پوزیشن پر بھی اثر نہ پڑے۔ اس کشمکش میں وہ
مقروض بھی ہو گئے تھے۔ لہذا ایک طرف تو انھوں نے بڑے بھائی کی حیثیت
سے ان کو قرض کے بوجھ سے نجات دلائی —— دوسری طرف علی کی بھی مدد
کی۔ یہ چیز اسے گوارا نہ تھی۔ لیکن وہ مونس اور سرفراز کی مرضی کے سامنے
زبان تک نہ ہلا سکا! —— اس کے علاوہ وہ لوگ عمر و مرتبہ میں بھی اس
سے بہت بڑے تھے! سب سے بڑی بات جو اسے کسی قسم کی اجنبیت
کے احساس سے دور رکھتی تھی وہ سرفراز اور مونس کا اپنا خلوص تھا وہ
لوگ اسے اپنے خاندان سے علیحدہ نہیں سمجھتے تھے۔ بہت زبردست احساس
علی کو ان لوگوں کی اپنائیت شفقت اور محبت کا تھا —— کیا کچھ نہیں
کیا تھا۔ مونس اور مقتدر صاحب نے اس کے ساتھ۔ مگر مونس سمجھتے تھے
کہ جو کچھ انھوں نے کیا وہ ان کا فرض اور علی کا حق تھا۔

اور اب مارے خلوص کے زبیدہ اس کے لئے لڑکیاں دیکھ رہی
تھیں۔ سرفراز کی خالہ زاد بہن کی لڑکی سلمیٰ بڑی اچھی تھی۔ والدین
کی اکلوتی بیٹی تھی۔ تعلیم یافتہ تھی روشن خیال اور ساتھ ہی بے حد
سلیقہ مند۔ والدین کھاتے پیتے اور خوش حال تھے لیکن ان کی خوشحالی
کا کوئی غلط اثر سلمیٰ پر نہیں ہوا تھا وہ بڑی ملنسار خوش مزاج اور خدمتگذار

تھی ـــ وہ اکثر زبیدہ کے یہاں آتی ـ انھوں نے دیکھتے ہی اسے علی کے لئے پسند کیا ـ

"آپ اگر آپا سے کہیئے تو وہ سلمیٰ کو مجھے دے دیں ـ" انھوں نے ایک دن سرفراز سے تذکرہ کیا ـــ "وہ چاہتی ہیں کہ اس کا اچھا رشتہ ملے ـــ ایک بچی ہے ـــ"

"تم کیا کروگی اسے لے کے ـــ تمھارے لڑکے تو ابھی اس قابل نہیں ـ" زبیدہ نے انھیں گھور کر دیکھا ـ "ہر وقت مجھے بیوقوف نہ بنا لیجئے میں کب کہتی ہوں کہ سلمیٰ مجھے اپنے لڑکوں کے لئے چاہیئے ـ اچھی بات ہے میں خود آپا سے کہوں گی"

"سچ مچ ـ میں بالکل نہیں سمجھا کیا کوئی لڑکا تمھاری نظروں میں ہے؟"

سلمیٰ کے لئے اپنا علی کتنا اچھا ہے ـــ ایک سال بعد اسے ملازمت مل جائے گی! آپا سے آپ کہہ کے دیکھئے ـــ اگر انھوں نے منظور کرلیا تو میں علی کو بلا کر دکھا بھی دوں گی ـ"

"میں تو کہتا ہوں بہترین رشتہ ہے ـــ آپا سے ضرور کہوں گا اور انھیں مجبور بھی کروں گا کہ وہ منگنی کر دیں ـــ شادی علی کی ملازمت کے بعد ہوتی رہے گی!" سرفراز نے خوش ہو کر کہا پھر بولے ـــ "لیکن تم نے خالہ اماں سے بھی کبھی اس کا تذکرہ کیا تھا ـــ؟ ایسا نہ ہو کہ ہم یہ تجویز سوچتے ہی رہیں اور خالہ اماں ادھر کوئی اور انتظام کرلیں ـ"

"خالہ اماں بے چاری سے کیا ہوتا ہے ـــ زبیدہ نے متاسفانہ لہجے میں مگر محبت بھرے انداز میں کہا ـــ" وہ تو ہم سب سے پوچھ کر کرتی ہیں ـــ جو بھی کرتی ہیں علی کی کوئی بات چلاتیں تو ناممکن تھا کہ یونس کو یا امی کو معلوم نہ ہوتا ـــ اچھا تو آپ خالہ اماں کو بھی لکھیئے

اور آپا کو بھی۔ خالہ اماں علی کے امتحان کے بعد چند دن کے لئے یہاں آجائیں تو اور بھی اچھا ہو ۔۔۔"

"مگر تم کہہ رہی تھیں کہ ایک چکر حیدر آباد کا لگا آئیں ۔۔۔!"

"اب میں کہاں بچوں اور سامان سمیت جاؤں گی۔ خالہ اماں اور علی مزے میں ہلکے پھلکے چلے آئیں گے۔ آپا علی کو دیکھ بھی لیں گے ۔۔"

"ٹھیک ہے۔ میں لکھے دیتا ہوں ۔۔۔"

"امی کو بھی لکھ دیجئے کہ واپسی پر ادھر سے ہوتی ہوئی جائیں ۔۔۔"

"واقعی بہت دن ہوئے سب کو یکجا رہے! ہو سکتا ہے کہ امی چلی آئیں۔ مگر خالہ اماں تو علی کے امتحان کے بعد ہی آسکیں گی ۔۔۔"

"کچھ بھی ہو۔ انھیں اطلاع تو دے دیجئے۔"

سرفراز سے ان کی بہن نے کئی مرتبہ کہا تھا کہ وہ اپنے دوستوں میں کوئی اچھا لڑکا سلمی کے لئے دیکھیں۔ انھیں اس کا خیال بھی رہتا تھا! اس لئے انھوں نے فرصت سے تینوں جگہ خط لکھ دیئے ۔۔۔ آمنہ بیگم کو خوشخبری سنائی کہ انھوں نے علی کے لئے ہر طرح خوبصورت اور خوب سیرت لڑکی دیکھ رکھی ہے۔ وہ اس کے امتحان کے بعد جس قدر جلد ہو سکے چلی آئیں ۔۔۔

آمنہ بیگم سرفراز کا خط پاکر بہت خوش ہوئیں۔ انھیں بھی علی کے بدلے ہوئے طرز عمل سے فکر تھی۔ انھوں نے سوچا کہ اسے اس کی حدود سے باہر نکلنے سے پہلے ہی پابند کر دیا جائے علی کی زندگی کا یہ دور عجیب سا دور تھا۔ ایک طرف عبید تھا جو اسے ہر وقت اپنے ساتھ ساتھ لئے لئے پھرتا۔ دوسری طرف مینا تھی! شام کے بعد سے دس بجے رات تک کا وقت اس کے لئے وقف تھا! اس نے آمنہ بیگم کا کہنا نہیں مانا۔ اور ٹیوب ٹیوشن چھوڑ دیئے تھے۔ مگر سیٹھ صاحب کے یہاں پابندی سے بلکہ بےچینی کے ساتھ جاتا آتا رہا۔ اسے سیٹھ صاحب کے ناگوار سلوک کی بھی چنداں پرواہ نہ رہی تھی اور سیٹھ صاحب کو

پتہ ہی نہ تھا کہ ان کی لڑکیوں کو ماسٹر اب بھی پڑھانے آتا ہے کہ نہیں! وہ تو دولت پیدا کرنے کی مشین بنے ہوئے تھے جو شب و روز چلتی رہتی تھی۔

علی سمجھتا تھا کہ اس کے صبح و شام کے پروگرام سے اس کے سوا کوئی اور واقف نہیں ہے اپنی حماقتوں اور سادہ لوحیوں کا اس نے ہمیشہ برا نتیجہ بھگتا تھا لیکن کوئی سبق نہیں سیکھا! اپنی ماں سے تو اس نے سیٹھ صاحب کے یہاں کی دلچسپیوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا لیکن عبید سے سب کچھ کہہ دیا۔

وہ علی کا سا ناتجربہ کار اور سادہ مزاج نہیں تھا! علی کی ساری داستان سن کر اس نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا "مقتدر! میں تمھاری حوصلہ شکنی نہیں کرتا۔ میں تمھارا دوست ہوں کبھی تم سے دشمنی نہیں کروں گا مگر میں تم کو فی الحال یہی مشورہ دوں گا کہ جتنی جلد ہو سکے تم کوٹھی آنا جانا چھوڑ دو! یقیناً آج تم جذبات و احساسات کے شکنجے میں بری طرح جکڑے ہوئے ہو مگر آج سے چند سال بعد تم سوچنے پر مجبور ہو جاؤ گے کہ جو کچھ آج کرتے رہتے ہو وہ سب بچپن ناتجربہ کاری اور محض جذباتیت تھی جس کا نتیجہ تاسف، پشیمانی اور غم کے سوا کچھ نہیں۔"

"میں خود بھی یہی سوچتا ہوں عبید" اس نے بھی بہت سنجیدگی سے جواب دیا "ایک برا انجام اور اندوہناک نتیجہ میری طرف بڑھ رہا ہے میں ساری ساری رات سو نہیں سکتا تعلیم پر توجہ نہیں دے سکتا۔ میرے وہ خواب پورے نہیں ہو رہے ہیں جو میری طرف سے باباجان نے دیکھے تھے۔ اور جن سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ انھیں تعبیر طلب نہیں رکھوں گا۔ مگر میں کیا کروں عبید! میں نے آج تک تمھارے سوا کسی سے نہیں کہا کہ میرے احساسات و جذبات کی نس نس میں روح بن کر بینا کچھ اس طرح سما گئی ہے کہ اگر ہزار چاہوں تو بھی اس کے تصور سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔"

"مقتدر! تم نے بھی تھوڑی بہت دنیا دیکھی ہے" عبید نے کہا "کہانیاں پڑھی

ہیں۔ افسانوں میں پڑھا ہے کہ ایسی انمل بے جوڑ اور بے بہتر محبت کا انجام سوائے تباہی بربادی کے اور کچھ بھی نہیں۔ سیٹھ درانی صاحب کو کون نہیں جانتا! وہ اس شہر کے متمول ترین آدمی ہیں ان کی دولت اعداد و شمار کی گرفت سے باہر ہے اور تم۔ تم ایک ایسے طالب علم ہو جس کا روزمرہ کا خرچ بھی دوسروں پر منحصر ہے تمھارا مستقبل دھندلا پوشیدہ اور ابھی تم سے بہت دور ہے! محبت کی آگ بڑی جلدی لگتی اور پھیلتی ہے مقتدر۔ اور جب سب کچھ جلا کر خاکستر کر دیتی ہے تو فوراً بجھ بھی جاتی ہے اس لئے میرے بھائی میری مانو آئندہ سے مینا کے گھر جانا بند کر دو۔ دل پر جبر کرو سب کچھ بھول بھال جاؤ گے۔"

"ٹھیک کہتے ہو عبید!" اس نے رنجیدہ لہجے میں کہا "عرش و فرش کبھی بھلا کبھی ملتے ہیں۔ میرے مرحوم باباجان۔ میری امی اور میرے بھائی بہن ان سب نے پتہ نہیں کیا کیا امیدیں مجھ سے لگا رکھی ہیں میں بھی عجیب لغویت میں پڑ گیا ہوں آئندہ یہ نہیں ہوگا۔"

"تم نے کچھ برا تو نہیں مانا مقتدر یقین کرو جو کچھ میں نے کہا ہے وہ تمھاری بھلائی کے لئے کہا ہے ورنہ تمھاری خوشی سے سب سے زیادہ خوش ہونے والا میں ہوں۔"

عبید کے رخصت ہونے کے بعد وہ دیر تک سوچتا رہا اس نے کوئی بات غلط اور بے فائدہ نہیں کہی تھی۔ اسے خود بھی اپنی اور مینا کی پوزیشن میں زمین آسمان کا فرق نظر آیا۔

ایک جھونکا باد بہاری کا خزاں رسیدہ چمن میں آیا تھا اور نکلا چلا گیا۔ مینا میری قسمت نہیں۔ اس نے سوچا اور باہر سے اٹھ کر اندر اپنے کمرے میں آ کر پڑ گیا۔

دیکھا پڑھائی کا اسے ایک بہانہ لگا جسے عبور کرنا تھا۔ ایک عجیب سا اضمحلال اور مایوسی اس کے خیالوں پر چھا گئی۔

شام ڈھل رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد زنانہ گاڑی بھیج دے گی۔ مینا اس کی منتظر ہوگی! وہ تو عجیب لڑکی نکلی جتنی شرمیلی تھی اتنی ہی سیدھی سادی بھی تھی!

اس کی ہر ادا اور ہر حرکت سے وہ احساس ہویدا تھا جسے محبت کہتے ہیں اس نے اپنی زبان سے کبھی کچھ بھی نہیں کہا۔ نہ علی نے یہ ذلت گوارہ کی تھی کہ اس کے خلوص کو اپنی محبت کچھ کر اپنا درد دل سنانے بیٹھ جاتا۔ بس اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر ایک دبی دبی سی آنچ اس کے دل میں سلگنے لگی ہے تو مینا کا دل بھی اس کی حدت و تپش سے متاثر ہے اس کا خاموش مگر مضطرب انتظار اس کی محبت کا غماز تھا اس کی سیدھی سادی باتیں وہ زیر لب تبسم۔ کچھ کہتی ہوئی آنکھیں! کوئی انداز اور احساس علی سے پوشیدہ نہیں تھا۔

پتہ نہیں وہ کیا سوچے گی؟ اگر اس کے دل میں علی کے لئے کوئی اچھوتے اور نرم جذبات بیدار ہو گئے ہیں تب اس کی بیرخی سرد مہری اور بے اعتنائی سے وہ کتنی رنجیدہ اور مغموم ہو جائے گی خدا جانے اس کے خیالوں میں کیسی بہار آئی ہے وہ دفعتہً خزاں سے بدل جائے گی مگر۔

بے نام و نشاں جہاں میں جو شئے مرجھائے گُل دل بشر ہے

اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے؟ اچھا ہے اس راہ پرخار پر دو دو قدم چلنے سے پہلے سے پہلے واپس ہو جاؤں جس کی منزل موت کی وادی ہے مینا بھی بہل ہی جائے گی۔ ہو سکتا ہے یہ تکلم بہ تبسم اس کی عادت ہی ہو مجھے سپنے بہلائیں یا دیں ستائیں۔ یہ میرا اپنا ظرف ہے۔ تنہا، تنہا۔ آنسو بہاؤں یا قہقہے لگاؤں! کون دیکھنے آئے گا۔ کتنے خواب میرے ارمانوں میں آوارہ پھرتے ہیں۔ مینا کی شادی ایک ایسے آدمی سے ہو جائے گی جو اس کا ہم پلہ ہو گا۔ سیٹھ صاحب کی دولت سے ٹکر لے گا۔

پھر اسے ہنسی آ گئی۔ دولت۔ دنیا کی ذلیل ترین چیز۔ مگر جو محبت خرید سکتی ہے وہ اپنے مایوس خیالوں کے بھنور میں چکر اتارہا اتنے میں کسی نے کمرے میں روشنی کی اس نے چونک کر سر اٹھایا! آمنہ بیگم نے چائے کی کشتی میز پر رکھی اور غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ علی نے کوشش کی کہ خود کو ہشاش بشاش پیش کرے مگر ناکام رہا وہ مسکرا بھی نہ سکا۔

"امی یہ وقت چائے کا تو نہیں ہے ——"

"میں نے پی تھی۔ سر میں دوپہر سے درد ہو رہا ہے اس وقت پھر درد کی گولی کھائی تھی چائے کے ساتھ۔ ایک پیالی تمھارے لئے بھی لے آئی — آج سرفراز کا خط آیا ہے۔"

اس نے بیدلی سے خط اٹھا لیا پھر جیسے جیسے پڑھتا گیا اس کی وحشتوں میں اضافہ ہوتا گیا۔

"امی کیا آپ جائیں گی باجی کے یہاں؟" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں میاں میں یہی چاہتی ہوں — تمھارا امتحان اصل خیر سے ہو لے تو پھر چلیں اللہ تمھارا گھر بار بنا دے۔ پھر تم مجھے اور آپا کو بھجوا دینا حج کے لئے اب کچھ جینے میں مزہ نہیں رہا۔"

وہ ہولے ہولے چائے سپ کرتا رہا۔

"امی آپ ایسی لڑکی سے میری شادی کردیں گی جسے نہ آپ نے دیکھا ہے نہ میں نے۔"

"بیٹا ہمیشہ ایسی ہی بچپنے کی باتیں کروگے؟" وہ تعجب سے بولیں۔ "لڑکی زبیدہ کی بھانجی ہے۔ انھوں نے تو دیکھی بھالی ہوگی — اب میں دیکھ کر کیا کروں گی اور تم کیا کروگے —"

"مگر — !"

"نہ اگر نہ مگر — !" وہ بولیں "میری بات میں کوئی میخ نہ نکالنا۔ مجھے میں دیکھ رہی ہوں کہ کچھ بدحواس ہو کر رہ گئے ہو تم! کیا تو وہ گرما گرمی تھی پڑھائی کی — نہ کوئی عورت نہ دوست تھے — اب تو کھینچا تانی ہے ایک طرف سے شبیر زور لگاتے ہیں تو دوسری طرف وہ موئی لڑکیاں ہیں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سحر کردیا ہے۔ کچھ کھلا پلا دیا ہے تمھیں۔ نہ وہ امنگ باقی ہے نہ شوق! اللہ نے ہر طرح کی آسانیاں دے رکھی ہیں۔ چاہو تو پڑھ لکھ کر سارے ملک میں اول آؤ۔ اچھی نوکری ملے۔ یہ ماں باپ کتنی — وہ آرزوئیں پوری ہوں — جو بچپن سے لے کر اب تک تمھارے سینے میں کروٹیں لے رہی ہیں! مجھے ناز تھا تم پر — مگر ایک لڑکے اور لڑکی نے تمھیں

کہیں کا نہ رکھا! ــــ"

"آپ تو یونہی کہہ دیتی ہیں امّی ــ اب کیا میرا کوئی دوست بھی نہ ہوگا آپ عبید کو نہیں جانتیں ــــ وہ بہت اچھا ہے ــ نہ مجھے بہکاتا ہے نہ ورغلاتا ہے ــ میں کوئی چھوٹا سا بچہ تو ہوں نہیں ــ"

"علی ــ بگڑو نہیں ــ تمہارے لئے کہتی ہوں ــ میرا کچھ نہیں ــ ایک پاؤں دہلیز پر دوسرا قبر میں ــــ جو کچھ مصیبتیں میں نے اٹھائی ہیں وہ سب تمہارے لئے ــــ اب وقت آیا ہے کہ میرے دکھ سکھ سے بدل جائیں مگر آج کل تم بدل رہے ہو؟ کبھی کبھی تو میں سوچتی ہوں ــ میری بدقسمتی اور محرومی کہیں سدا کی تو نہیں ہے ــــ"

"امی ــــ میں تو کچھ بھی نہیں کرتا ــــ خواہ مخواہ ایسی بے بنیاد باتیں سوچ سوچ کر آپ اپنا دل دکھاتی ہیں اور مجھے بھی پریشان کرتی ہیں ــ!" وہ گھبرا گیا ــــ "آپ کو بے شک میرا بہت خیال ہے ــ مگر کیا مجھے اپنا خیال نہیں ہے؟"

"تو پھر چلو گے اورنگ آباد ــــ؟" انھوں نے جھٹ سے سوال کیا۔

یک بیک اس کی پیشانی بھیگ گئی اور جواب دیتے ہوئے زبان ہکلا گئی ــــ

"کب ــــ باجی نے بلایا ہے تو چلنا ہی پڑے گا ــــ مگر ابھی تو نہیں بلایا ــــ!"

"ابھی بلایا ہے ــ گرمی کی چھٹیوں میں جاؤں گی ــ میں چاہتی ہوں کہ منگنی ابھی کر دوں ایسا نہ ہو کہ ہماری غفلت سے ایک اچھی لڑکی ہاتھ سے نکل جائے ــ اگلے سال شادی ہو جائے گی ــــ"

علی خاموش رہا ــــ وہ اپنا فیصلہ سنا کر اٹھ ہی رہی تھیں کہ دروازے پر کار کا جانا پہچانا ہارن گونجا ــ آمنہ بیگم اور علی کی نظریں ملیں ان کے تیوروں پر شکنیں تھیں۔ بڑی ناگواری سے انھوں نے کہا ــ "جاؤ۔ کہہ دو تمہارا انتظار نہیں کروں گی ــ"

عبید اس کے دل میں بیٹھا بول رہا تھا ــ تم ایک غریب طالب علم ہو مینا کا اور تمہارا کوئی مقابلہ نہیں ــــ اس کی کوٹھی کا آنا جانا چھوڑ دو محبت کی آگ خود بخود بجھ جائے گی ــــ تم خطرناک انجام کی طرف بڑھ رہے ہو۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر پیشانی کا پسینہ پونچھا اور مدھم لہجے میں کہا "امی۔ آپ کہہ دیجئے میں گھر پر نہیں ہوں ــــ اب میں ان کے یہاں کبھی نہیں جاؤں گا ــــ"

آمنہ بیگم نے دروازے پر جا کر یہی کہہ دیا ــ ڈرائیور نے ان سے کچھ نہیں پوچھا ــ واپس چلا گیا ــ آمنہ بیگم کچن میں مصروف ہو گئیں ــ وہ خالی الذہن اور کھویا کھویا سا لکھنے کی میز پر آ بیٹھا۔ چند لمحے ٹکٹکی لگائے ٹیبل لیمپ کے کور کو دیکھتا رہا اور پھر میز پر سر اوندھا لیا۔

اس نے سوچنا چاہا۔ اپنی آئندہ زندگی۔ ڈاکٹر علی اور نصب العین کے متعلق ــ مگر کچھ بھی نہ سوچ سکا۔

پھر اسے ردبانہ یاد آئی ــ معصوم اور ناسمجھ لڑکی ــ مینا یاد آئی۔ حسین اور پرکشش ــ کیا وہ دونوں اتنی ہی مضمحل اور اداس ہوں گی جتنا وہ اس وقت ہے؟ کون جانے۔ پھر اسے آمنہ بیگم نے کھانے کے لیے آواز دے لی۔

یونیورسٹی میں بڑی کلاسوں کے سالانہ امتحانات کا آغاز ہو چکا تھا ـــــ لاونج، راہداری اور لینڈ سکیپ گارڈن میں ہر طرف لڑکے لڑکیوں کے گروپ بیٹھے انہاک سے پڑھ رہے تھے۔ جن کے دلوں پر امتحان کی دہشت چھائی ہوئی تھی ـــــ وہ تو بیشک بری طرح اسٹیڈی کر رہے تھے ان کا بس نہیں تھا کہ کتابوں کو دماغ میں ٹھونس لیتے۔ لیکن جو امتحان کو مذاق سمجھتے تھے وہ اب بھی مگن تھے اور خوش گپیوں میں مشغول ہہقہے لگا رہے تھے ـــــ ایسا ایک گروپ اوصاف حسین اور اس کے دوستوں کا بھی تھا ـــــ گھنٹی میں بڑی دیر تھی وہ چھ سات لڑکے سنکیر کے گھنے درخت کی چھاؤں میں بیٹھے بے معنی بکواس کر کے خواہ مخواہ گو بجیلے قہقہے لگا رہے تھے ـــــ ان کی قیمتی کاریں لان پر پارک تھیں ـــــ ان کی جیبیں بھری تھیں اور نخوت و غرور نے مستقبل کے اندیشے خوف کو ذہنوں سے بالکل دور کر دیا تھا ـــــ جو لڑکا پریشان اور فکر مند سا ان کے سامنے سے گزرتا وہ اس پر آوازے کستے۔ اگر کوئی لڑکی آگے سے نکل جاتی تو ان کی سرگوشیوں سے گھبرا کر بھاگتی! ـــــ حالانکہ وہ سب اچھی خاصی عمر کے تھے اور یہ رذالت چھچھورا پن ان پر زیب نہیں دیتا تھا لیکن وہ ایک بیہودہ اور متعصب گینگ تھا۔ جس سے طلبا تو طلبا اساتذہ صاحبان تک الجھنا مناسب نہیں سمجھتے تھے ـــــ

ساڑھے نو بجنے والے تھے ـــــ دھوپ میں حدت شروع ہو چلی تھی کئی لڑکے اٹھ کر جا چکے تھے اوصاف اپنی کتابوں کا سرہانہ بنائے مخملی گھاس پر

دراز تھا۔ اس کے جسم پر بڑا قیمتی مگر بے حد سادہ لباس تھا! کلائی پر طلائی گھڑی بندھی تھی ـــ وہ ایک دراز قد اور چوڑا چکلا آدمی تھا جس کے بشرے سے ہر وقت شرارت اور غرور برستا ـــ حالانکہ تعلیم کے معاملے میں صفر تھا مگر کہلاتا یونیورسٹی کا ہیرو ـــ ہمیشہ اسی کے کلاس فیلو مصاحبین کی طرح جی حضوری میں جلو میں چلا کرتے۔ نہ تو اس کی نظروں میں برابر والوں کی وقعت تھی نہ معلمین کی عزت ـــ اب تک بزعم خود چوچا ہتا کرتا تھا۔

اس کے ساتھی کسی فضول بات پر بے تحاشا ہنس رہے تھے۔ شاید داد خان کی خوشنودی ہی مقصود تھی مگر وہ چپ چاپ لیٹا سگریٹ پی رہا تھا اور پرخیال انداز میں آسمان کی نیلاہٹوں میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ جیسے اس کے خیالات انہی پہنائیوں میں مجسم و متحرک ہوں۔

اچانک یونس نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا ـــ

"کہاں کھو گئے تھے؟" ـــ یونس نے ہنس کر پوچھا

"میں تو سمجھتا ہوں ـــ مس نادر تصورات کے تخت طاؤس پر جلوہ فگن ہیں"۔ ہاشم نے ایک قہقہہ لگا کر کہا جیسے اوصاف کی چوری پکڑی ہو۔

"واقعی زیادتی ہے مس نادر کی بھی ـــ!" اعظم نے کہا ـــ یہ دولت ثروت جاہ وحشم ایک ہیرو ٹائپ کا بج چمپئین کو چھوڑ کر لعنت دی گھسیارے کو پر لعنت بھیجو اب وہ ساری عمر گھانس ہی کھودا کرے گی ـــ"

پروفیسر سعید ایگری کلچر ڈپارٹمنٹ سے متعلق تھے اور یونیورسٹی میں ان کی اور مس نادر کی محبت کا اسکینڈل بن گیا تھا! مس نادر کالج بیوٹی ہی جانی تھی۔ جس پر چند دنوں اوصاف نے بھی ڈورے ڈالے تھے مگر وہ اسے

خاطر میں نہیں لائی۔

ادھا ف نے ایک طویل سانس لی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"مس نادر کیسی۔اعظم ۔۔۔!" اس نے پھر خلاؤں میں گھورتے ہوئے کہا ۔۔۔ "وہ تو میرے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہے ۔۔۔ میں نے جب سے خوب سے خوب تر کو دیکھا ہے ۔۔۔ خدا کی قسم ۔۔۔ اپنے آپ میں نہیں رہ گیا ۔۔۔"

"ہائیں! اور وہ خوب تر ہے کہاں ؟" یونس نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

"اسے صرف تم نے دیکھا اور ہم جلوۂ جانانہ سے محروم ہی رہے ۔۔۔"

"محروم ؟" ادھاف نے دانت پیس کر کہا ۔۔۔ "محروم ہی نہیں بخت، احمق اور گدھے بنے رہے۔ وہ شعلۂ جوالہ اس بدبخت اذلی کی قسمت میں ہے جو ہمیشہ ہی سے میرا دشمن بنا رہا ہے ۔۔۔ خدا کی قسم۔ اب اسے اپنے راستے سے ہٹانا ہی پڑے گا ۔۔۔"

"کیا مطلب ؟ ۔۔۔ مقتدر ؟ ۔۔۔ اکیلا وہی تو ہے غالباً تمھارا رقیب ۔۔۔!" اعظم نے پوچھا۔

"تمھیں یاد ہے سالانہ فنکشن ؟ ۔۔۔ ادھاف نے کہا ۔۔۔ "میں نے سوچا تھا بھرے مجمع میں اس نمک حرام کو ذلیل کروں گا ۔۔۔"

"بے چارے نے آج تک تمھارا نمک نہیں کھایا ۔۔۔" یونس نے کہا "وہ جلسہ تو ہمی نے ناکام کیا تھا ۔۔۔ بھلا یاد کیسے نہ ہوگا۔ ابھی دن ہی کتنے ہوئے اچھا تو اس دن خاص بات کیا ہوئی تھی ۔۔۔" نقوی نے پوچھا۔

"میں سمجھا تھا کہ جو کچھ رات کی تاریکی میں میں نے دیکھا وہ فریب نظر تھا
مگر اب پتہ چلا کہ میں ہی غلطی پر تھا ——" اوصاف نے کہا —— "مقتدر کو
میں سمجھتا تھا کہ ایک پھٹے حالوں آدمی ہے — مگر — میں نے دیکھا کہ وہ ایک
نہایت خوبصورت اور بے حد قیمتی گاڑی میں بیٹھ کر گیا — جسے ایک نہایت
حسین لڑکی ڈرائیو کر رہی تھی ——"

"خواب دیکھا ہوگا ——" صدیقی ہنس پڑا۔

"اگر یہ خواب ہے تو اس کی تعبیر خون سے لکھی جائے گی —— بات اب
سطحی رنجش سے گزر کر عورت اور رقابت تک جا پہنچی ہے ——" اوصاف
کی آنکھوں میں خون اترنے لگا —— "میں تو خدا کی قسم اسے ٹھکانے
لگا دوں گا ——"

اس کے ساتھی خوفزدہ بھی تھے اور متحیر بھی —— انھوں نے کبھی مقتدر
کو کسی لڑکی کے ساتھ نہیں دیکھا تھا! وہ اتنا خاموش کم آمیز اور آدم بیزار
انسان تھا کہ کسی مرد دوست کے ساتھ بھی دیکھا نہیں جاتا تھا۔ وقت پر آتا
اور وقت پر چلا جاتا —— فرصت ہوتی تو لائبریری میں جا بیٹھتا —— وہ اور
لڑکی —— قیمتی گاڑی؟ —— بڑا معمہ اور راز تھا! —

"لڑکی اپنی یونیورسٹی ہی کی ہے؟" ہاشم نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"یہاں کی ہوتی تو میں پہچان نہ لیتا ——" اوصاف نے کہا —— "سچ
تو یہ ہے کہ اس کی سی حسین لڑکی یہاں ہے ہی نہیں! یہ عالم تھا اس کے
حسن کا کہ اندھیرے میں چہرہ چمک رہا تھا —— پتہ نہیں کون ہے؟ پہلے
میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ جو کچھ میں نے دیکھا خواب ہے مگر وہ حضرت اکثر
دن کو بھی اسی گاڑی میں تشریف لائے —!"

"لڑکی بھی ساتھ تھی؟" صدیقی نے پوچھا۔

"اکیلا ہی آتا ہے مردود — مگر گاڑی ایک باوردی ڈرائیور چلاتا ہے۔ اس کی گاڑی ایسی ہے کہ اس کے سامنے میری کنگڑ دے پانی بھرے۔ عجیب سی سینے میں آگ لگی ہے۔ صدیقی —" اوصاف نے کہا۔ "جب تک میں سارا راز حل نہ کر لوں گا یونہی بے چین رہوں گا —"

"کچھ معلوم کرو — حضرت ابھی تک تشریف لائے یا نہیں —" نقوی نے کہا۔

"ہاں ہاں چلو — دیکھیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا —" صدیقی بولا اور سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اس جگہ جا کھڑے ہوئے جہاں بے شمار کاریں پارک کی گئی تھیں — ہاشم نے چپکے سے پوچھا۔

"ان میں سے کوئی کار ہے؟"

اوصاف نے نفی میں سر ہلایا اور سڑک کی طرف دیکھنے لگا! جہاں سے سواریاں مسلسل چلی آرہی تھیں۔ لیکن وہ سواری جس کا ان سب کو بے چینی سے انتظار تھا نہ آنا تھی نہ آئی —

اتنے میں تیز آواز سے بل بج اٹھی — اور وہ سب اکتائے ہوئے بیزار سے ہال کی طرف بڑھ گئے سب سے پہلے اوصاف ادھر آیا۔ اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی جب اس نے انٹرنس ہال کے سامنے ذی مقدر کو دیکھا — روزمرہ کے سادہ لباس میں ملبوس۔ آستینیں کلائیوں پر الٹی ہوئی تھیں۔ معمولی سی گھڑی کلائی پہ بندھی تھی — چہرہ اداس پژمردہ لب۔ خشک بال پیشانی پہ بکھرے ہوئے — ایک نظر اس نے ان سب پہ ڈالی — ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھری اور

دوسرے ہی وہ ایگزامینیشن ہال کی طرف چلا گیا۔

انھوں نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا۔

"میں ایک ترکیب بتاتا ہوں —!" یونس نے سرگوشی کی — "اس بدھو کو اپنا دوست بناؤ سب کچھ خود ہی اگل دے گا —"

"کیا مطلب —" اوصاف نے برہم لہجے میں کہا — "کیا اپنے دشمن کو میں دوست کہوں گا —"

"فقط کہنے کی حد تک —" یونس نے کہا — "دوست سمجھو گے نہیں ضرورت مقتدر کو شیشے میں اتارنے کی ہے — مثلاً تم پیپر ختم کر کے یونہی سرِ راہ اس سے ملو گے اور پوچھو گے کہ اس کے پیپر کیسے ہوئے۔ پھر تم کہو گے کہ تم ہمیشہ سے ہر مضمون میں کمزور ہو — اگر مقتدر تمھیں اپنے نوٹس دے دے تو تم اس کے شکر گزار ہو گے۔ تم اسے اپنے یہاں چائے پہ بلاؤ گے — وہ چلا آئے گا — ہم سب موجود رہیں گے پھر باتوں باتوں میں سب کچھ اس سے معلوم کریں گے — اوصاف جلد بازی اور بے صبری کام خراب کر دیتی ہے تھوڑی سی نفس کشی اور مصلحت سے کام بن جائے تو کیا حرج ہے —"

"میں سوچوں گا —" اوصاف نے کہا — دوسری گھنٹی بجنے لگی تھی وہ سب گھبرا کر ہال کی طرف بھاگے — پتہ نہیں اس کے ساتھیوں نے جوابی پرچہ میں کیا کیا لکھا تھا — مگر اوصاف کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ وہ بار بار مقتدر کو دیکھتا رہا جو اس سے ذرے دور مگر عین سامنے بیٹھا تھا اور اس کا قلم سفید کاغذ کو سیاہ کر رہا تھا — وہ دانت پیس کر اپنی کاپی پر جھک گیا — اس کے سر پہ پنکھا سنسنا رہا تھا

اور دماغ اڑا ہوا تھا۔

وقت سے پہلے وہ نگران کار کو اپنی کاپی دے کر لاؤنج میں نکل آیا اور بیرے کو کسی ٹھنڈے مشروب کا آرڈر دے کر بے چینی سے مقتدر کا انتظار کرنے لگا۔

پھر حسن اتفاق سے جیسے ہی چپراسی ٹرے میں آئسکریم کا کپ رکھے ہوئے لایا۔ اسی وقت دروازے سے مقتدر نکلا۔ وہ اپنے خیالوں میں غرق آہستہ آہستہ اوصاف کے پاس سے گزر گیا۔

"انھیں آواز دو —" اوصاف نے چپراسی سے کہا۔ جیسے وہ اسے پکارنا اور مخاطب کرنا بھی اپنی توہین سمجھتا تھا — مقتدر کو اس کے بلاوے پر حیرت ہوئی — بہرحال وہ کسی نئے مجادلے کے لئے خود کو تیار کر کے اوصاف کے پاس آ کھڑا ہوا — اس نے چپراسی کو مزید آئسکریم کا آرڈر دیا اور اس کے جانے کے بعد مقتدر سے مخاطب ہوا۔

"کہئے جناب پرچے کیسے گزرے —"

اس کی مسکراہٹ مقتدر کے لئے مبہم، معنی خیز اور لہجہ بھی پر اسرار تھا — بھلا اوصاف اور ایسی کرم گسترانہ پرسش — وہ چوکنا ہو گیا اگر وہ بدھو، ناسمجھ اور ناتجربہ کار تھا تو اس کے اپنے گھر والوں کے لئے برابر والوں کے لئے وہ بڑی حد تک ذہین ہوشیار اور تجربہ کار تھا۔

اوصاف کی پرسش پر وہ مسکرایا بھی نہیں —

"شکریہ! اس نے ہمیشہ کے سے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔ جس سے اوصاف کو غصہ آتا تھا — "میں اپنے پرچوں کے متعلق کبھی متفکر اور پریشان نہیں رہا —"

"استادوں کی جوتیاں تو سیدھی کرتے ہی ہو — پریشانی کس بات کی —" اوصاف نے کہنا چاہا — مگر اس وقت، خون کے سے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اتنے میں چپراسی آئسکریم لے آیا۔ اوصاف نے مسکرا کر کپ اٹھایا اور اس طرح شان و عظمت سے مقتدر کی طرف بڑھایا جیسے وہ کوئی شہنشاہ ہو اور کسی گدا کو خلعت شاہانہ بخش رہا ہو —

"معاف کیجئے گا مسٹر اوصاف میں کچھ جلدی میں ہوں۔ دیکھئے آپ کے ساتھی آ گئے — مجھے اجازت دیجئے —" مقتدر نے اس کی یہ پیشکش بھی رد کر دی اور ایک گہری نظر جو رازدار بھی تھی اوصاف پر ڈال کر چلا گیا — اس نے اس زور سے جبڑے بھینچے کہ گلے کی رگیں تن گئیں اور کپ اونچ سے نیچے لان پہ پھینک دیا۔

"شکار دانہ و دام میں نہیں آیا؟" ہاشم کی گستاخانہ مسکراہٹ اوصاف کو زہر لگی۔

"مقابلہ اوصاف سے ہے —" صدیقی نے چاپلوسی کی۔ "مقتدر میاں کے سر پہ آسمان اور پیروں تلے زمین نہیں رہے گی —"

"یقیناً ایسا ہی ہوگا —" نقوی کا اشارہ پا کر ہاشم نے جھٹ سے سنجیدہ ہو کر کہا — "آخر وہ سرپھرا لونڈا سمجھتا کیا ہے —"

"تمہاری اسکیم چوپٹ تھی یونس —" اوصاف زہریلے سانپ کی طرح پھنکار کر بولا —

"معلوم ایسا ہوتا ہے جیسے وہ مجھے منھ لگانے کے قابل نہیں سمجھتا بات تک کرنی پسند نہ کی — خیر میرا نام بھی اوصاف ہے — میں دیکھوں گا —"

"گاڑی آگئی ہے صاحب ——" اوصاف پر طیش و حسد کا بھوت ایسا سوار تھا کہ اس نے اپنے ساتھیوں سے رخصتی کے رسمی کلمات بھی نہ کہے۔ پلٹا اور ٹرے میں کوئی نوٹ پھینکتا ہوا بھاری بھاری قدم رکھتا چلا گیا ——

"مارا جائے گا ——" بے ساختہ ہاشم کے منھ سے نکلا۔

"یار مزے کرنا ہوں تو اس کی ہاں میں ہاں ملایا کرو۔ سمجھے ——" صدیقی نے قہقہہ لگایا —— "تم بھی نرے گیدی ہو —— بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لو تھوڑی سی بٹرنگ butter ing میں اپنا کیا جاتا ہے —— ساتھ ہنسے بولے، کھایا پیا، ہاں میں ہاں ملائی اور اپنا الو سیدھا کیا —— ہم کو کیا —— وہ کسی سے الجھے، کسی سے لڑے جھگڑے ——"

"لعنت ہے تم پر ——" ہاشم بولا —— "اس کی طرف سے خیالات ایسے رکھتے ہو اور اسی منھ سے اسے دوست بھی کہتے ہو —! اور جو میں کہہ دوں کہ آپ کے سب سے بڑے دوست آپ کی ایسی تعریف کرتے ہیں۔ تب؟"

"شوق سے —" صدیقی ہنس پڑا —— "میں اسے پٹی پڑھاؤں گا کہ ہاشم درپردہ تمہاری مخالفت کرتا ہے۔ بظاہر دوست بنا بیٹھا ہے —— میرا تو کچھ نہیں بگڑے گا مگر تمہارا حشر اسی احمق کا سا ہوگا جس نے وہی شاخ تراش دی تھی جس پر بیٹھا تھا ——"

"بڑے زہریلے ہو یار —— تم سے خدا پناہ میں رکھے —— اچھی بات ہے۔ ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں ——" ہاشم نے ہنس کر کہا —— "مجھے کسی سے بگاڑ کر کیا لینا دینا ہے ——"

مقتدر جب گھر پہنچا تو گرمی کی شدت سے بے حال ہو رہا تھا۔ طرح طرح کی فکریں اسے پریشان بھی کر رہی تھیں۔ کتابیں دالان کے تخت پر پھینک

اور جوتے اتارے بغیر ایزی چیئر پر گر کر آنکھیں بند کر لیں۔

آمنہ بیگم سب کچھ دیکھ رہی تھیں مگر وہ کچھ نہیں بولیں۔ اس کے لئے غسل خانہ میں پانی تیار کیا اور کھانا لانے چلی گئیں ۔۔۔

ہمسائی کی چھوٹی سی بچی آمنہ بیگم کا ہاتھ بٹانے آجاتی تھی ۔۔ وہ ان کا اشارہ پاکر جلدی سے لوٹے میں پانی لائی اور ننھی سی آواز میں بولی ۔۔۔

"علی بھیا ۔۔ منہ ہاتھ دھو لیجئے اماں کھانا لا رہی ہیں ۔۔۔"

وہ تھکا تھکا سا اٹھ کھڑا ہوا اپنے کمرے میں جاکر کپڑے بدلے اور منہ ہاتھ دھو کر بیدلی سے تخت پر آبیٹھا ۔۔ بچی کھانا لے آئی اور آمنہ بیگم بھی پاس آبیٹھیں ۔۔۔ بچی کو انھوں نے برف لانے دوڑا دیا ۔۔۔ مقتدر کو بے حد گم صم دیکھ کر وہ زیادہ دیر چپ نہ رہ سکیں ۔۔

"بیٹا امتحان کچھ مشکل تو نہیں ہے تمھارا ۔۔ اتنے فکر مند کیوں ہو ۔۔؟"

"جی نہیں ۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں ۔۔" اس نے کہا۔ "امتحان کو میں نے کبھی مشکل نہیں سمجھا ۔۔۔"

"تو پھر کیا بات ہے ۔۔ مجھ سے بھی نہیں کہو گے ۔۔۔ تمھارا چہرہ پریشان کیوں ہے ۔۔۔؟"

"کوئی بات پریشانی کی نہیں ہے امی۔ کیا وجہ بتاؤں ۔۔ شاید گرمی زیادہ لگ رہی ہے ۔۔۔"

"میں نہیں مانتی ۔ علی" وہ بولیں "کوئی بات ہے اور ضرور ہے جب تک تم مجھ سے نہیں کہو گے میں بھی بے چین رہوں گی ۔۔"

کیسے کہہ دوں امی کہ دل میں کیسے کیسے جوار بھاٹے مچل رہے ہیں ۔ وہ شکل وہ شام وہ تھرکا آنسوؤں بھر نظروں سے اوجھل نہیں ہوتی جو لوح دل پر مرتسم

ہو چکی ہے ــــ وہ یادیں جو ہستی کو نیستی کر دینے پر تلی ہوئی ہیں۔ وہ احساسات و جذبات ــــ گم صم ــــ بے آواز ــ جن کی خود بھی خبر نہیں ــــ کیسے ہیں کیسے نہیں ــــ"

وہ خاموش نوالے اٹھاتا رہا۔

"زبیدہ کے یہاں اگر نہ جانا چاہو تو کوئی مجبوری نہیں ہے ــــ" آمنہ بیگم نے پھر وہی کہانی شروع کر دی جس سے وہ الجھتا تھا ــــ" یہ تو ان کی محبت ہے کسی حال میں وہ ہم کو نہیں بھولتیں ــــ آپا کو تو شکایت رہتی تھی کہ زبیدہ نے سسرال سے کبھی ان کے نام خط نہیں لکھا اگر تم کو بار بار لکھتی رہتی ہیں کیا کوئی سگی بہن اپنے بھائی کو چاہے گی ــــ جتنا زبیدہ نے تم کو چاہا ہے۔ بیٹا محبت کا جواب محبت ہے ــــ نہ ان سے ہمارا خون کا رشتہ ہے نہ کوئی احسان ہمارا ان پر ہے ــــ مگر کیسی انسانیت ان سب میں ہے کہ اس بلندی و عظمت کے آگے میرا سر جھک جاتا ہے ــــ"

"کیا ان کی محبت کا جواب میں نے محبت سے نہیں دیا۔ امی ــ" علی نے پوچھا ــــ

"اب یہ تو اگلا وقت ہی بتائے گا ــ" آمنہ بیگم نے کہا ــــ "زبانی محبت اور ہے عملی اور۔ کسی کے لئے تم زبان سے پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھا سکتے ہو مگر عملاً یہ ناممکن ہے۔ محبت کا جواب تو یہی ہے کہ جو تم سے کہا جائے وہ بے چون و چرا کر دو ــــ"

"بہت اچھا ــ" اس نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا ــ" اگر باجی بھائی جان یا یونس بھائی نے حکم دیا کہ کنویں کھائی میں پھاند پڑو یا جلتی آگ میں چھلانگ لگا دو تو خدا کی قسم انکار نہیں کرونگا ــــ"

آمنہ بیگم حیرت اور خوف سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ آج تک اس نے ایسی باتیں نہیں کی تھیں — علی انھیں یکسر بدلا ہوا نظر آیا۔ وہ سوچتی رہ گئیں! بچی برف لے آئی تھی۔ ٹھنڈا پانی گلاسوں میں بھر ار کھا تھا۔ مگر کھانا ختم کر کے اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کئے اور پانی کی طرف دیکھے بغیر بھی دستر خوان سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

آمنہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے — یہ بے رخی سرد مہری اور سنگدلی علی کی فطرت تو نہیں تھی۔ پھر اب اسے کیا ہوا ہے؟ وہ پنکھا ہاتھ میں لئے بیٹھی سوچتی ہی رہ گئیں —

گرمیاں شدت سے پڑنے لگی تھیں — موگرا اپنی بہار دکھا رہا تھا صبح دس بجے مالی نے تمام گملوں کو سیراب کر دیا اور چلتے چلتے پائپ کی موٹی دھار برآمدے کی طرف گھما دی۔ تپھر پر چھڑکاؤ ہو گیا مٹی کی مہک نے پھولوں کی خوشبو میں گھل مل کر ایک عجیب سا تاثر پیدا کر دیا۔

کوٹھی پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سیٹھ درانی صاحب کی کلکتہ سے آمد آمد کی خبر گرم تھی — ملازمین بڑی مستعدی دکھا رہے تھے! ردمانہ کچھ سہمی ہوئی سی تھی — اس کی شوخیاں مدھم تھیں۔ ناشتہ کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور پنکھا کھول کر آرام کرسی پر لیٹ گئی اس کے امتحانات ختم ہو چکے تھے اور چھٹیاں ہو گئی تھیں، اسے بڑا رنج تھا کہ اس کے تمام پرچے خراب گئے تھے۔ فیل ہونے کا اندیشہ

اسے ابھی سے تھا اور باپ کی سرزنش کا خیال لرزہ براندام کئے دیتا تھا! کیا کہیں گے سیٹھ صاحب ایک ٹیوٹر رکھنے کے باوجود وہ ناکام رہی! وہ کرسی پر پڑی سوچتی رہی!۔

مینا کے کالج میں تعطیلات شروع ہو چکی تھیں!۔ ہمیشہ اس نے یہ زمانہ کسی پہاڑ پر کسی سہیلی کے ساتھ گزارا تھا! مگر اب کہیں آنے جانے کے خیال سے اسے وحشت ہو رہی تھی! وہ دل سے آرزومند تھی کہ سیٹھ صاحب پوری تعطیلات گھر نہ آئیں۔ اور اگر آئیں تو بھی کہیں جانے آنے کا ارادہ نہ کریں۔ ان دنوں اس کے نانا کی طبیعت بھی خراب تھی اور خود وہ بھی خود ساختہ بیماری میں شدت سے مبتلا تھی!

پچھلی شام کو اچانک سیٹھ صاحب کا ٹیلیگرام آیا تھا —— اور وہ آنے والے تھے۔ ایک اضطراب نے مینا کی زندگی کی نئی نئی تمام رعنائیاں چھین لیں——

وہ ڈائننگ ہال پر آخری اور تنقیدی نظر ڈال کر باہر نکلی اور برآمدے میں بچھی ہوئی کوچ پر ٹک گئی! اس کی نظروں کے سامنے بڑا وسیع وعریض اور شاندار باغ تھا۔ فوارے بلوریں موتی اچھال رہے تھے۔ درختوں میں سرکش ہوائیں سرسرا رہی تھیں۔ موسم تند مگر خوشگوار تھا۔ مینا کی متمنی نگاہیں گیٹ کے باہر پھیلی ہوئی سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔ انسانوں کا سیلاب جس پر سے بہہ رہا تھا مگر جس کے نظارے کی وہ خواہشمند تھی وہ نظر نہیں آیا——

زرد مزلن کے سادے لباس میں وہ خود بھی جوہی کی پژمردہ کلی لگ رہی تھی: آنکھوں میں ویرانی بسی ہوئی تھی —— لب پژمردہ اور قیافہ سے ناقابل فہم اداسی عیاں —— اس نے ایک چھوٹی سی بے اطمینانی کی سانس لی اور جھک کر ڈیلیا کی کلی توڑ لی —— پھر بے خیالی میں اس کی پتیاں الگ الگ کر کے

پھیکنے لگی۔

شاید ڈیڈی گھنٹہ بھر بعد آجائیں ـــــ اس نے اپنی کلائی پر نظر دوڑائی اور بے چین ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اسی وقت ملازمہ نے ڈاکٹر کی آمد کی خبر سنائی ـــــ

"تم ڈرائیور سے کہو اسٹیشن جائے گاڑی لے کر ـــــ" اس نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب کو نانا میاں کے کمرے میں لے چلو۔ میں آرہی ہوں ـــــ"

ملازمہ سر جھکا کر چلی گئی ـــــ پھر اس نے برآمدے سے دیکھا کہ شوفر نے بڑی گاڑی نکالی اور اسٹارٹ کر کے اسٹیشن کی راہ لی ـــــ ہر طرح اپنا اطمینان کر کے وہ آوٹ ہاؤز چلی گئی ـــــ

ڈاکٹر صاحب بیمار کا معائنہ کر رہے تھے! مینا کو دیکھ کر بڑے ادب سے سروقد کھڑے ہو گئے ان کی اس مؤدبانہ حرکت نے مینا میں خود اعتمادی اور بھرم پیدا کر دیا ـــــ اسے خیال آیا کہ مس دُرانی ہونے کی وجہ سے وہ بڑی قابل احترام اور معزز ہستی ہے ـــــ! وہ بے حد سنجیدہ ہو گئی ڈاکٹر نے معائنہ ختم کرنے کے بعد انگریزی میں کہا ـــــ

"علاج کچھ کارگر نہیں۔ محترمہ! ویسے میں اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں۔ شاید دوائیں اچھی طرح استعمال نہیں کرائی جاتیں ـــــ"

وہ خاموش کھڑی اپنے نانا کو دیکھتی رہی۔ جو بستر پر چپ چاپ پڑے تھے ـــــ

"اگر آپ فرمائیے تو میں انجکشنوں کے ذریعہ ـــــ!"

"آپ جو مناسب سمجھئے ـــــ!" مینا نے کہا۔ "میرا بھی یہی خیال ہے یہ باقاعدہ دوائیں استعمال نہیں کرتے ـــــ"

ڈاکٹر نے ایک بیزار نظر مریض پر ڈالی اور یوں انجکشن دیا جیسے وہ یہ

سب کچھ محض تضیع اوقات سمجھتا ہو —

"یہ اچھے تو ہو جائیں گے؟" مینا نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ کوشش تو ہر معالج یہی کرتا ہے کہ اس کا بیمار اچھا ہو جائے" ڈاکٹر نے اب بھی سر نہیں اٹھایا۔ بیگ میں سرنج وغیرہ رکھتے ہوئے جواب دیا "لیکن محترمہ! ڈاکٹر بھی انسان ہوتا ہے۔ جو موت پر قابو نہیں پا سکتا! — میں کل پھر آؤں گا —" اس نے سر خم کر کے اسے سلام کیا اور کمرے سے نکل گیا —

"نانا میاں —؟" مینا نے چپکے سے انھیں آواز دی۔

"بیٹی —" وہ ہانپتے ہوئے بولے — "اپنا وقت اور سرمایہ مجھ پر برباد نہ کرو — میں پھر کہتا ہوں کہ مجھے ہسپتال بھجوا دو — آج تمھارے والد آجائیں گے ہو سکتا ہے کہ تمھاری الجھنوں میں اضافہ ہو جائے اگر زندگی ہوئی تو میں پھر ملوں گا تم سے..... میری بچّی — یہ میری التجا ہے خدا کے واسطے مان جاؤ —"

"نانا میاں۔ خدا کا واسطہ مجھے مت دیجیے —" وہ روہانسی ہو گئی مجھے بڑا قلق ہوتا ہے جب میں سوچتی ہوں کہ ڈیڈی آپ سے وہ سلوک نہیں کرتے جس کے آپ مستحق ہیں —"

وہ عجیب انداز میں ہنسے — "میں یہ چاہتا بھی نہیں — بیٹی بس تم میری درخواست پوری کر دو — میں جیوں گا بیٹی بہت جیوں گا — کیونکہ مجھے اپنا عذاب دنیا ہی میں بھگتنا ہے — تم ہراساں اور پریشان نہ رہو — بس وہی کرو جو میں کہتا ہوں —"

"نانا میاں — مگر —!"

"نہیں بیٹی ـــ نہیں ـــ وہ مضطرب ہو کر اٹھنے لگے ـــ اور بڑی خوشامد سے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے ـــ مبینا نے ان کے مرتعش ہاتھوں پر سر جھکا دیا اور بے آواز رونے لگی! انھوں نے بھی کوشش کی کہ خوب دل کی بھڑاس نکالیں مگر ایک آنسو ان کی خشک آنکھوں کو تر نہ کر سکا بہر کیف وہ دن عجیب تھا کہ بڑے میاں درخواست اور التجا کر کے ہسپتال چلے گئے ـــ مبینا نے جلدی جلدی ان کا ٹرنک درست کر دیا اور اتنی رقم ان کے ساتھ کر دی جو ہسپتال میں ان کے کام آ سکتی ـــ وہ بڑے خوش اور مطمئن نظر آ رہے تھے ـــ انھوں نے بڑے پیار سے مبینا کے سر پر ہاتھ پھیرا ـ اسے بے شمار دعائیں دیں ـ پھر اس سے رخصت ہونے لگے ـــ

"بیٹی ـــ اگر ہسپتال کے کسی سربراہ کو ٹیلی فون پر اطلاع کر دیتیں تو اچھا ہوتا ـــ داخلے میں سہولت ہوتی!" انھوں نے کہا ـ مبینا نے ایسا ہی کیا ـ اس طرح انھیں اسپتال کی شرکت میں بڑی آسانی ہوئی مبینا دیر تک گیٹ پر کھڑی رہی اور دیکھتی رہی کہ کیسے ایک مجبور اور بے بس بیمار آدمی اس طرح گھر سے نکلا تھا ـــ جو غیر نہیں عزیز ترین انسان تھا ـــ

"آپ کو بے بی یاد کر رہی ہیں ـــ" سوسن نے کہا ـــ وہ ایک طویل سانس لے کر مڑی اور بوجھل قدم اٹھاتی اندر مڑ گئی ـــ

"باجی ـــ کیا نانا میاں کو آپ نے شفاخانے بھجوا دیا ہے ـــ؟"

روما نہ پورچ میں کھڑی مل گئی ـــ "کوکب کہہ رہی تھی کہ وہ چلے گئے"

"ہاں بے بی ـــ" مبینا نے کہا ـــ "ان کا چلے جانا ہی ٹھیک ہوا

ڈیڈی آتے ہوں گے ــــ میں یہ گوارہ نہیں کر سکتی کہ انھیں کوئی کچھ کہہ دے کیا وہ میرے نانا۔ میری ممی کے باپ نہیں ہیں ــــ؟ اللہ نے چاہا تو وہ وہیں رہ کر ٹھیک ہو جائیں گے۔ یہاں تو علاج معالجہ بھی ڈھنگ سے نہیں ہو رہا تھا۔

روبانہ کی آنکھوں میں یک بیک آنسوؤں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا "باجی میرا دل کہہ رہا ہے کہ کوئی نہ کوئی ازغیبی مصیبت آنے والی ہے رات میں نے ایک بھیانک خواب بھی دیکھا ہے ــــ باجی ہم لوگ کتنے اکیلے ہیں" مینا اس کا دل رکھنے کو ہنسنے لگی ــــ "میں کہتی ہوں۔ روبی تم کتنی قنوطی ہو کر رہ گئی ہو۔ دن بھر معلوم نہیں کیا کچھ سوچتی رہتی ہو۔ رات کو وہی خواب میں نظر آتا ہے ــــ یہ تمھارے کھانے کھیلنے کے دن ہیں۔ ہمیشہ ہشاش بشاش اور خوش و خرم رہا کرو ــــ"

رہا نہیں جاتا باجی ــــ اتنا دل دکھتا ہے کہ میں اسے بیان بھی نہیں کر سکتی۔ مجھے کہنا بھی نہیں آتا۔ باجی۔ بعضے انسان کیسے عجیب ہوتے ہیں جب تک ساتھ رہتے ہیں۔ اپنائیت جتاتے ہیں خلوص و محبت کا اظہار کرتے ہیں ہنستے ہیں ہنساتے ہیں اور یوں دکھائی دیتے ہیں جیسے کبھی کی کوئی جان پہچان ہی نہ ہو ــــ باجی۔ اپنے غیر کیونکر بن جاتے ہیں ــــ" یہ کہکر وہ رونے لگی ــــ "میں نے ماسٹر صاحب کو سچے دل سے اپنا بھائی کہا تھا۔ باجی... اللہ کی قسم ــــ وہ مجھے بہت اچھے لگتے تھے میں نے سوچا تھا کہ اب ہم اور وہ ہمیشہ ساتھ ساتھ رہیں گے لیکن وہ تو ایسے بیٹھ گئے کہ نہ اپنی خبر دی نہ ہماری خبر لی۔ کیا کچھ قصور ہم سے ہوا تھا باجی کہ ان کا دل دکھ گیا؟ مجھے تو ان کا گھر بھی نہیں معلوم۔ ورنہ میں جا کر ان

کی خیریت ہی معلوم کر آتی ۔۔۔ کبھی کبھی دل میں ہوک اٹھتی ہے کہ کہیں خدانخواستہ بیمار تو نہیں ہو گئے ۔۔۔؟"

مینا کے دل میں آنسوؤں کے سمندر پھیلنے لگے ۔ جو کچھ روبانہ کہہ رہی تھی وہی اس کے دل میں بھی تھا ! جسے وہ کہہ نہ سکی تھی ۔۔۔ اب بھی نہ کہہ سکی ۔ چپ بیٹھی رہی ۔ روبانہ سسک سسک کر روتی رہی ۔ "باجی کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے کہ ہم برباد ہو جائیں گے ۔۔۔ یہ عالیشان کوٹھی مٹی کا تودہ ایک دن ڈھ جائے گا ۔۔۔ آپ اور میں جدا ہو جائیں گے ڈیڈی نہ رہیں گے ۔۔۔ یہ دولت جس نے دلوں کو ملانے کے بجائے جدا کر دیا ہے نہ رہے گی ۔۔۔ پھر کیا ہو گا باجی ؟ ۔۔۔"

مینا کے آنسو رخساروں پر ڈھلک آئے ۔۔۔ " رومی ۔۔۔ ایسی ہولناک باتیں نہ کرو ۔۔۔ میرا دل بھی بیٹھا جا رہا ہے ۔ رومی ۔ تم سے میں نے کہا تھا کہ ابھی بڑی نہ بنو پھر تم بڑوں کی سی باتیں کیوں کرنے لگیں آنسو پونچھ لو ۔۔۔ روبانہ ۔ ہنس دو ۔۔۔!"

مگر آج روبانہ عجیب عالم میں تھی ۔۔۔ نہ اس نے آنسو پونچھے نہ اسے ہنسی آئی وہ روتی رہی اور گریہ کناں بولی ۔۔۔ " میرا اپنا آپ کا اپنا کوئی نہیں ہے باجی ۔ کوئی نہیں ۔۔۔ میں نے اور دل پر پھر دھر گیا اور اپنا دل دکھایا ۔۔۔ آپ نے بھی تو انھیں بالکل اپنا سمجھا تھا ! کون سی بات ان کی آپ سے اور آپ کی بات ان سے پوشیدہ ہے ۔۔۔ ! آپ روز انھیں کالج سے لاتی تھیں اور لے جاتی تھیں ۔۔۔ اور ۔۔۔ !

" کوئی بات ضرور ہوئی ہے روبانہ ۔۔۔ " مینا نے اس کی بات

کاٹ دی ——" وہ خوامخواہ بھول جانے والوں میں سے نہیں —— سچ
پچ تم چاہتی ہو کہ ان کے گھر جاؤ اور ان کی خیریت معلوم کرو ——"

"میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے! جی؟"

"ردمی —— مجھے ان کا گھر معلوم ہے" بینا نے اِدھر اُدھر دیکھ کر مدھم
لہجے میں کہا —— "کئی بار گئی ہوں ان کی امی سے ملنے کی نوبت نہیں آئی
گو کہ وہ اصرار کرتے رہے ——"

"اللہ میری باجی —— تو پھر چلیے نا؟" ردمانہ مضطرب ہو کر کھڑی
ہو گئی —— بینا ہولے سے مسکرائی "تم جاؤ ردمی —— افضل کو راستہ
معلوم ہے وہ پہنچا دے گا —— میں اپنا جانا مناسب نہیں سمجھتی! میں
تو ان کی شاگرد نہیں تھی نا ——"

"یہ ناممکن ہے —— آپ بھی چلیں گی ——" ردمانہ نے فیصلہ کن لہجے میں
کہا اور لباس تبدیل کرنے جا رہی تھی کہ ایک دم سے بھگدڑ سی مچ گئی
ستارہ نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان خبر سنائی ——

"سرکار آ رہے ہیں ——"

ردمانہ دل تھام کر اندر بھاگی —— بینا کا چہرہ فق ہو گیا اس نے
آگے بڑھ کر جھانکا —— سیٹھ صاحب کار سے اتر کر زینوں کی طرف
بڑھ رہے تھے ——

"گاڑی ہر وقت آرڈر میں رہے ——" انھوں نے ایکبارگی
مڑ کر غراتے ہوئے کہا —— "میں پھر جاؤں گا ——"

"جی بہت بہتر حضور ——" افضل نے جلدی سے سر
جھکا دیا ——

وہ اپنے بھاری قدموں سے گرج دھمک پیدا کرتے اوپر تشریف لائے دالان میں ستون کے سہارے کھڑی مینا ملی ——— لرزاں، ترساں۔ نگاہیں فرش پر تھیں۔ آنچل سر پر۔ لب کانپ رہے تھے! مرتعش آواز میں اس نے کہا ———

"تسلیم ——— ڈیڈی ———!"

اپنی بے حد بھاری آواز میں نامکمل جواب دے کر انھوں نے پوچھا "کون کون آیا تھا میرے بعد۔ یہاں تم سے ملنے؟"

مینا کے آگ سی لگ گئی اتنا شک کرتے ہیں اپنی لڑکیوں پر۔ مگر اس نے حسب معمول نرم و مدھم لہجے میں جواب دیا۔

"کوئی نہیں آیا ڈیڈی ——— جب سے آپ نے منع کیا ہے میری سہیلیاں بھی نہیں آتیں ———"

"اور وہ فقیر بچہ ——— جسے سلیمان نے رکھوایا تھا۔ اس کا تو غالباً کام ختم ہو گیا ہوگا ———" وہ آرام کرسی پر بیٹھ کر سگار سلگانے لگے اور ملازم لڑکے کو جوتے اتارنے کا حکم دیا ——— دوسرے کو آرڈر ملا کہ وہ جلد تر غسل خانہ تیار کرے۔

اگر سلیمان کا حوالہ نہ ہوتا تو مینا کے سمجھنے میں دیر لگتی کہ ان کا مطلب مقتدر سے تھا ——— ! ایکبارگی مینا کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور تکلیف دہ انداز میں دل دھڑکنے لگا! کیا جواب دیتی؟ وہ ابھی چپ تھی ——— دو مانہ اندر سے نکل آئی اور اس کے سلام کلام میں ہنگامی طور پر اس کا جواب ٹل گیا۔ سیٹھ صاحب کو اطلاع ملی ——— حمام تیار تھا وہ اٹھ کر غسل کے لئے تشریف لے گئے ———

مینا نے دھک دھک کرتا دل تھام لیا اور پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ اگر کسی نے ان تک یہ خبر پہنچادی کہ مقتدر ہفتہ بھر پہلے تک باقاعدہ آتا جاتا رہا ہے۔ مینا اسے یونیورسٹی سے پک کرتی ہے اور گھر تک پہنچاتی ہے۔

پھر بزم ادب والی رات اس کے ذہن میں جاگ اٹھی ...

رات کے آٹھ نو بجے اس نے جلسہ کے اختتام پر مقتدر کو اپنی گاڑی میں اس کے گھر تک پہنچایا تھا ــــ اس نے وہاں مقتدر کے مخالفین کی شکلیں بھی دیکھی تھیں ــــ اس نے مینا کو اپنی ناکامی کی کہانی بھی سنائی تھی اور سب کچھ کہدیا تھا کہ کس طرح اوصاف، صدیقی، یونس اور منظر وغیرہ اس سے جلتے حسد کرتے اور ہر وقت میدان میں اسے نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں! اس عرصہ میں وہ دونوں ایک دوسرے کے کتنے قریب آگئے تھے نہ مینا کو احساس تھا کہ وہ غیر معمولی طور پر متمول تھی اور نہ مقتدر کو اندازہ تھا کہ وہ اس سے ہر حیثیت سے کم ہے ــ انھوں نے اس میں کوئی عہد و پیمان اور الٹا سیدھا وعدہ نہیں کیا تھا ــ لیکن غیر شعوری طور پر انھیں یقین تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ہیں ــ

پھر اب ــــ؟ .... وہ سوچ رہی تھی۔ سیٹھ صاحب کو کیا جواب دیگی اس نے دعا مانگی کہ خدا کرے وہ پھر جلد ہی کہیں چلے جائیں اور عرصہ دراز تک گھر واپس نہ آئیں ــــ

روانہ نے بڑی پھرتی سے ان کا ناشتہ طعام خانے میں لگا دیا اور خود دروازے پر جم گئی ــــ سیٹھ صاحب نہا دھو کر آئے اور کسی سے کوئی بات چیت کئے بغیر ڈرائننگ روم میں چلے گئے ــ مینا اپنے کمرے میں سرک آئی جلدی جلدی وضو کیا اور جانماز بچھا کر دعا مانگنے بیٹھ گئی۔

رومانہ بڑی توجہ اور دلچسپی سے اپنے والد محترم کو کھاتے دیکھ رہی تھی۔ کس طرح ان کا غار کے دہانے کا سا منہ کھلتا تھا اور کتنا بڑا لقمہ وہ منہ میں رکھ کر دیکھتے ہی دیکھتے حلق سے اتار جاتے تھے — پوری ڈش چکن روسٹ کی صاف تھی دو پلیٹیں میکرونی۔ بھری طشتری نمکین بادام اور نجانے کیا الم غلم اس ہولناک غار کے ذریعے معدے کے پاتال میں پہنچ رہا تھا۔

دفعتہً انھوں نے اپنی سرخ سرخ خونخوار آنکھیں اٹھائیں۔ رومانہ گڑبڑا گئی۔

"سہ پہر کو کچھ لوگ چائے پر آنے والے ہیں" انھوں نے گونجیلی آواز میں کہا — "ناشتہ معقول ہونا چاہیئے ..... بینا سے کہدو خیال رکھے مگر بینا ہے کہاں —؟" اچانک وہ دہاڑے۔

"صاحبزادی نماز پڑھ رہی ہیں —" ستارہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"نماز؟" انھوں نے بے تحاشا حیرت سے دوہرایا اور کف سرکا کر گھڑی دیکھی — "دن کے ساڑھے گیارہ بجے کون سی نماز پڑھی جارہی ہے؟"

"جی — معلوم نہیں ڈیڈی —" رومانہ خوشامد سے مسکرائی "شاید فجر کی قضا ادا کر رہی ہیں —"

اس پر انھوں نے برا سا منھ بنا کر کہا — "لاحول ولا قوۃ" اور اٹھ کر باہر چلے گئے! رومانہ اداس و مضمحل سی بینا کے کمرے میں پہنچی — اور اسے ساری تفصیل سنا کر رولی۔

"میری تو دل کی دل ہی میں رہ گئی — اب بھلا کوئی کھا ل جا سکتا ہے —"

"صبر کرو — کل سہی" بینا نے تسلی دی — "آج تو ان کے

دوستوں کے لئے دعوت کا انتظام کرنا ہے ۔۔۔"

رومانہ کے معصوم چہرے پر دل کی اداسی منجمد تھی! وہ منھ لپیٹ کر بستر پر لیٹ گئی مینا کمرے سے نکلی اور کچن میں چلی گئی بڑی دیر تک خدا سے دعا مانگنے کے بعد اس کے دل کو ایک عجیب سی تقویت اور طمانیت حاصل ہوئی تھی اسے یقین تھا ۔ کوئی بری اور ناخوشگوار بات پیش نہیں آئے گی ۔۔۔

افضل نے کار پورٹیکو میں کھڑی کردی تھی ۔۔۔ اور نجانے کب سے بھوکا پیاسا اس کے مڈگارڈ سے لگا کھڑا تھا ۔ خوفزدہ اور سہما ہوا سا ۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں ۔۔۔ ہر آہٹ پر گردن موڑ کر دیکھنے لگتا! مگر اسے خبر نہیں تھی کہ اسے اپنا منتظر چھوڑ کر سیٹھ صاحب اپنے ائرکنڈیشنڈ کمرے میں نرم بستر پر لیٹے آرام سے خرّاٹے لے رہے تھے ۔۔۔

خدا خدا کرکے دوپہر ڈھلی اور سہ پہر کے سرمئی سائے پھیلنے لگے ۔۔۔ آفتاب اپنی تمام قہر سامانی سمیٹے مغرب کے عزلت کدہ کی طرف کھسک رہا تھا! ملازموں نے لان پر چھڑکاؤ کردیا ۔ اور مینا نے پائیں باغ میں سیٹھ صاحب کے دوستوں کی دعوت کا انتظام کیا ۔۔ موسم بڑا خوشگوار تھا اور شام بڑی دلکش تھی ۔

سیٹھ صاحب نے چائے پی اور باغ میں جاکر بیٹھ گئے نہ انھوں نے مینا کے حسن کارکردگی کی تعریف کی نہ ہی کوئی ستائشی کلمہ ان کی زبان سے اس کی کارگزاری اور مستعدی کا نکلا ۔۔ بالکل چٹان تھے ۔۔۔

پھر ان کے دوست آئے ۔ ان ہی کے سے ڈیل ڈول والے چار پانچ مغرور وخود پرست سرمایہ دار ۔ مینا سخت بیزار اور اکتائی ہوئی تھی اس نے برآمدے والی چلمن گرادی ۔۔۔ اور صحن میں نکل آئی ۔ رومانہ اب بھی کمرے سے باہر نہیں آئی ۔۔۔ مینا نے اس کے لئے چائے بنائی اور خود ہی لے کر گئی ۔

رومانہ اپنی مسہری پر بے ترتیب لیٹی ہوئی تھی — کمرے کی فضا میں ایک خوش گلو مغنیہ کا پرسوز نغمہ بکھرا ہوا تھا۔ ~

کس سے کہیں حال دل کون ہو پرسان حال
ہونٹ پہ تڑپیں پیام آنکھ میں مچلیں سلام

مبینا نے ریڈیو بند کر دیا اور چپکے سے رومانہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے آواز دی — وہ جوں کی توں پڑی رہی تب اس نے اس کے پہلو میں بیٹھ کر اسے اپنی طرف پھیرا۔ رومانہ کا چہرہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا آنکھیں متورم اور سرخ ہو رہی تھیں —

"اتنی پریشان کیوں ہو رومی آخر کیا بات ہے —" مبینا یکبارگی اداس ہو گئی — یہ کہتے ہی کہتے اس کی نظر ایک ملگجی سی کاپی پر پڑی جسے رومانہ اپنے سینے سے لگائے پڑی تھی۔ کاغذ پر جو کچھ لکھا ہوا تھا وہ آنسوؤں سے دھل گیا تھا۔ پھر بھی مبینا نے مقتدر کی دلکش تحریر صاف پہچان لی — ایک دھکا سا اس کے دل پر لگا۔ یہ بیوقوف ناسمجھ لڑکی اس ہستی کو یاد کر رہی تھی جو اس سے بڑی دور تھی — مبینا نے کاپی اٹھا کر میز پر ڈال دی اور پیار سے رومانہ کے بالوں میں اپنی انگلیاں الجھائیں —

"رومی — ان کے بہت سے دشمن ہیں —" اس نے دوسرے رخ سے اسے سمجھایا — "تم نے تو سنا تھا وہ کیسے مجبور انداز میں اپنے ان مخالفوں کا تذکرہ کر رہے تھے جو یونیورسٹی میں طرح طرح سے انھیں پریشان کرتے رہتے ہیں! کیا تم بھی ان کی دشمن بن جاؤ گی — تمھارا یہ انداز ڈیڈی سے چھپا نہ رہے گا — تم بے شک مقتدر صاحب کو اپنا بھائی سمجھتی ہو مگر ڈیڈی کو سمجھانے میں دیر لگے گی — کیسے وہ ایک غیر آدمی کو یہاں

برداشت کریں گے جس کے لئے ان کی بیٹی آنسو بہاتی پھرے — پھر تو یہ انجام ہوگا کہ اگر وہ یہاں آنا بھی چاہیں گے تو نہیں آسکیں گے! صبر کرو رومانہ۔ آج نہ سہی۔ کل سہی — ہم کسی نہ کسی بہانے سے ان کے یہاں چلیں گے اور پوچھیں گے کہ بے وجہ انھوں نے یہاں آنا کیوں چھوڑ دیا —؟"

رومانہ نے بڑے غور سے سب کچھ سنا اور ایک آہ بھر کر اپنے آنسو پونچھ لئے۔ پھر گلوگرفتہ آواز میں بولی —

"آپ ٹھیک کہتی ہیں باجی — میں ان کی دشمن نہیں بنوں گی — پھر کب چلیں گی ان کے پاس —؟"

"کوئی بہانہ کرنا پڑے گا روی —" مینا نے بڑے دبے لہجے میں کہا "یہاں سے افضل کو لے کر چلیں گے۔ فلم کا بہانہ کرکے۔ کسی تھیٹر میں اتر بھی جائیں گے اور پھر وہاں سے ٹیکسی پر ان کے گھر —!"

"اس طرح افضل کو بھی پتہ نہ چلے گا —؟"

"یہی میرا منشا ہے —!" مینا مسکرانے لگی — "تم رو دھو کر بات خراب نہ کرنا۔ اگر ڈیڈی آج یا کل واپس نہ بھی گئے تو کیا — میں ان سے فلم دیکھنے کی اجازت لے لوں گی —"

رومانہ مطمئن ہوگئی — مینا نے اپنے ہاتھ سے اسے چائے بنا کر پلائی — اور منھ ہاتھ دھلا کر باہر لائی —

باغ میں تیز روشنی ہو رہی تھی — سیٹھ صاحب اور ان کے معزز دوست احباب اونچی آوازوں میں باتیں کر رہے تھے — رومانہ نے ایک پرفخر نگاہ ان پر ڈالی —

"سن رہی ہیں آپ" اس نے برا سا منھ بنا کر مینا سے کہا "ان میں

سے کوئی ساٹھ سال سے کم نہیں ہے۔ مگر عاقبت سنوارنے کی ایک بات بھی نہیں کر رہے ہیں۔ دس لاکھ کے شیئرز۔ پچاس ہزار کی کوٹھی۔ فلاں مل، فلاں ٹھیکہ خدا کی مار۔ ارے کیا قبر میں دولت کی چادر بچھا کر سوئیں گے۔

مینا بھی دیکھ رہی تھی ــــ ان سب کا محبوب اور پسندیدہ موضوع بس روپیہ تھا! ــــ سیٹھ صاحب بھی بڑھ بڑھ کے بول رہے تھے۔ اپنے باپ کی سرمایہ پرست ذہنیت کا اسے بہت افسوس ہوا ــــ کس کام کی وہ دولت جو ایک ہی ذات تک محدود رہے ــــ اپنے آرام پر خرچ ہو۔ اور لاکھوں حقدار ترس ترس کر رہ جائیں! پھر اس کے ذہن میں اپنی مجبور محتاج اور مفلس ماں ابھری نہ اسے دوا نصیب ہوئی نہ اس بے حد حساب دولت نے اسے کوئی آرام دیا۔ وہ اسی عالیشان کوٹھی میں تڑپ کر، ترس کر کلپ کر مر گئی۔ یک بیک سیٹھ صاحب سے اسے سخت نفرت اور کراہت محسوس ہوئی۔

رات کے لگ بھگ بارہ بجے سیٹھ صاحب اپنے احباب کو رخصت کر کے اندر آئے ــــ غیر معمولی طور پر خوش مزاج نظر آ رہے تھے ــــ مینا جو ابھی تک جاگ رہی تھی ان سے کھانے کے لئے پوچھا۔

"اشتہا نہیں ہے ــــ" انھوں نے کہا اور پھر اس کے چہرے کو گھورتے ہوئے بولے ــــ "آج جس مقصد کے لئے میرے دوست اکٹھا ہوئے تھے وہ تمھیں معلوم ہے؟"

"جی نہیں ــــ" مینا کے ذہن پر ابھی تک یادوں کا غبار منڈلا رہا تھا! وہ ان سے ہر وقت ایک نئی تکلیف اور دل شکنی کی منتظر رہتی تھی۔

"ضرورت بھی نہیں تھی ــــ" سیٹھ صاحب نے کہا ــــ "خیر اب کہہ رہا ہوں ــــ روحانہ کا نکاح میرے دوست کے لڑکے امیر احمد سے ہوگا ــــ

وہ اس کے ساتھ ٹیکسا س جائے گی۔"

"کیا؟ — کیا مطلب — ڈیڈی — رومانہ کا نکاح —؟" مینا کی سانس رک گئی —

"ہاں — قاعدے سے پہلی شادی تمھاری ہونی چاہیئے تھی مگر جو لڑکا مجھے پسند آیا ہے وہ عمر میں تم سے بڑا نہیں — میں ہفتہ عشرہ کے بعد اپنے بزنس کو وسعت دینے کی غرض سے غیر ممالک کے دورے پر نکل رہا ہوں چاہتا ہوں کہ اس عرصہ میں اپنے اس فرض سے بھی سبکدوش ہو جاؤں" انھوں نے بڑے اطمینان وفراغت سے کہا۔ جیسے اپنے نئے بزنس کا معاملہ طے کر رہے ہوں — "اس سلسلے میں کسی قسم کی این وآں کی گنجائش نہیں" انھوں نے جاتے جاتے نوٹوں کا ایک بنڈل میز پر پھینک دیا "جو ضرورت ہو لے آنا —! شب بخیر —"

وہ کب گئے — انھوں نے کیا کہا —؟ مینا گم صم کھڑی پھٹی پھٹی آنکھوں سے میز پر پڑے بنڈل کو گھورتی رہی — اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ دل بیٹھا جا رہا تھا!۔

"اس معاملہ میں چوں وچرا کی گنجائش نہیں — سیٹھ صاحب کی بھاری تحکمانہ آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی —

پھر وہ پلٹی اور بے تحاشہ اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

میری معصوم ممی —! وہ بلک بلک کر رو دی — مگر آنسوؤں نے کب کسی کی مشکل حل کی ہے — رومانہ اپنی تقدیر کی بے رحم گردش سے بے خبر پڑی سوتی رہی — مینا کی ذات پر گزرنے والے خوفناک طوفان کی اسے کوئی خبر ہی نہیں تھی —!

صبح کو وہی بڑی سرور اور خوش مینا کے کمرے میں پہنچی ۔ مینا کھڑکی کے سامنے بیٹھی تھی ۔۔۔ اس نے رومانہ کی معصوم اور سرور آواز سنی مگر مڑ کر اس کا چہرہ دیکھنے کی ہمت نہیں کی ! رومانہ نے اس کے گلے میں بانہیں حمائل کر دیں اور کندھوں پر جھولا جھول گئی ۔

"بجیا ! " اس نے مینا کے رخسار پر اپنے لب رکھ دیے اور پھر جیسے ہی اس کی نظریں مینا کی نظروں سے ملیں اسے شاک سا لگا ۔ وہ جھپٹ کر اس کے سامنے فرش پر گھٹنوں کے بل آ بیٹھی ۔۔۔

"باجی ۔۔۔ کیا آپ رو رہی ہیں ؟ " اس نے سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا ۔۔۔

"نہیں رومی ! کیوں روتی ۔۔۔ ؟ " وہ زبردستی مسکرائی ۔۔۔ "میرے لیے سب سے بڑی خوشی یہی ہے کہ تم خوش رہو ۔ جس کے ساتھ رہو ۔ جہاں کہیں رہو ۔۔۔ مگر مجھے یاد نہ آؤ ۔ رومی ۔ مجھے یاد نہ آؤ ۔۔۔ " رومانہ حیرت سے مینا کا چہرہ دیکھتی رہ گئی ۔۔۔

"تم یہاں اکیلی گھبراتی ہو نا رومی ۔۔۔ میں نے ڈیڈی سے کہا تھا کہ تمہاری شادی کر دیں ۔۔۔ وہ راضی ہو گئے ۔۔۔ طے کر دی تمہاری شادی ۔۔۔ ! "

وہ جھلا کر کھڑی ہو گئی ۔۔۔ "بہت اچھا کیا ۔۔۔ یہ نہیں کہا ڈیڈی سے کہ رومانہ کو گولی مار دیں ۔۔۔ ایسا مذاق مجھے پسند نہیں ہے باجی ۔ ڈیڈی آپ کے مذاق کو بھی سچ کر دکھائیں گے ۔ "

"تمہاری زندگی میرے لئے مذاق نہیں ہے رومانہ ۔۔۔ کیا کوئی مذاق بس کبھی روتا ہے ۔۔۔ "

"باجی ۔۔۔ " وہ چیخ پڑی ۔۔۔ "کیا آپ نے سچ مچ میرے لئے

قبر کھودی ہے ــــ!"

"خدا نہ کرے ــــ!" وہ سسکنے لگی ــــ "جب میں نے ڈیڈی کے منہ سے سنا کہ ــ تمھارا نکاح عنقریب امیر احمد سے ہو جائے گا اور تم امریکہ چلی جاؤگی تو ــ میں ــ ساری رات یہی سوچ سوچ کر آنسو بہاتی رہی ــ رومی ــــ کہ تمھارا کل کا خواب جلدی سچ ہو گیا ــ

"کبھی نہیں ــ باجی ــ کبھی نہیں ــــ!" وہ آنسو بہاتی ہوئی چیخی "یہ ظلم تو میں نہیں ہونے دوں گی ــــ کون میری مرضی کے خلاف میرا منہ کھلوا سکے گا ــ دیکھ لیجئے گا ــــ"

رومانہ کا احتجاج صدائے صحرا تھی ــ جس کی صرف بازگشت ہی گونج گونج کر رہ گئی ــ سیٹھ صاحب کی بات پتھر کی لکیر اور فیصلہ کڑی کمان کا تیر تھا کہ نکلا سو نکلا ــــ وہ دیکھ رہے تھے اور انھیں بخوبی اندازہ تھا کہ دونوں لڑکیاں نہایت ہراساں، مضطرب اور بدحواس تھیں مگر ان سے زیادہ انھیں اپنے کاروبار کی فکر تھی ــــ امیر احمد کے باپ کسی گرانقدر معاوضہ پر لڑکی خرید رہے تھے ــ وہ سیٹھ صاحب کے بزنس کے ساجھے دار بن رہے تھے جس سے انھیں زیادہ نفع کی توقع تھی ــــ

"ڈیڈی ــــ" ایک دن مینا ان کے سامنے رو پڑی ــ "یہ کیسی شادی ہے نہ کوئی اپنا پرایا نہ مہمان ــ میں اکیلی ہوں ــ رومانہ یک بیک مجھ سے دور ہو جائے گی ــ ڈیڈی ــ آپ اگر باہر جا رہے ہوں تو جائیے کیا ضروری ہے کہ رومانہ کی شادی کر ہی دی جائے ــــ اس کی شادی کے بغیر کیا آپ کا کاروبار بند ہو جائے گا ــــ"

سیٹھ صاحب کے سرخ چہرے پر جلال کے آثار نظر آئے ــــ "تھیں

میرے کاروبار کے متعلق کیا معلوم ہے؟ تم کیا جانتی ہو؟ میں کیا چاہتا ہوں
میں نے ہمیشہ بڑے فائدے پر چھوٹا فائدہ قربان کر دیا۔"

"رومانہ آپ کی بیٹی ہے وہ چھوٹا فائدہ نہیں ہے جسے آپ داؤ پر
لگا دیں ـــــ"

"بکواس بند کرو ـــ جو معاملہ تمھاری فہم سے باہر ہے۔ اس پر رائے
زنی مت کرو ـــــ! میں جو چاہتا ہوں وہ ضرور کروں گا ـــ" وہ اتنی زور
سے گرجے تھے کہ ان کی آواز پھٹ گئی! پھر انھیں احساس ہوا کہ وہ اپنے
برابر والے سے مخاطب نہیں ہیں ـــــ قدرے آواز دبا کر نرمی سے سمجھایا
"مینا۔ اگر عقل سے سوچو تو تمھیں پتہ چلے گا کہ میرا یہ اقدام ناگوار اور ناپسندیدہ
نہیں ہے۔ امیر احمد کے والد شیخ کبیر احمد کے تعلقات امیر کویت امرائے سعودیہ
و بحرین سے ہیں ـــ یہ نہایت دولت مند ممالک ہیں جن سے ہم بزنس کا اشتراک
چاہتے ہیں ـــ کبیر صاحب نے مجھے ایک حصہ دار بنایا ہے وہ مجھے بھی اپنے
ساتھ ان ممالک کو لے چلیں گے ـــ ان کا لڑکا گھر پر تنہا رہ جاتا ہے۔ ان
کی بیوی نہیں ہیں ـــ وہ چاہتے ہیں کہ امیر احمد کو اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ
بھیجدیں۔ لیکن وہ متذبذب بھی ہیں کہ کہیں ٹیکساس کی روشن دنیا میں
امیر ہمیشہ کے لئے کھو نہ جائے ـــ وہی تو ان کا وارث ہے۔ انھوں نے
سوچا تھا کہ اس کی شادی ہندوستان ہی کی کسی لڑکی سے کر دی جائے تاکہ
وہ پھر امیر کو یہاں واپس لا سکے! اس کے اور اس کی بیوی کے ضروری
کاغذات تیار ہیں ـــ تلاش لڑکی کی تھی ـــ میں نے تو رومانہ کی طرف
دھیان بھی نہیں دیا تھا۔ یہ درخواست تو خود شیخ صاحب نے کی میں نے
کوئی قباحت نہیں سمجھی کہ خواہ مخواہ ایسے اعلیٰ رشتے سے جو بغیر کسی چھان پھٹک

کے دل رہا ہے انکار کر دیا جائے۔ میں نے حامی بھر لی۔ مینا بیٹی۔ مدت صرف ڈھائی تین سال کی ہے ـــ بے شک رومانہ تم سے اتنے عرصہ کے لئے جدا ہو جائے گی! مگر یہ مدت پل جھپکتے گزر جائے گی پھر امیر واپس آئے گا۔ رومانہ آئے گی! اور سب ہمیشہ اکٹھا رہیں گے! مجھے بتاؤ کہ اس میں نقصان کیا ہے؟ بیٹی۔ کیا تم اتنی خود غرض ہو کہ اپنی تنہائی اور اکیلے پن پر رومانہ کے اعلیٰ استقبل کو قربان کر دو۔ ٹھنڈے دل سے غور کرو ـــ اکیلاپن، تنہائی اور مفارقت کا احساس ـــ صرف جذباتیت ہے۔ مینا تمھیں قدرت نے لڑکیاں بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔ تنہائی اور جدائی تمھارا مقسوم ہے کیا تم اور وہ ہمیشہ ساتھ ساتھ اسی گھر میں رہ سکتی ہو؟ اگر میں تمھارے لئے ہیرے کا محل بھی بنا دوں تمھیں سونے کے نوالے کھلاؤں ـــ اور تمھیں کمخواب و دیبا کے بستر پر سلاؤں تب بھی اس گھر سے جانا اور دوسرے کا گھر بسانا تمھارا مقدر اور ازلی فرض ہے!! لہٰذا تمھیں سوچنا چاہئیے کہ جو کچھ ہونے والا ہے وہ ناممکن۔ محیر العقول۔ نامناسب اور ناگوار نہیں ہے! یہ سب کچھ رومانہ کو بھی سمجھا دو ـــ" وہ چلے گئے۔

پھر دیر تک مینا بیٹھی سوچتی رہی۔ جیسا جیسا سوچا سیٹھ صاحب کی تقریر کی معقولیت اس پر واضح ہوتی گئی ـــ یقیناً وہ غلط نہیں کہہ رہے تھے۔ کون باپ ایسا ہے جو خواہ مخواہ بیٹی کا دشمن ہو جائے اور اس کے حق میں بدخواہی کرے ـــ پھر اس نے محسوس کیا کہ اس کی بے چینی محض رومانہ کی جدائی کی وجہ سے تھی ـــ وہ دل مضبوط کرے گی ـــ

رومانہ کا اضطراب اسے بےچین لگا ـــ اس کے گریۂ بے اختیار کے جواب میں مینا اسے وہی سب کچھ سمجھانے لگی جو اسے سیٹھ صاحب نے سمجھایا تھا۔

شام ڈھل گئی۔ چراغ جل گئے ۔۔۔ آمنہ بیگم کی طبیعت کئی روز سے خراب تھی دن بھر کی بے چینی کے بعد اس وقت انھیں کچھ سکون ہوا تھا۔ اندر کمرے سے نکل کر باہر دالان میں آکر بیٹھ گئی تھیں بخار کی حدت سے ان کا چہرہ اترا ہوا تھا اور سر پر پٹی بندھی تھی گھر میں عجیب سا روح فرسا سناٹا تھا ایک وحشت سی ان کے مزاج میں سمائی ہوئی تھی ہر بار رہ رہ کر آہیں بھر رہی تھیں۔

مقتدر کو بھی چھٹیاں تھیں وہ اپنی دانست میں تمام الجھنوں سے آزاد ہو چکا تھا۔ نہ فکر فردا نہ غم امروز ایک بوجھل بے کیف اور بد مزہ زندگی گزارے جا رہا تھا۔ کسی آرزو و تمنا سے یکسر تہی اس نے زبیدہ کو لکھ دیا تھا کہ وہ چھٹیوں میں ان کے پاس ضرور جائے گا۔ ناصرہ خاتون دو تین مہینے بھائی کے یہاں آرام کر کے بیٹی کے پاس چلی گئی تھیں اور ہر تیسرے دن کارڈ لکھ کر آمنہ بیگم کو تاکید کر دیتیں کہ وہ بس چلی آئیں۔ مقتدر اپنی قسمت پر شاکر اور حالات پر قانع ہو چکا تھا۔ ہر چہ بادا باد یہ تو اس کی ناسمجھی اور بچپن کی بھول تھی کہ چند روز کے لئے ایک انوکھی چیز کے لئے مچل اٹھا تھا ۔۔۔ اب اسے اپنے آپ پر ہنسی آتی تھی ۔۔۔

اس کے سامنے اسٹوو سنسنا رہا تھا ۔۔۔ اس پر چائے کی کیتلی چڑھی تھی چائے بڑی دیر سے کھول رہی تھی مگر اسے خبر بھی نہ تھی وہ اسٹوو کے لپکتے نیلگوں شعلوں پر بے معنی نگاہیں جمائے پتہ نہیں کیا سوچے جا رہا تھا۔

آمنہ بیگم نے ایک بار جلتی ہوئی آنکھیں کھول کر بمشکل تمام اس کی طرف دیکھا۔ اور اس کی بے خبری پر متاسفانہ انداز میں آہ بھر کر پھر دیوار سے سر ٹیک دیا۔

"معلوم نہیں کیا سوچ رہا ہے ——— اسے یہ بھی خبر نہیں ——— میں کب سے اس کے انتظار میں اسپرو لئے بیٹھی ہوں ——!" انھوں نے آہستہ آہستہ سر دیوار سے رگڑنا شروع کر دیا۔ بے چینی برداشت سے باہر ہوئی جا رہی تھی۔

دفعتہً کسی نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی —— مقتدر چونک پڑا ساتھ ہی اس کی نظریں ماں کی طرف اٹھ گئیں۔ ان کی حالت دیکھ کر ایک نشتر سا اس کے دل میں تیر گیا اور وہ کچھ شرمندہ سا ہو گیا ——

"امی۔ چائے لا رہا ہوں ——" اس نے بڑی ندامت سے کہا۔ مگر آمنہ بیگم نے کچھ نہ کہا —— دستک دوبارہ ہوئی۔ وہ بیدلی سے اٹھا اور دروازہ کھول دیا ——

"مقتدر صاحب اسی مکان میں رہتے ہیں ——؟" ایک باوردی ڈرائیور نے پوچھا —— ٹیکسی قدرے دور کھڑی نظر آئی۔

"جی ہاں ——!" مقتدر نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا —— "میرا ہی نام مقتدر ہے —— فرمایئے ——"

اور پھر دفعتہً اس کی آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی —— ٹیکسی کا پٹ کھلا اور اس میں سے رومانہ اتری۔ اس کی پشت پر اس نے مبینا کا چہرہ دیکھا اندھیرے میں چمکتا ہوا —— معصوم اور دلفریب چہرہ۔ مقتدر کے جسم میں ٹھنڈک سی تیر گئی ——

جیسے ہی دونوں بہنیں اتریں۔ ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا لی۔

رومانہ نے کمرے میں قدم رکھا۔ گریہ آلود آواز میں اس کے لبوں سے نکلا۔ "ماسٹر صاحب ——" اور دوسرے لمحے وہ بے محابا اس کے سینے سے چمٹ کر سسکیاں بھرنے لگی ——! مبینا بھی اندر آ گئی تھی، اس نے ہاتھ بڑھا کر پردہ

برابر کر دیا۔ مقتدر کے استعجاب اور تحیر کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ رومانہ کی بے اختیار گریہ وزاری کی بھی کوئی وجہ نہ سمجھ سکا ــــ لیکن بے ساختہ اس کی باہیں اس کے گرد بندھ گئیں ــــ

"ماسٹر صاحب ــــ وہ اس کے سینے پر پیشانی رگڑنے لگی ــــ" آپ بھول گئے مجھے ــــ کتنے ستم مجھ پر ٹوٹ گئے مگر آپ نے الٹ کر خبر نہیں لی میرا امتحان بھی خراب گزرا۔ میں تو اپنی زندگی کے ہر امتحان میں فیل ہو گئی ــــ آپ نے خود کو میرا بھائی کہا تھا ــــ کیا ایسے ہی ہوتے ہیں بڑے بھائی ــــ؟"

اس نے اس کے سینے سے سر اٹھایا اور کار مٹھیوں میں بھینچ لیا۔

"کیا بات ہے مینا؟" مقتدر نے کھانس کر اپنا گلا صاف کیا ــــ اور آنسو بھری آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں رومانہ کو تکنے لگا! مگر وہ بھی گم صم تھی! اس کے لبوں سے کچھ نہ نکلا۔

"علی؟ .... بیٹے کون ہے باہر ــــ تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟" اندر سے آمنہ بیگم کی کمزور آواز آئی ــــ

ایک ہلکی سی سانس اس کے سینے سے نکلی ــــ اس نے رومانہ کے گالوں پر بہتے ہوئے آنسو پونچھے اور پیشانی پر کے بال سنوارتا ہوا مدھم لہجے میں بولا ــــ " آؤ ــــ رومی ــــ اندر چلیں ــــ امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ بے چین ہیں ــــ"

ساتھ ہی اسے خیال آیا ــــ آمنہ بیگم ان لڑکیوں کی بڑی مخالف ہیں ــــ مقتدر کا جانا آنا بھی انھیں پسند نہیں تھا۔ اب اپنے یہاں انھیں دیکھ کر وہ کیا سوچیں گی؟

"آپ کی طبیعت تو اچھی ہے مقتدر صاحب؟" مینا نے پوچھا۔ انتنے

دنوں بعد اپنی محبوب میٹھی آواز سن کر اس کے دل میں انجانی تمناؤں کے چشمے جاری ہو گئے۔ بہت کچھ جی چاہنے لگا۔ کوئی لاہوتی فضا ہو اور مبینا ہو۔ یہ دنیا اسے آہنی شکنجہ لگی ـــــ وہ بیحد اداس اور پریشان ہو گیا ـــــ

"ہم نے یہاں تک آ کر آپ کو تکلیف دی۔ مقتدر صاحب ـــ" مبینا نے پھر کہا ـــــ "ہم بہت پریشان اور فکرمند تھے ـــــ بار بار خیال آتا تھا کہ کہیں خدانخواستہ آپ بیمار تو نہیں ہو گئے ـــ ایسا سلوک تو آپ نے کبھی نہیں کیا تھا! روحی کو بھی عین منجدھار میں چھوڑ گئے ـــ"

"میں مجبور ہو گیا تھا مبینا!" مقتدر کی آواز سے آنسو برس رہے تھے؟ میں خود بھی منجدھار میں چکرا تا رہا ہوں ـ تم سے بہت کچھ کہنے کو ہے مبینا. مگر میں کہہ نہیں سکتا! کیا فائدہ تمھاری الجھنوں میں اضافہ کر کے تمھیں بھی فکرمند کرنا انسانیت نہیں ہے ـــ"

وہ چپ ہو گئی ـــ مقتدر انھیں لے کر اندر پہنچا۔ مبینا بڑے غور اور توجہ سے ایک ایک چیز دیکھتی گئی ـــــ یہ درد دیوار ـــ بوسیدہ کمرے۔ نیچی سی چھت ـــ جھکے ہوئے کھمبے اور دالان کے بیچ میں آویزاں کم دولٹ کا بلب ـــــ صحن کے ایک گوشے میں امرود کا درخت تھا اور سارے صحن میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی ـــ!

مگر یہاں کیسا سکون تھا ـــ اوہی سکون ـ ملکوتی سناٹا۔ جیسے زخمی روح پر کوئی سرد پھاہا رکھ دے ـــــ بے اختیار اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی ـــــ

آمنہ بیگم نے مقتدر کو لڑکیوں کے ساتھ آتے دیکھا تو سیدھی ہو بیٹھیں مقتدر نے ان کے قریب پہنچ کر کہا ـــ "روما!... مبینا! اور آپ

میری امی ــــــ"

"امی" رومانہ یکایک بڑی بے تکلف ہو کر کہنے لگی ــــ "غالباً تعارف تو بھیا نے ہمارا کرا یا ہی ہو گا۔ پڑھانے آتے تھے ہمیں ــــ"

"ہاں بیٹی ـــــ" انھوں نے دونوں کی پیاری پیاری معصوم شکلوں پر نظر ڈالی اور از خود ان کے دل میں اجنبی سی محبت جاگ اٹھی۔ مسکرا کر انھوں نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور شفیق آواز میں بولیں ــــ "جانتی ہوں اچھا ہوا کہ آج دیکھ بھی لیا۔ مگر یہ کیسے ناوقت گھر سے نکلیں صبح سے آتیں تو جی بھر کے باتیں بھی کر سکتیں ــــ"

"ہمیں یہاں آنے ہی کون دیتا ہے امی ــــ" رومانہ نے کہا۔ "بڑی مشکل سے فلم دیکھنے کا بہانہ کر کے گھر سے نکلے ہیں ــــ ڈیڈی کہیں آنے جانے نہیں دیتے نہ انھیں یہ پسند ہے کہ کوئی ہمارے گھر آئے ــــ قید تنہائی کی سزا بھگتتے ہیں ہم ــــ"

مقتدر اسٹول کو گوشے میں کھینچ لے گیا اور چائے بنانے لگا۔ رومانہ کو امی سے باتیں کرتے دیکھ کر مبینا چپکے سے اس کے پاس سے سرک آئی۔

"یہ آپ کا کام نہیں ہے ــــ آپ ہٹیے میں بنائے دیتی ہوں ــــ" اس نے قدرے شرمیلے لہجے میں کہا ــــ

"شاید سہ پہر سے چائے بن رہی ہے مگر بن نہیں چکی ــــ" مقتدر نے اداس انداز میں مسکرا کر کہا ــــ "تمھارے ہاتھوں کا انتظار کر رہی تھی ــــ"

دفعتہً مبینا سنجیدہ ہو گئی اور سرگوشیوں میں بولی ــــ "کوئی بات آپ کو ہماری ناگوار گزری ہے مقتدر صاحب ــــ"

"نہیں مبینا ــــ" اس نے سر جھکا لیا۔

"تو پھر آپ نے آنا کیوں چھوڑ دیا؟"

"وجہ تفصیل چاہتی ہے مینا ——" اس نے مڑ کر آمنہ بیگم اور ردمانہ کو دیکھا اور گہری گہری نظریں مینا پر جما دیں —— اس کے چہرے پر نیلگوں شعلوں کا عکس رقص کناں تھا! سفید مزلن کے لباس میں لپٹی وہ بے حد حسین اور دلکش نظر آرہی تھی —— مقتدر کھو سا گیا —— مینا بہت سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی —— پھر اس نے بھی پلکیں اٹھائیں —— اور دونوں کی نگاہیں مل گئیں —— مقتدر کے چہرے پر اتنی سوگواری، اداسی اور حسرت تھی کہ مینا کا دل دکھنے لگا —— آج ہی تو اس کی مجبوریاں اس کے سامنے آئی تھیں اس کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا مگر لب نہ ہلے! اس نے تازہ چائے بنائی اور ٹرے میں رکھ کر آمنہ بیگم کے سامنے پیش کر دی —— وہ ہنسنے لگیں بڑی محبت سے اس کے رخسار سہلائے اور دعائیں دیتی ہوئی بولیں ——

"بیٹی —— مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم ایسی پیاری بچیوں کو علی پڑھانے جاتا ہے ورنہ میں تو بہت پہلے ہی کہتی کہ تمھیں اپنے گھر لائے —— کچھ ایسی محبت تم سے معلوم ہو رہی ہے جیسے خون کا کوئی ناطہ تم میں اور مجھ میں ہو —— بے اختیار دل کھنچ رہا ہے تمھاری طرف —— جی چاہتا ہے کہ اب تمھیں جانے نہ دوں ——"

"کوئی آرزو اپنے بس میں نہیں —— امی ——!" مینا نے کہا۔ مقتدر نے اپنی پیالی اٹھائی اور ماں کے پیچھے جا کر بیٹھ گیا ——

ردمانہ باتیں کر رہی تھی —— آمنہ بیگم کی ساری تھکن اور بیماری کافور ہو گئی تھی —— مینا بھی گفتگو میں حصہ لے رہی تھی —— خاموش اگر تھا تو مقتدر وہ دل ہی دل میں اپنی اور ان کی پوزیشن کا موازنہ کر رہا تھا اور خجل ہو رہا

تھا! ----- پھر اس کے مجبوب خیالات نے کروٹ بدلی --- وہ سوچنے لگا کیا کبھی کوئی معجزہ ایسا ہو سکے گا کہ قدرت خود بخود اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے --- یہ میرا بوسیدہ گھر اچانک ایک محل سے بدل جائے اس نے مبنیا پر ایک نظر ڈالی اور آہ بھر کر دیوار سے پیٹھ ٹیک دی۔

پھر اچانک مبنیا نے انھیں رومانہ کی شادی کی خبر سنائی! وہ سب کچھ کہدیا جو سیٹھ صاحب نے کہا تھا! رومانہ بے چاری بے حد تاسف اور حسرت سے ایک ایک کا چہرہ دیکھنے لگی۔

مقتدر نے اسے مذاق سمجھا مگر رومانہ یکبارگی رو پڑی اور ٹوٹی ہوئی آواز میں بولی --- "باجی بھی مجبور ہیں --- امی --- اگر وہ ڈیڈی کی ہمنوائی نہ کریں تو کیا کریں --- وہ کس کی سنتے ہیں! میں سوچتی ہوں کاش میری امی زندہ ہوتیں --- میرا کوئی بھائی ہوتا --- جسے کوئی اختیار ڈیڈی پر ہوتا --- شاید یہ ظلم ٹل جاتا --- مگر اب تو میں راضی برضا ہوں --- امی --- آہ و بکا کر کے کروں گی کیا --- ؟ جو شخص اپنی بیوی کو جان بوجھ کر موت کے منھ میں ڈھکیل دے --- اپنے حقیقی خسر کے ساتھ ملازموں کا سا سلوک کرے جس کا دین و ایمان روپیہ ہو جو لڑکیوں کو جانوروں سے بدتر سمجھے اس سے کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ دردِ دل سنے گا اور کوئی درماں تلاش کریگا باجی کو بھی وہ یونہی کسی گڑھے میں پھینکیں گے اور خود ہمیشہ چین کی بنسی بجائیں گے ----- خدا اچھے --- انھیں سگا باپ کون کہے گا ؟ میں تو سوچتی ہوں کہ راتوں رات کہیں بھاگ جاؤں --- یا خودکشی کر لوں ---"

مقتدر کو حیرت ہو گئی --- وہ نہیں سمجھتا تھا کہ رومانہ کبھی اس طرح بول سکتی ہے --- آمنہ بیگم نے اسے سمجھایا مگر وہ بڑی برہم ہو رہی تھی خوب خوب!

دل کا لاوا اگلا ـــــ مبینا خاموش بیٹھی رہی ـــ

"تم پھر آجاؤ گی ـــ رومانہ ـــــ" مقتدر نے کہا۔ وہ کوئی نامناسب حرکت تو نہیں کر رہے ہیں ـــــ! یوں ان کے پیٹھ پیچھے ان کی برائیاں نہیں کرنی چاہئیں ـــ۔

"آپ ان کی طرفداری کر رہے ہیں ـــ" پھٹ سے رومانہ نے کہا کچھ پتہ ہے آپ کے پیٹھ پیچھے انھوں نے آپ کو کیا کہا تھا؟

"رومی ـــ" مبینا جلدی سے بول اٹھی ـــ

"میرے دل میں آگ جل رہی ہے۔ باجی ـــ" رومانہ نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا ـــ "میں ان سے کوئی بدلہ نہیں لے سکتی۔ نہ اپنا نہ اپنی ماں کا نہ نانا میاں کا ـــ بس مجھے جی بھر کے بکنے دیجئے۔ اسی طرح میرا دل ہلکا ہو ـــ"

"کیا آپ کے نانا میاں کا ـــــ!" مقتدر نے کہا اور کچھ سوچ کر رک گیا ـــ

"جی ہاں ـــ ڈیڈی کے خوف سے انھیں ہسپتال پہنچا دیا گیا ـــ" رومانہ بولی ـــ بے چاروں کا عجیب حال ہے۔ میں تو کہتی ہوں جہاں ان کے سب کوئی مر گئے وہاں وہ خود بھی کیوں نہ مر گئے۔ اس طرح جینے کی ضرورت ہی کیا تھی؟"

"بس کرو۔ رومی۔ وہ بے چارے تو مجبور ہیں ـــ" مبینا نے تنبیہ کی ـــ۔ آہ ان کی حالت بھی دیکھی نہیں جاتی۔ مفلوج۔ معذور نابینا مگر ڈیڈی کے دل میں رحم نہیں ـــ"

"کیا ان کا کوئی نہیں ـــ" آمنہ بیگم نے ہمدردی سے پوچھا۔

"کوئی نہیں امی — ایک ہم ہیں سو بیکار — نانا میاں کی حالت تباہ ہے — کچھ مرنے والوں کا غم۔ کچھ اوروں کا کہتے رہتے ہیں بے چارے کہ بہت عرصہ ہوا اپنی ایک بیٹی کو انھوں نے جان بوجھ کر گھر چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا تھا — اس کی یاد انھیں سکون سے جینے دیتی ہے نہ مرنے دیتی ہے —" مینا نے کہا — ہر وقت اسے یاد کرتے ہیں اور روتے ہیں کہ دیکھنے والے بھی ضبط نہیں کر سکتے!"

دیوار کے کلاک نے رات کے آٹھ بجائے اور مقتدر چونک کر کھڑا ہو گیا —

"اچھا — رومانہ میں ابھی آیا —"

وہ سمجھ گئی کہ مقتدر ان کی ضیافت کے انتظام میں جا رہا تھا اس نے کسی جھجک کے بغیر اس کا ہاتھ تھام لیا — "ہمارے کھانے پینے کی کوئی پرواہ نہ کیجئے یہی بہت ہے کہ اتنی دیر ہم سب ساتھ بیٹھ کر باتیں کریں — پیارے بھیا! پھر آپ کہاں اور ہم کہاں — غنیمت جانیے مل بیٹھنے کو — میں امی سے باتیں کرتی رہوں گی — آنگن میں چاندنی چھٹکی ہے — جائیے آپ اور باجی صحن میں بیٹھے —"

مقتدر اور مینا صحن میں نکل آئے — موسم خوشگوار تھا ایک گوشہ میں موتیا پھول رہا تھا — بڑی سہانی مہک تھی۔ خوشگوار ہوائیں چلنے لگی تھیں! مقتدر نے صحن کی لائٹ بجھا دی اور چاندنی یکبارگی کئی گنا تیز ہو گئی —

"پچھلے جلسے میں آپ نے وائلن بجایا تھا" مینا اس کے قرب سے شرما کی تو جلدی سے بول پڑی — "اختر اور نجمہ بیحد تعریفیں کر رہی تھیں

آج مجھے بھی سنا دیجئے —"

وہ اپنے کمرے سے وائلن اٹھا لایا — اور اس کے سامنے پڑی کین چیئر پر ٹک گیا —

"مینا" اس کا لہجہ مدھم اور اداس تھا — "کیا یہ ہماری آخری ملاقات ہے؟"

"کوئی مداوا آپ کیجئے —" مینا نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا — "اس ملاقات کو دوام عطا ہو جائے —"

مقتدر نے اس کا ہاتھ تھام کر لبوں پر رکھ لیا۔" مینا —"

تو تو عنواں ہے مری زیست کے افسانے کا

مگر افسانے کی عبارت اتنی مشکل ہے کہ میں پڑھ نہیں سکتا — کاش — تم اتنی بلندی پر نہ ہوتیں —"

"کیا آپ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے — ہاتھ بڑھا کر مجھے اس بلندی سے نیچے اتار لیں —"

"کوشش کر رہا ہوں۔ تمہارے مقام تک پہنچ سکوں۔ ورنہ میری آرزو کی کیا شنوائی مینا؟"

"آپ سوچتے ہیں۔ میں جس ماحول میں پلی بڑھی ہوں۔ مجھے وہی پسند ہے"

مینا نے چپکے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکال لیا — "میں نے آپ سے کہا تھا کہ میری ممی ایک غریب اور مفلس عورت تھیں مجھے بھی وہی غربت اچھی لگتی ہے — یہ حشم و حشم — یہ دولت کے انبار — کرۂ ریا سے معمور فضا۔ اونچی اونچی جیل خانے کی سی دیواریں — ان سب کے درمیان میرا دم گھٹا جاتا ہے آپ نے یہ بھی نہیں سوچا کہ روما نہ کے جانے کے بعد میں تنہا کیسے اتنے بڑے

گھر میں رہوں گی۔؟"

"اگر میرے تصورات کا عکس تمھارے خیالوں پر پڑتا تو مینا تمھیں معلوم ہوتا کہ کوئی لمحہ کوئی ساعت اس نامراد زندگی کی تمھاری یاد سے خالی نہیں!" مقتدر نے کہا ۔۔۔ "کاش ایسا ہو سکتا کہ تم میرے گھر میں ہمیشہ کے لئے آجائیں۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔۔۔؟"

"آپ کی آرزو خلوص سے خالی ہے ۔۔۔!"

"دل چیر کر دکھایا نہیں جاتا ۔۔۔" اس نے جواب دیا ۔۔۔ "ورنہ تمھیں معلوم ہوتا کہ دل جس چیز سے عبارت ہے ۔۔۔ وہ صرف تمھاری آرزو ہے!"

"تو پھر بچا لیجئے ۔۔۔ مجھے گھٹ گھٹ کے مر جانے سے ۔۔۔" مینا نے یک لخت کہہ دیا ۔۔۔ "مجھے بے شرمی پر مجبور نہ کیجئے ۔۔۔ مجھے آپ کی امی اپنی ممی کی سی لگتی ہیں ۔۔۔ آپ کا گھر مجھے بہت پسند ہے۔ جہاں آپ ہیں اور سب کچھ ہے وہاں میرے گھر میں بہت کچھ ہے مگر آپ نہیں ہیں ۔۔۔!"

"میرے دل کی آواز خدا سن رہا ہے مینا ۔۔۔" مقتدر نے کہا ۔۔۔ "میں مانگ لوں گا تمھیں سیٹھ صاحب سے۔ چاہے مجھے اپنی جان سے بھی گزرنا پڑے ۔۔۔"

"دیر نہ کیجئے گا! پتہ نہیں ۔ حالات کیا رخ اختیار کریں!"

اس نے مسکرا کر مینا کو دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔

"مقتدر بھیا ۔۔۔ شروع کیجئے ۔۔۔ دیر ہو رہی ہے ۔۔۔!" دالان سے روحانہ نے ہانک لگائی ۔۔۔ اس کی اسٹک وائلن کے تاروں پر چلی اور ایک دلکش دھن ماحول میں ابھری۔ روحانہ بھی آکر صحن میں بیٹھ گئی ۔ عجیب مسحور کن اور خوبصورت دھن تھی کہ سماں سا بندھ گیا۔ پھر مقتدر کی آواز بھی ساز میں شامل ہو گئی۔ بڑا پرسوز نغمہ تھا۔ جو دل کی گہرائیوں سے ابھرا تھا اور مینا کے دل سے جا ٹکرایا ۔۔۔

تمنا تری ہم نشینی کی ہے — بس اک ساعت مختصر کے لئے

کہ اس محنت آباد ایام میں — فراغت نہیں دیدہ ور کے لئے

ہر اک فرصت عیش ہو بارپا — مزے کس نے رقص شرر کے لئے

کدورت سر سفرۂ کائنات — مقدر ہے کام بشر کے لئے

رات کے پل بھاگتے رہے۔ وہاں اپنا ہوش کس کو تھا! سوز و ساز کی دنیا ہی عجیب دنیا تھی! وہاں تین دل تھے اور تینوں دکھے ہوئے تھے! سب ساتھ ساتھ روئے اور کوئی نہ تھا جو اشک شوئی کرتا۔۔۔ پھر انھیں آمنہ بیگم ہی نے متوجہ کیا۔ باجہ بند ہوا۔ اور انھیں ایک آفاقی ماحول سے حقیقی پرتصنع فضا میں واپس آتے ہوئے بڑی اذیت اور تکلیف ہوئی۔۔۔

لڑکیاں جلد تر واپسی پر مصر تھیں مگر انھوں نے کھانا کھلائے بغیر جانے نہیں دیا۔ مینا کا دل نہیں چاہتا تھا وہ معطر چاندنی سے بسا ہوا آنگن چھوڑ کر اپنے گھر جائے۔ رومانہ الگ گھبرا رہی تھی لیکن جانا تو ضروری ہی تھا! رومانہ آمنہ بیگم کے گلے سے لگ گئی۔۔۔

"امی۔ مجھے اپنی دعاؤں سے ہمیشہ یاد رکھیے گا۔۔۔"

انھوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

مقتدر ٹیکسی لے آیا اور با دل ناخواستہ مینا کو رخصت کیا! اس نے بڑی معنی خیز اور ملتجی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔۔۔ اس نے مینا کا ہاتھ گرمجوشی سے دبا لیا اور بے حد سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"پریشان نہ ہو مینا۔۔۔ میرا انتظار کرنا۔ مایوسی اور نامرادی کے سمندر میں میں تمھیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔۔۔"

"یہ آپ کا وعدہ ہے؟" مینا نے چپکے سے اس کے سینے پر سر رکھ دیا!

"ہاں - یہ میرا وعدہ ہے!" اُس کے لہجے سے پختہ عزم جھلک رہا تھا۔ وہ مطمئن ہو گئی ـــــ ساڑھے نو بجے رات ایک یادگار و پرخلوص ملاقات کا ابدی تاثر لئے وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے - جب ٹیکسی کی عقبی سرخ روشنی موڑ پر اس کی نظروں سے غائب ہوئی تو وہ اندر آیا - مگر اب وہ تھکا ہارا اور مضمحل نہیں تھا! چہرہ مسرور تھا! اور کوئی دھن اس کے لبوں پر ناچ رہی تھی ۔

آمنہ بیگم کسی گہری سوچ میں غرق تھیں ۔

"کیوں امی ـــــ اب آپ کیا سوچ رہی ہیں ـــــ" مقتدر ان کے پہلو میں بیٹھ گیا اور اپنا بازو پیار سے ان کی کمر کے گرد حائل کر دیا ۔

"کچھ ایسا لگتا ہے ـــــ میاں - جیسے میں نے مینا کی سی شکل کہیں اور بھی دیکھی ہے ـــــ شاید تمھیں یقین نہ آئے کہ میری چھوٹی بہن بالکل ایسی ہی خوبصورت تھیں ـــــ" ایک آہ ان کے لبوں سے نکلی ـــــ "جب میں تمھیں ننھا سا لے کر گھر سے چلی ہوں تو وہ بے چاری دور تک روتی ہوئی پیچھے پیچھے چلی آئی تھی ـــــ ایک اسی کو پتہ تھا کہ میں نے کس بپتا سے مجبور ہو کر گھر چھوڑا تھا - معلوم نہیں ـــــ اب کہاں ہے ؟"

مقتدر چونک کر سیدھا ہو بیٹھا ـــــ "ہاں - امی - آپ کے اس طرح کہنے سے مجھے یاد آیا ہے کہ سیٹھ صاحب کے گھر میں بھی ایک ایسی تصویر لگی دیکھی تھی جس پر نظر پڑتے ہی مجھے پہلا خیال یہ آیا تھا کہ یہ شکل میں نے کب اور کہاں دیکھی ہے ـــــ ؟"

دفعتہً پھر کسی نے دروازے پر دستک دی اور ساتھ ہی عبید کی آواز آئی - مقتدر اٹھ کر بھاگا ـــــ

"تم بہت پھیل گئے ہو ـــــ" عبید نے اندر آ کر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا

"نہیں تو —" مقتدر مسکرایا — "بلکہ میرا تو خیال ہے کہ کچھ سمجھ گیا ہوں"

"مقتدر! میں نے دیکھا ہے کہ کچھ دیر قبل دو لڑکیاں تمھارے گھر سے نکلیں اور ٹیکسی پر بیٹھ کر چلی گئیں۔ شاید تمھیں یقین نہ آئے۔ اگر میں یہ کہوں کہ ان کے پیچھے پیچھے اوصاف صاحب کی بھی کار گئی تھی —! تم اگر شتر مرغ کی طرح ریت میں سر چھپاؤ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شکاری کو تمھارا سا جسم نظر نہیں آئے گا —" دونوں وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے —

آن واحد میں مقتدر کا جگمگاتا ہوا چہرہ زرد ہو گیا — "تمھیں دھوکا ہوا ہے عبید! میں نے تو سنا تھا کہ اوصاف اور انکے ساتھی چھٹیاں شروع ہوتے ہی ڈلہوزی چلے گئے تھے — بلکہ منظر نے تو مجھے بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی! سوال تو یہ بھی ہے کہ اوصاف کو اب مجھ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے —؟"

"اگر تم کہو تو میں بھی کل ہی کشمیر چلا جاؤں —" عبید نے کہا — "تم سمجھو گے بھی یہی کہ میں چلا گیا ہوں — اور کبھی اندھیرے اجالے میں تمھیں گھیر کر ٹھکانے لگا دوں گا — کیا سمجھے، مقتدر! — یار معاملہ اب رقابت کا ہے ہاشم مجھ سے ملتا ہے اس نے یہ خبر مجھے سنائی تھی کہ رومانہ کی شادی عنقریب اسمٰعیل صاحب کے کسی دوست سے ہو رہی ہے اور وہ مبینا کے لئے بھی پریشان ہیں۔ لہٰذا جلد ہی ملک التجار جناب ارشاد حسین صاحب کے صاحبزادے جناب اوصاف حسین کا پیغام مبینا کے لئے جائے گا — ہو سکتا ہے کہ سیٹھ صاحب دونوں لڑکیوں کو ایک ساتھ نبٹا کر اپنے مقدس دورے پر روانہ ہوں —"

مقتدر نے چکرا کر کرسی کا ہینڈل تھام لیا — اس کے لب موٹھنے لگے

وعدے اس کے اپنے ـــ جو اس نے بڑی متانت اور سنجیدگی سے مبینا سے کئے تھے ـــ اس کے کھنڈر جیسے دل میں سسک سسک کر رونے لگے۔۔
عبید سے اس کی یہ جانگسل تبدیلی پوشیدہ نہیں رہی ـــ! اس نے آگے جھک کر مقتدر کا ہاتھ جکڑ لیا۔
"مقتدر" اس نے بیحد پیار سے اسے پکارا
وہ جواب میں اسے دیکھنے لگا! آنکھیں دھندلا رہی تھیں ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ ضبط محال تھا ـــ عبید کا دل دکھنے لگا! وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا اور پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔
"ایک بات پوچھوں؟ بتاؤ گے؟
"جو کچھ تم نے کہا ہے ـــ وہ کیا سچ ہے؟ عبید؟" اس کا لہجہ یاس سے بکھرنے لگا ـــ!
"میں تم سے پوچھ رہا ہوں! کیا تم اپنی محبت میں سنجیدہ ہو؟ مقتدر۔ اتنی ہی شدت سے چاہتے ہو مبینا کو؟"
"سمجھ میں نہیں آتا ـــ تمھیں کیا جواب دوں ـــ؟" مقتدر نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا ـــ "کیا کوئی پیمانہ ایسا بنا ہے جس سے انسانی جذبات اور محبت ناپی جائے ـــ نہیں عبید! کوئی بھی اندازہ نہیں لگا سکتا! اللہ کے نیک بندوں کی قسم! شاید مجھے اپنی ذات سے بھی اتنی محبت نہیں۔ جتنی مبینا سے ہے! ـــ مگر ـــ میں کیا کر سکتا ہوں ـــ آنسو۔ جلن۔ تپش ـــ اور اس کے سوا ـــ میرا مقدر کیا ہے؟ ـــ کیا ہے میرا نصیب ـــ!"
"تمھاری محبت یکطرفہ تو نہیں ہے ـــ مقتدر؟"
"اگر ہوتی ـــ تو اپنے سارے غم میں اپنی ذات پر جھیل لے جاتا

مگر مجھے تو یہ بھی دکھ ہے کہ جو آگ میرے دل میں بھڑک رہی ہے۔ اس سے وہ بھی محفوظ نہیں ——"

"اچھا۔ مقتدر! اب میں جاتا ہوں۔ میں سوچوں گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں —— تمہارے لئے۔ تم میرے بڑے اچھے دوست ہو۔ مجھے محبت ہے تم سے —— اور آج میں نے تمہاری آرزو کو بھی مجسم دیکھا ہے۔ خدا کرے کہ میں تمہارے کسی کام آسکوں ——" عبید اٹھتا ہوا بولا —— "اب تم جاؤ آرام کرو —— سوچنے نہ بیٹھ جانا —— ! جو مصیبت کل آنے والی ہے اسے ٹالنے کے لئے ساری رات پڑی ہے —— لہٰذا کیا پرواہ ہے۔ اچھا شب بخیر۔"

"عبید! اگر دُرّانی صاحب نے اوصاف کا پیغام قبول کر لیا تو پھر؟"

"تو پھر کیا؟" عبید ہنسا —— "عین وقت پر بھگا لاؤں گا مینا کو۔"

مقتدر کو اس کا یہ مذاق پسند نہیں آیا۔ عبید تنہا ہاتھ جھلاتا ہوا کمرے سے نکل کر چلا گیا ——

آمنہ بیگم کا خیال تھا کہ ان کا دردِ سر ہنگامی ہے معمولی علاج سے دفع ہو جائے گا لیکن ان کا خیال غلط نکلا۔ مقامی ڈاکٹر نے مقتدر کو مشورہ دیا کہ ان کا دردِ سر غیر معمولی ہے —— خون کی کمی اور عام کمزوری نے ایسی سنجیدہ صورت اختیار کر لی ہے کہ بجز مستقل علاج کے اور کوئی چارہ نہیں اگر لاپرواہی برتی گئی تو ہو سکتا ہے کہ اچانک دماغ کی شریانیں پھٹ جانے سے موت واقع ہو جائے —— !

آمنہ بیگم اب بھی اپنے کمرے میں پڑی ہائے ہائے کر رہی تھیں۔ صبح سے وہ کئی خود ساختہ علاج کر چکی تھیں انھیں رتی بھر سکون نہیں ہوا پھر مقتدر نے ڈاکٹر کو دکھایا اور اس نے یہ بد خبری سنا کر اسے نئے عذاب میں مبتلا کر دیا ——

"آپ گھبرائیے نہیں ——" ڈاکٹر نے اس کے کندھے پر تھپکی دے کر کہا —" ایسے کیس دو تین اور بھی ہسپتال میں آئے ہیں آپ اپنی والدہ محترمہ کو وہیں لے آیئے۔ میں ہی انھیں دیکھ لیا کروں گا ——"

"اچھی بات ہے —— ڈاکٹر صاحب ——!" اس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی اور خشک لبوں پر زبان پھیر کر رہ گیا ——

آمنہ بیگم نے اس کی سوگوار اور بے حد پریشان شکل دیکھی تو انھیں احساس ہوا کہ ان کی آہیں کراہیں مقتدر کے لئے سوہان روح ہیں —— وہ اکیلا ہے —— کوئی اس کا ساتھی نہیں۔ اس کی تمام دلچسپیاں صرف انہی کی صحت و زندگی سے وابستہ ہیں۔ انھیں اپنی تکلیف برداشت کرنی چاہیئے اگرچہ کہ درد سر ضبط سے باہر ہو رہا تھا ان کا چہرہ متغیر تھا مگر مقتدر کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گئیں اور اپنا لہجہ سنبھال کر وہ بولیں "کیا کہہ رہے تھے ڈاکٹر صاحب —— یہ تو خواہ مخواہ بھی اچھے بھلے انسانوں کو بیمار کر دیتے ہیں —— تم گھبراؤ نہیں —— اب میں بالکل اچھی ہوں —— اٹھ کر تمھارے لئے کھانا پکاؤں گی —— کہو کیا کھاؤ گے دوپہر کو ——؟" وہ ہمت کر کے اٹھنے لگیں۔ مقتدر نے انھیں پھر لٹا دیا۔

"امی —— میری بھوک پیاس ختم ہو چکی ——" اس نے بے ضبط ہو کر کہا "آپ کی اذیت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی امی سچ کہیئے کیا اب بھی آ تنا ہی

درد ہو رہا ہے — میری قسم آپ کو —!"

"دور پار — موئے اتنے سے درد کے لئے کیا میں اپنے لال کی قسم کھاؤں گی —" وہ خفا ہو کر بولیں — "اب درد وغیرہ نہیں ہے کنپٹیاں دکھ رہی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی —"

"میں نہیں مانتا۔ آپ کی تکلیف چہرے سے عیاں ہے۔ چلئے امی ہسپتال چلیں۔ وہاں ڈاکٹر ہر وقت آپ کو دیکھیں گے — یہاں آپ کا کوئی علاج نہیں ہو رہا ہے —"

"واہ میاں۔ ہسپتال میں خدا نہ کرے کیوں جاؤں —" اتنی ہی دیر میں وہ تھک گئیں اور ہزار ضبط کے باوجود پیشانی تھام کر کراہنے لگیں "تم ایک خط لکھ دو یونس میاں کو — وہ چلے آئیں۔ تم اکیلے ہو بیٹا! کہیں گھبرا نہ جاؤ۔ پتہ نہیں کیسا وقت آئے —؟"

ان کی تکلیف شدت اختیار کر گئی! مقتدر نے محلے کے ایک آدمی سے ٹیکسی منگوائی اور ماں کو لے کر ہسپتال پہنچ گیا! وہاں ڈاکٹر صاحب مل گئے اور بڑی خوش اسلوبی سے آمنہ بیگم کے معائنے اور دوا دارو کا انتظام ہو گیا! آمنہ بیگم کو ایک انجکشن دے دیا گیا اور وقتی طور پر ان کی تکلیف دور ہو گئی۔

"اب آپ جا سکتے ہیں مسٹر!" نرس نے مسکرا کر مقتدر سے کہا اور سر سے پیر تک اسے دیکھتی ہوئی لاونج میں مڑ گئی —

"کہاں جاؤں؟ امی!" اس نے اپنا نچلا لب دانتوں میں جکڑ لیا۔

"بیٹیا خدا کا غضب ہے —" وہ کمزور آواز میں بولیں۔ "صبح سے یہ وقت ہوا ہے۔ بھوکے پیاسے پھر رہے ہو کہیں کچھ کھا پی لو — میرے اللہ یہ کیا مصیبت ہے۔ میرا بچہ کب تک پریشان رہے گا —"

وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں ــــ مقتدر کی ویران شکل. غم سے معمور آنکھیں ــــ ان کا صبر و ضبط چھینے لیتی تھیں ــــ اتنے میں دوسری نرس آئی اس نے انھیں لٹا دیا اور مقتدر سے التدعا کی کہ وہ چلا جائے ــــ

"شام کو میں پھر آؤں گا امی ــ" اس نے آہستہ بیگم کے مرجھائے ہوئے رخسار اپنے مضبوط اور گرم ہاتھوں میں دبا لئے ـ اور پیار سے ان کی پیشانی پہ لب رکھ دیئے ـ

نہ کوئی جادہ نہ منزل ـ اپنے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ چھپائے نہ جانے وہ کس سمت جا رہا تھا کہ ایک جانی پہچانی آواز نے اس کے قدم روک دیئے ـ

اس کے سامنے اسپیشل وارڈ کے دروازے پہ مینا کھڑی تھی ـ

"کیوں مینا ـ خیریت ؟" وہ دوڑ کر اس کے قریب آیا ـ "تم یہاں ـ کیسے ــ؟"

"آپ سے کہا تھا نا ــــ نانا میاں کو یہاں شریک کرا دیا تھا ــــ" وہ سسک کر بولی ـ "صبح کو ڈاکٹر کا فون ملا کہ نانا میاں کی حالت اچھی نہیں ہے خدا جانے کیا ہذیان طاری ہے ان پر ــــ مجھ سے تو دیکھا بھی نہیں جاتا ان کے پاس ڈاکٹر اور نرسیں ہیں ــــ مگر آپ یہاں کیوں آئے ہیں ؟"

"امی کو اٹیک کیا ہے ــ ان کا درد سر بڑھ گیا تھا ــــ چلو میں چلتا ہوں تمھارے نانا میاں کو دیکھنے ــــ" اس نے کہا ــــ "کیا تم سیٹھ صاحب کو اطلاع دے کر نہیں آئیں ــ"

"دی تھی ــــ" وہ اس کے پاس سرک آئی ــ "ڈیڈی کے حال پر خدا رحم کرے بالکل اللہ بھولی باتیں کرتے ہیں ــــ کہنے لگے اچھا ہے مرنے دو بڈھے کو ــــ میں ان سے چھپا کر آئی ہوں ــ"

سیٹھ صاحب کے یہاں ایک آدھ مرتبہ مقتدر نے بڑے میاں کو دیکھا تھا مگر اس وقت دیکھ کر اسے واقعی عبرت ہوئی ــ مینا مقتدر کے پیچھے

کھڑی خوف زدہ نظروں سے انھیں تک رہی تھی ــــ وہ اپنے بستر پر مردے کی طرح پڑے تھے ــــ سانس آہستہ آہستہ پوست استخوان سینے میں چکرا رہی تھی ـ جیسے ستر بہتر سال سینے کے محدود قفس میں بند پڑے پڑے گھبرا گئی ہو ــــ وہ بار بار خشک زبان ہونٹوں پر پھیر رہے تھے ــــ

"نانا میاں ــــ؟" اچانک مینا نے آواز دے لی ـ "کیا ہو رہا ہے آپ کو ــ؟"

ان کی دھندلی نظریں آواز کی سمت مڑیں اور پھر یکبارگی مقتدر کے چہرے پر گڑ گئیں ــ بے اختیار ایک جگر خراش چیخ ان کی حلق سے نکلی ــــ

"وصی احمد ــ بیٹے ــ تم کہاں ــ؟" اور اٹھنے لگے ـ

"وصی احمد ــ" مقتدر نے حواس باختہ ہو کر دہرایا "کیا مطلب؟"

"بس ایسے ہی خدا جانے کن کن لوگوں کا نام لے کر چیخا کرتے ہیں!" مینا اس کے کان میں چپکے سے بولی ـ

"بیٹا ـ تم ــ اکیلے ہو؟ ــــ لینے آئے ہو مجھے ــــ" بڑے میاں مقتدر کے چہرے پر نظریں گاڑے کہہ رہے تھے ـ ان کی سانس شدت سے پھول رہی تھی کہ دیکھنے سے دہشت ہوتی تھی ــــ

نرس نے بڑھ کر ان کے بازو میں سرنج گھونپ دی ـ

"اب یہ تکلیف نہ دو مجھے ـ خدا کے لیے ــ" وہ گڑگڑائے "میرے عذاب میں کمی کر دو ــ دیکھو تو وصی احمد آئے ہیں ــ بیٹیا ــــ میری بچی کہاں ہے؟ میری آمنہ ــــ ہائے میری بے زبان بچی ــ اور کیا ننھا سا بچہ ــــ انھیں لے گئے تم اپنے ساتھ ــ جواب دو مجھے ـ وہ کہاں ہیں میری بچی ــ؟"

پھر ان پر غنودگی طاری ہو گئی اور وہ ہانپتے ہانپتے غافل ہو گئے۔

"ڈاکٹر" مینا نے بھرائی ہوئی آواز میں پکارا۔

"مس درانی —— آپ مطمئن رہیئے۔ ہم اپنی بہترین کوششیں کر رہے ہیں"

سرجن حیدر نے نرم آواز میں کہا —— اور ایک نظر بڑی معنی خیز مقتدر پر ڈال کر باہر نکل گیا —— مینا سے معذرت کر کے وہ بھی اس کے پیچھے کمرے سے آ گیا

"کیا کوئی اہم بات ہے جناب ؟" مقتدر نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا

جواب میں سرجن حیدر نے متانت سے سر کو جنبش دی اور آہستہ سے کہا

"یقیناً میں سمجھتا ہوں۔ دیز آر دی لاسٹ مومنٹس —— آپ ان کے تمام عزیزوں کو خبر کر دیجیے —— زیادہ سے زیادہ شام تک — اور بس"

وہ یہ کہہ کر مڑے اور دوسرے وارڈ میں چلے گئے۔

دوسرے لمحے مینا کمرے سے نکلی اور تیر کی طرح مقتدر کے پاس آئی ——

"کیا کہا ڈاکٹر نے —— مجھ سے کہیئے نا ——"

اس کے ذہن میں جھکڑ سے چل رہے تھے جب سے اس نے نانا میاں کے منھ سے اپنے باپ کا نام سنا تھا۔ اور اپنی بیٹی آمنہ کو پکارتے دیکھا تھا اس کے سمجھنے میں شک وشبہ نہ رہا تھا کہ وہی اس کی ماں کے والد اور اس کے اپنے بھی حقیقی نانا تھے —— قدرت کی ستم ظریفی پر اسے ہنسی آ رہی تھی کیسے عجیب طریقے سے ایک کے بعد ایک تقریباً ستائیس برس بعد — ایک ہی اسپتال میں —— ایک دوسرے کی موجودگی سے بے خبر۔ مدتوں کے بچھڑے ہوئے باپ بیٹی اکٹھا ہو گئے تھے ——

اب اسے پتہ چلا کہ سیٹھ صاحب کی کوٹھی میں اس نے جو تصویر دیکھی تھی وہ مینا کی ماں تھیں —— اس کی سگی خالہ جو آمنہ بیگم ہی سے مشابہت رکھتی تھیں

سیٹھ اسمٰعیل درانی ـــ اس کے خالو تھے ـــ مبینا اور ردمانہ اس کی حقیقی خالہ زاد بہنیں ـــ

"کیا یہ ممکن ہے" ـــ وہ خواب کے سے عالم میں بڑبڑایا ـــ "میں کہاں ہوں؟ کیا دیکھ رہا ہوں؟ وہ یکبارگی دیوانوں کی طرح مبینا کو تکنے لگا۔

"میرا جی گھبرا رہا ہے ـــ" مبینا نے اس کا بازو پکڑ لیا ـــ "مجھے گھر چھوڑ آیئے ـــ اللہ سب اچھا ہی اچھا کرے گا ـــ"

"مبینا ـــ!" اس نے عجب سرشاری اور والہانہ انداز میں پکارا۔

"جی؟" وہ معصوم لہجے میں بولی اور اس کے قریب آ گئی ـــ

وہ ازخود رفتہ سا آپ ہی آپ ہنسنے لگا ـــ "کیا یہ عجیب واقعہ نہیں ہے ـــ خواب کا سا ـــ کوئی اپنے بچھڑے ہوئے عزیز سے ملے اور پھر ابد تک کے لئے بچھڑ جائے ـــ"

مبینا اسے تکتی رہی ـــ مقتدر کو خود بخود ہوش آیا اور وہ اس طرح مبینا کو دیکھنے لگا جیسے پہلی بار نظر آئی ہو اس کی گرم نگاہی سے گھبرا کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی ـــ اور جلدی سے پوچھا۔

"کیا کہا تھا آپ سے حیدر صاحب نے ـــ"

"یہی کہا تھا کہ موت وحیات منجانب اللہ ہے ـــ ہم ہر وقت اپنا دل مضبوط رکھیں ـــ!"

"تو کیا ـــ نانامیاں ـــ" وہ سہم گئی۔

"اللہ کی مرضی جو ہوگی وہ بہر حال ہو کر رہے گی۔ تمھیں حوصلہ رکھنا چاہیئے ـــ" مقتدر نے کہا اور پھر یک بیک کسی نئے خیال سے چونک پڑا ـــ

"بینا! ایک بات پوچھوں۔ تمھیں برا تو نہیں لگے گا۔"

"پوچھیے ۔۔۔؟"

"تمھاری ممی کا نام کیا تھا ۔۔۔؟"

"عزیزہ بیگم! ۔۔۔ نانا میاں بڑے پیار سے انھیں اجو کہہ کر مخاطب کرتے تھے ۔۔۔" دونوں نسبتہً سنسان راہداری میں ریلنگ کے سہارے ٹک کر باتیں کرنے لگے ۔۔۔ "آہ وہ بھی بڑے اچھے دن تھے جب تو ل نحوست بن کر ہمارے سروں پر نہیں چھایا تھا۔ بڑی مسرور، مطمئن اور سیدھی سادی زندگی گزار رہے تھے ۔۔۔ ڈیڈی ٹریولنگ ایجنٹ تھے قلیل سرمایہ سے اچھی طرح گزر بسر ہوتی تھی ہم چاروں بڑی سکھی زندگی بسر کر رہے تھے پھر ماموں جان کے انتقال کے بعد نانا میاں بھی ہمارے یہاں آ گئے وہ بیحد دل شکستہ تھے ۔۔۔ ڈیڈی نے انھیں خندہ پیشانی سے سہارا دیا۔ پہلے وہ ایسے سخت گیر اور سنگدل نہیں تھے۔ ان کی دلدہی اور دلجوئی کرتے تھے۔ نانا میاں کے دل پر محبت سے چرکے لگے تھے۔ ممی بیچاری بھی کچھ اداس اور گم صم رہتی تھیں۔ ایک بار انھوں نے صرف مجھ سے اپنی ہمہ گیر اداسی کی وجہ بتائی کہ بہت پہلے ۔۔۔ ممی کی شادی سے بھی پہلے ان کی بڑی بہن نانا میاں کی مسلسل سختیوں اور نامناسب سلوک کی تاب نہ لا کر گھر سے چلی گئی تھیں ۔۔۔ ان کی گود میں ننھا سا ایک بچہ بھی تھا۔ خدا جانے دونوں کہاں گئے تھے ممی تو کہتی تھیں کہ انھوں نے دنیا کے ستم سے تنگ آ کر بچے کو سینے سے لگا کر کسی کنوئیں میں چھلانگ لگا دی ہو گی ۔۔۔ میں تو کہتی ہوں کہ نانا میاں کو بھی غم نے بگاڑ دیا ہے ۔۔۔"

"اچھا ۔۔۔!" مقصود نے ایک طویل سانس لی اور ریلنگ پر پہلو بدلا

کر پوچھا —— "پھر سیٹھ صاحب کا مزاج کیوں بدل گیا؟ — تم تو کہہ رہی ہو کہ پہلے ایسے نہیں تھے ——"

"غربت، اخلاص و محبت کا سبق سکھاتی ہے —— امارت کچے چونے کی بھٹی ہے — جس میں خلوص، محبت، ملنساری اور انکسار سب کچھ بھسم ہو جاتا ہے ——" بینیا نے بڑے تلخ لہجے میں کہا — "ڈیڈی پر تقدیر مہربان تھی۔ ان کے ہاتھ سنا ہے کہ کوئی قیمتی پتھر لگ گیا تھا جس نے ان کی کایا ہی پلٹ دی —— یک بیک بڑھنے پھیلنے لگے — دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے ایسی ترقی کی کہ شہر کے متمول ترین بزنس میں اور سرمایہ دار بن گئے — عزیز اقارب کی ہمدردی — بیوی بچوں کی محبت — انسانیت شرافت سب تشریف لے گئی اب وہ چلتا پھرتا سکہ ہیں —— انسان نہیں ہیں! کیسی کیسی تکلیفیں ممی کو دی تھیں — انھیں ان کی مفرور بہن کا طعنہ دیا یہ سوچے سمجھے بغیر کہ وہ بے چاری سگے باپ کی ستائی ہوئی گھر سے نکلی تھیں انھیں آوارہ بد چلن بنایا — ایک بازاری عورت ممی کے سینے پر لا بٹھائی غرض کہ اب میں کیا کیا کہوں —— کہاں تک کہوں —— ؟ کون سے ستم ہم پہ ڈیڈی نے نہیں ڈھائے —"

مقتدر کی مٹھیاں کھلنے بند ہونے لگیں —— اس کی نظریں دور دیکھ رہی تھیں — افق تا افق ایک مجبور اور گھبرائی ہوئی لڑکی اپنے چند روزہ بچے کو سینے سے لگائے بھاگ رہی تھی — اس کے کانوں میں ایک سنگدل باپ ظالم بہنوئی کے دلشکن قہقہے گونجنے لگے ——

"خدا منتقم حقیقی ہے ——" غیر شعوری طور پر اس کے ہونٹوں سے نکلا —— اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں — "اگر میں

مجبور ہوں — کسی سے بدلا نہیں لے سکتا — مگر وہ مجبور نہیں ہے اس کے بدلے کا مجھے انتظار رہے گا —"

مینا نے ایک نیک اور بے نفس آدمی کا یہ نیا روپ دیکھا۔ چہرہ سرخ آنکھیں خوں فشاں — وہ ڈر گئی —

"سنیئے — آپ خواہ مخواہ اپنا خون نہ جلائیے —" اس نے اس کے بازو کو تادیبی انداز میں تھام کر کہا۔

"خدا اگر دنیا میں سزا نہ دے۔ نہ سہی حشر کے دن سب اپنا اپنا حساب چکائیں گے — آپ تو چلیے مجھے گھر چھوڑ آئیے — بڑی دیر ہو گئی ہے —"

مقتدر نے ارادہ کیا کہ وہ مینا پر ظاہر کر دے — دونوں ایک دوسرے کے لئے غیر نہیں مگر اس نے خود کو روکا اور جلد ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا —

"میں ابھی آیا —" یہ کہہ کر وہ پھر آمنہ بیگم کے وارڈ میں چلا گیا وہ جاگ رہی تھیں! مقتدر کو دیکھ کر محبت سے مسکرائیں —

"بیٹے — میں اب اچھی ہوں — گھبراؤ نہیں۔ گھر جاؤ اور آرام کرو — دھوپ تیز ہو رہی ہے —"

بس امی جا ہی رہا تھا —" اس نے کہا اور قدرے رک کر پوچھا "آج مجھے یونہی خیال آ گیا — میں نے آپ سے کبھی نہیں پوچھا کہ آپ کے کتنے بھائی بہن تھے —؟"

وہ بے ساختہ ہنس پڑیں — "میرے دیوانے بچے ارے آج کیا ضروری پیش آئی —؟" ان کے ساتھ وہ بھی ہنسنے لگا۔ بڑی زہریلی

تلخ ہنسی تھی ۔۔۔ مگر آمنہ بیگم نے پہچانا نہیں ۔

والد مرحوم کا فاتحہ دینے کا ارادہ کر رہا تھا! خیال آیا کہ آپ کے اور مرحوم بہن بھائیوں کے نام پر بھی فاتحہ پڑھ دوں! آج تک یہ ثواب کمایا ہی نہیں ۔۔۔

آمنہ بیگم اس کی مصنوعی مسکراہٹ اور بناوٹی لب و لہجے میں پوشیدہ نفرت و حقارت کے امڈے ہوئے طوفان کو نہیں دیکھ سکیں ۔ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولیں ۔۔۔ "خواہ مخواہ فاتحہ پڑھ دوگے ۔ شاید اللہ نے انھیں زندہ رکھا ہو ۔ خیر ۔۔۔ میرا ایک بھائی تھا اور مجھ سمیت دو بہنیں ۔۔۔ بھائی کا نام شفاعت احمد تھا! بہن کا نام ۔۔۔ عزیزہ بیگم! کیسی کلیجے میں ہوک اٹھ رہی ہے جیسے اپنے گھر کا سارا نقشہ آنکھوں تلے آ گیا جوں کا توں ۔۔۔"

"میں بعد مغرب پھر آؤں گا ۔۔۔" یہ کہہ کر وہ اٹھا اور مجنونانہ انداز میں پردہ ہٹا کر باہر نکل گیا ۔ بینا اس کی منتظر تھی ۔۔۔ "مجھے نہیں لے چلئے گا ۔ امی کے پاس ۔ کم سے کم دیکھ تو لوں ۔ بات نہیں کروں گی ۔" مگر اس نے اس کی سنے بغیر زینوں کی طرف قدم بڑھا دیئے ۔ مجبوراً اسے بھی اس کے پیچھے بھاگنا پڑا ۔۔۔

گاڑی گھر کی طرف دوڑی جا رہی تھی ۔ مقتدر اس کے پاس ہی بیٹھا تھا مگر اس سے کہیں دور ۔۔۔ ہزاروں میل دور ۔۔۔ اور بینا کچھ کہہ رہی تھی مگر کوئی آواز بامعنی ہو کر اس کے کانوں میں نہیں پہنچی ۔۔۔ ہواؤں کے گرد آلود خشک بگولے اس کے دماغ میں چکرا رہے تھے ۔ رگ رگ میں دھڑک رہا تھا ۔ سینے میں غم و غصے کی ایسی بھٹی سلگ رہی

تھی کہ اس کا اپنا وجود جلا جا رہا تھا۔

کیا کر سکتا ہوں۔ میں ان دونوں کے لئے؛ بے خبری میں وہ دانت پر دانت جکڑ کر بڑبڑایا ——— "آخر آپ کو ہو کیا رہا ہے؟" مینا نے اسے جھنجھوڑ ڈالا "کیا سوچ رہے ہیں یوں دیوانوں کی طرح ———"

"کچھ نہیں مینا۔ کچھ نہیں ———" اس نے جیب سے رومال نکال کر پلکوں پر ڈھلکا ہوا پسینہ پونچھتے ہوئے گلوگیر آواز میں کہا ———

"مجھ سے بھی چھپائیں گے؛ اتنی راز داری۔ کیا میں آپ کی پریشانی آپ کے چہرے سے نہیں پڑھ سکتی ———"

"مجھے افسوس ہے اس بات کا ———"

"کیا ہوا؟" وہ یک بیک گھبرا گئی ——— "کیا نانا میاں گزر گئے ——— کیا آپ کی امی ———!"

"نہ کوئی گزرا ہے نہ گزرے گا ——— ! ظالم و مظلوم ساتھ ساتھ عرصہ دراز تک جیتے ہیں ———"

"خدا جانتا ہے۔ آپ کی آدھی بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی ———"

"جب میری سمجھ میں آجائے گی تو میں تمھیں بھی اچھی طرح سمجھا دوں گا"

وہ خاموش ہو کر ایک گوشے میں سرک گئی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"خفا نہ ہو مینا ———" مقتدر نے بالآخر بے بس ہو کر کہا۔ "جو بات مجھے معلوم ہوئی ہے وہ اتنی دل خوش کن اور خوبصورت نہیں ہے کہ سن کر تمھیں خوشی ہو! ہو سکتا ہے کہ تمھیں صدمہ پہنچے ———"

"آپ کی مرضی ——— نہ کہئے۔ میں اصرار نہیں کرتی ———"

مقتدر نے ہاتھ بڑھا کر درمیانی پردہ برابر کیا اور پھر مینا کی بانہہ تھام کر

اسے اپنے پاس کھینچ لیا۔
"کیا تمہیں یقین آئے گا۔ مینا کہ تم ـــــ اور میں ـــــ آپس میں غیر
اور اجنبی نہیں ہیں ـــــ"
بینا کھلکھلا کر ہنس پڑی ـــــ "بڑا معمہ آپ نے بجھا دیا۔ ارے یہ
کون سی بے یقینی کی بات ہے ـــــ میں کب آپ کو غیر اور اجنبی سمجھتی ہوں"
"کیا تمہیں اس پر بھی یقین آجائے گا کہ ـــــ تمھارے نانا ـ جناب
صمدانی احمد صاحب ـــــ دراصل میرے بھی حقیقی نانا ہیں؟"
"نہیں؟" وہ تحیر و استعجاب کی تصویر بن کر رہ گئی ـــــ "سچ کہیے ـــــ"
"میں بھی اسی تشکیک اور بے یقینی کے جانگسل دور سے گزرا تھا ـ!
مگر پھر باور کرنا پڑا ـــــ ذہن پہ زور دو ـــــ کیا تمھیں اپنی ممی اور میری امی
کی شکلوں میں مشابہت معلوم نہیں ہوتی؟ وہ قدرتی محبت جو تمھیں اور روانہ
کو صرف پہلی بار دیکھ کر امی کے دل میں پیدا ہوئی تھی ـــــ کیا اس بات کا ثبوت
نہیں ہے؟ ـــــ مینا تم اور میں ـــــ ایک ہی ٹہنی کے برگ و بار ہیں ـ
تقدیر کے جھکڑ نے جنھیں شاخ سے جدا کر کے معلوم نہیں کتنی دور پھینک
دیا! ـــــ کتنا عجیب لگتا ہے ـــــ تم میری ـــــ خالہ زاد بہن ہو ـــــ؟"
بینا پہلے تو ایک عجیب سے سکتے اور سناٹے میں گم رہی ـ پھر وفور مسرت
سے بے ضبط ہو کر بے اختیار اس کے کندھے سے لپٹ گئی ـــــ
"اب آپ کو مجھ سے کون جدا کر سکتا ہے" وہ بے حد مسرور آواز میں
چہکی ـــــ ڈیڈی کو جب معلوم ہوگا کہ آپ ان کے حقیقی بھانجے ہیں تب
انھیں کتنی خوشی ہوگی ـــــ!"
"پتہ نہیں ـــــ" وہ زیر لب بولا ـ

گاڑی کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہوئی ــــ اور پورٹیکو میں پہنچ کر رک گئی

ڈرائیور نے پٹ کھولا۔

"آیئے ــ اتریئے ــــ!" مینا کا چہرہ فرطِ مسرت سے لالہ فام

ہو رہا تھا ــــ "ڈیڈی سے نہیں ملیئے گا ــــ؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا ــــ "نہ میں ملوں گا اور نہ مجھے یہ پسند ہے کہ

تم اس نئے رشتے کا اعلان اپنے والد محترم سے کرو ــ کیا تمھیں معلوم

نہیں ہے انھوں نے کیسے شریفانہ الفاظ تمھاری قابلِ تکریم خالہ کی شان

میں ارشاد فرمائے تھے ــــ یہ میری درخواست ہے مینا! جو بات آج

تک ڈھکی چھپی رہی ہے ... وہ ہمیشہ یونہی رہے ــ اگر تمھیں میرا

خیال ہے تو تمھیں میری التجا کا بھی احترام کرنا پڑے گا ــ!"

"روحانہ سے بھی نہ کہوں ؟" وہ یوں بجھنے لگی جیسے آفتاب اپنی کرنیں

آہستہ آہستہ لالہ کے رخ سے سمیٹ کر اسے ویران اور پژمردہ کردے۔

"کسی سے نہیں ــــ!" مقتدر نے مضبوط لہجے میں کہا ــ "اور اب

مجھے اجازت دو ــ میں واپس جاؤں گا ــــ"

اتنی تیز دھوپ میں واپس کہاں جایئے گا! اتر آیئے نا ــ" مینا نے

ملتجی انداز میں کہا ــــ "روحی سے بھی مل لیجئے ــ پھر ہم ساتھ ساتھ

شام کو ہسپتال جائیں گے ــ!"

"یہی ٹھیک ہے ۔ صاحب ــــ!" اچانک ڈرائیور نے بھی اپنی

موٹی آواز میں لقمہ دیا ــــ مقتدر کو ہنسی آگئی ، وہ شوفر کے کندھے پر

ہاتھ ٹیک کر اتر آیا ــــ دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے اوپر بڑھ گئے

برآمدہ میں روحانہ ملی ــ آج اس کے چہرے پر حزن و ملال کی کوئی

علامت نہیں تھی، بلکہ وہ بشرے سے کسی قدر برہم آشفتہ خاطر اور غصیلی نظر آرہی تھی! خاموشی سے اس نے مقتدر کو سلام کیا اور چہرہ پھیر کر ایک کروٹن کی پتیاں نوچ نوچ کر پھینکنے لگی!

اب دیکھتے ہیں —— مقتدر صاحب —— مینا نے گلہ کیا —— "یہ ابھی سے غیر ہوگئیں —— اتنی بدل گئی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے —— پرانی رومانہ کی جگہ کوئی نئی رومانہ آگئی ہے —— !"

"جس سے جدائی مقسوم ہو۔ اس سے دور ہی رہنا ٹھیک ہے" رومانہ نے سفاک لہجے میں جواب دیا —— "امریکہ کی روشن دنیا۔ جہاں جاکر میں کھو جاؤں گی —— وہاں —— مجھے تم کہاں ملو گی باجی؟ —— تم اندھیروں میں پڑی سسکا کروگی —— تمھیں نہیں معلوم —— ڈیڈی نے میرا مقدر جگا دیا۔ خدا ہی جانے اپنی بیٹی کی قیمت انھوں نے ٹنڈر میں کتنی بھری ہے —— یا خدا —— وہ اچانک آسمان کی طرف منھ اٹھا کر چیخی —— "تو دیکھ رہا ہے —— تو دیکھ رہا ہے —— جس طرح میرا ظالم باپ اپنے مفاد کی خاطر مجھے میری بہن سے جدا کر رہا ہے —— تو اسے اسی طرح اس کی دولت اور دنیا سے جدا کردے —— !"

پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا اور ہچکیاں لینے لگی ——

مینا کے رونگٹے کھڑے ہوگئے —— وہ سناٹے میں گم کھڑی تھی مقتدر نے البتہ رومانہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا —— "اس طرح جل جل کر جینا کیا ضروری ہے —— رومانہ! تم تعلیمیافتہ، روشن خیال اور سمجھدار لڑکی ہو —— انکار کردو —— !"

"اگر بس میں ہوتا تو کر دیتی — مقتدر بھیا —!" وہ آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی — "آپ کو کیا پتہ — اس گھر میں صرف ڈیڈی کی آمریت چلتی ہے — آہ — ابھی تو ایک اور ظلم ہوگا —" اس نے سرسری نظر مینا پر ڈال کر کہا — "آج صبح سے ڈیڈی کے بہت پرانے دوست ان کے پاس بیٹھے ہیں۔ شاید ان کا بھی کوئی لڑکا ہے — جس کا پیغام انھوں نے باجی کے لئے دیا ہے! میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ پیغام نامنظور نہیں کیا جائے گا —"

مینا کا چہرہ سفید پڑ گیا — سہم کر مقتدر کو دیکھنے لگی — اس کے ذہن میں بجلی سی چمک گئی — عبید نے اسے غلط اطلاع نہیں دی تھی — کیا اوصاف اب بھی بازی لے جائے گا —

"لڑکیوں کو ڈیڈی نے بھیڑ بکریوں کا درجہ دے رکھا ہے —" مینا نے غصیلی آواز میں کہا — "میں یہ ظلم ہرگز نہیں برداشت کروں گی! انکار کر دوں گی — جان کی پرواہ کس کو ہے —؟"

"ہاں باجی ہمت کیجئے —" ریحانہ نے اپنے آنسو پونچھ لئے — "میری طرح بزدل نہ بنئے گا کہ اپنی زندگی آپ جبر کی صلیب پر چڑھاویں —"

"اتنے میں باہر کے ڈرائنگ روم سے بڑی بھاری بھرکم قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں — شاید سیٹھ صاحب کے ملاقاتی رخصت ہو رہے تھے —

مقتدر کے بدن میں خون سنسنا رہا تھا! کوئی حیوانی جذبہ طوفان بنا اس کے دماغ میں تہلکہ مچا رہا تھا کہ گلا گھونٹ دے۔ سیٹھ صاحب کا اور چڑھ جائے پھانسی پر — اسے ان کے تصور سے بھی نفرت تھی —!

پھر زنانی قدموں کی دھمک — بھئی اپنے سر دل پہ گو بھی تو معلوم ہوئی اور دوسرے

لمحے صحن کا پردہ ہٹا کر سیٹھ صاحب اندر آئے —— وہ تینوں سامنے ہی کھڑے تھے —— جن پر ان کی بھرپور نظریں پڑیں۔ روبانہ نے نفرت سے رخ پھیر لیا مینا خوفزدہ ہو گئی اور انتقام کے خیال نے مقتدر کے سینے میں جو الاسی بھڑکا دی —— سیٹھ صاحب بھی دو منٹ اپنی جگہ کھڑے رہے —— ! پھر بڑی خاردار آواز میں کہا ——

"امتحان کا جھگڑا ختم ہونے کے بعد ان حضرت کی آمد کی کیا ضرورت ہے —— ؟ کیا نتیجہ سنانے آئے ہیں —— ؟"

"ڈیڈی —— میں —— !" مینا نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر سیٹھ صاحب نے بات کاٹ دی ——

"کچھ نہیں ! ان کی جتنی تنخواہ بنتی ہو، دے دو اور ان سے کہو کہ آئندہ زحمت نہ کریں ——"

لڑکیاں خجالت کے مارے پسینے پسینے ہو گئیں۔ مقتدر بڑی توجہ اور دلچسپی سے ان کا جائزہ لے رہا تھا ——

"لائیے جناب۔ تنخواہ دیجئے اور مجھے رخصت کیجئے ——" اس نے حقارت سے ہنس کر کہا اور روبانہ کی طرف ہاتھ پھیلا دیا۔

"ڈیڈی آپ کو معلوم نہیں کہ یہ —— " مینا سے ضبط نہ ہو اگر مقتدر نے اچانک اس کے ہونٹ پر ہاتھ رکھ دیا۔ سیٹھ صاحب کا پارہ آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ دہاڑ کر بولے ——

"یہ کیا ناٹک ہو رہا ہے میری آنکھوں کے سامنے —— اس گدا گر بچے کی یہ مجال —— وہ تمہارے منہ پر ہاتھ رکھ دے —— مینا —— میں تمھیں حکم دیتا ہوں —— کہو کیا کہہ رہی تھیں ——"

"ڈیڈی ——" اس نے بڑھ کر مقتدر کا ہاتھ پکڑ لیا —— "خفا نہ ہوئیے انھیں تو میں اپنے ساتھ لائی تھی —— میں، نانا میاں کو ہسپتال میں داخل کرنے گئی تھی —— وہیں یہ بھی اپنی امی کو لے کر پہنچے تھے —— انھوں نے روبی کو پڑھایا ہے ڈیڈی —— میں نے کہا تھا کہ چل کر مل لیجئے ——"

"جی نہیں! —— یہ سب غلط ہے ——" مقتدر نے بڑے اطمینان سے کہا —— "میں اپنے ایک کام سے آپ کے پاس آیا تھا اگر اجازت دیجئے تو عرض کردوں ——"

سیٹھ صاحب ایک اساطیری دیو کی طرح کھڑے تھے۔ ان کے جسم کا غیر قدرتی پھیلاؤ —— خدا کی پناہ۔ خون برساتی ہوئی آنکھیں —— اور گول بھری ہوئی عظیم الشان داڑھی جو بڑے سے پنکھے کی طرح ان کے فراخ سینے پر پھیلی ہوئی تھی ——! ان سے نظریں چار کرنا بڑے دل گردے کا کام تھا ——

"کیا کام ہے ——؟ بالآخر وہ گرج کر بولے ——

"مجھے اپنی غلامی میں قبول کر لیجئے ——" مقتدر نے سر جھکا کر بڑی سعادت مندی سے کہا ——

"کیا ——؟" سیٹھ صاحب آنکھیں نکال کر اتنے زور سے دہاڑے کہ ان کی آواز پھٹ گئی —— وہ آپے سے باہر تھے۔ چنگھاڑ چنگھاڑ کر اپنے ملازمین کو پکارنے لگے اور خود گھونسہ تان کر اس کی طرف جھپٹے! روما نے چیخ مار کر جھپٹی اور باپ کا ہاتھ پکڑ لیا —— پھر وہ مقتدر کی طرف پلٹ کر گھگھیائی —— "آپ چلے جائیے —— خدا کا واسطہ آپ کو —— میری قسم چلے جائیے ——"

"آپ کو پچھتانا پڑے گا سیٹھ صاحب! خدا کا انصاف دور نہیں ہے۔"

مقتدر نے قہر آلود لہجے میں کہا اور ایک پر حقارت نظر ان پر ڈال کر چلا گیا۔

مینا نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔ وہ اسے گھورنے لگے۔

"مینا۔" ان کی آواز سرد اور خوفناک تھی۔ "میری طرف دیکھو اور مجھے جواب دو۔ کیا وہ بدمعاش اور ذلیل آدمی تمھاری ایما پر یہاں آیا تھا۔؟ کیا اس نے تمھارے اعتماد پر یہاں قدم رکھنے کی جسارت کی تھی۔؟ مینا۔ مینا۔ بتاؤ۔ جواب دو مجھے۔" وہ چیختے چیختے کھانسنے لگے۔

مینا کا دم لبوں پر آرہا تھا! وہ صرف سسکتی رہی۔ سیٹھ صاحب کا غیظ و غضب۔ چیخ پکار۔ جیسے کسی بپھرے ہوئے سمندر کی غصیلی موجیں چٹانوں پہاڑوں سے سر ٹکراتی انھیں پاش پاش کرتی بڑھتی جارہی ہوں۔

"بہت اچھا۔ تم بھی دیکھ لوگی۔ میری عزت و عظمت سے کھیلنے کا کیا انجام ہوتا ہے۔" انھوں نے غصے میں کانپتے ہوئے کہا۔ "اس دو ٹکے کے آدمی کی یہ مجال۔ میرے سامنے وہ اپنے ناپاک ہاتھ سے تمھارا منھ بند کرے۔ کچھ کہنے سے روک دے تم کو۔ مینا۔ اصلی مجرم تم ہو سزا تم کو ملے گی۔ اگر۔ اگر۔ تمھارا اعتماد اسے حاصل نہ ہوتا تو وہ اس طرح میرے منھ پر تھپڑ مارنے کی کوشش نہ کرتا۔ اچھی بات ہے۔ میں دیکھ لوں گا۔" وہ مڑے اور باہر چلے گئے۔

"ڈیڈی۔ ڈیڈی۔ سنیے! رحم کیجیے۔ ڈیڈی۔" مینا بلکتی رہی۔

سیٹھ صاحب نے اپنے تمام ملازموں کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ اب وہ اپنے خاص بے رحم انداز میں سب سے پوچھ رہے تھے۔ کیا ان سب نے مینا

کو مقتدر کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا تھا؟"

بے شک ان میں سے بہتوں نے دیکھا تھا! لیکن وہ سیٹھ صاحب کے غضب اور مینا کے انجام سے بھی واقف تھے — نفی میں سر ہلا کر گڑگڑائے

"نہیں سرکار — ہم نے نہیں دیکھا۔"

"افضل — تم کہاں سے لائے تھے اسے اور صاحبزادی کو —!"

افضل مدت سے مقتدر کو جانتا تھا۔ بہتیری بار وہی مینا کے حکم پر مقتدر کو اس کے گھر پر لایا تھا اور یونیورسٹی سے لایا گیا تھا۔ لیکن وہ بھی جہاندیدہ رحمدل اور تجربہ کار تھا — بڑی مسکینی سے سر جھکا کر بولا۔

"صبح ہی سے آپ کی سروس میں تھا حضور —! میں تو کہیں آیا گیا نہیں"

"جاؤ دور ہو —" سیٹھ صاحب نے کہا اور پلٹ کر اپنے کمرے میں آگئے۔ اسٹینڈ سے ریسور اٹھایا اور کسی کے نمبر ملانے لگے —

"ہاں بھئی — میں بول رہا ہوں —" انھوں نے لہجہ سنبھال کر اپنے مخاطب سے کہا — "آپ سے میں نے کچھ دیر پہلے کہا تھا کہ — سوچ کر جواب دوں گا — مگر۔ اب .... جی ہاں میں نے سوچ لیا ہے مبارکباد کا شکریہ — میں مینا کا رشتہ اوصاف میاں سے قبول کرتا ہوں —!

ہاں۔ ہاں — ضرور۔ آپ بالکل اطمینان رکھیئے — میں انھیں جرمنی بھجوا دوں گا —"

مردانہ کا نکاح بے حد سادگی سے ہوا حالانکہ فریقین دل کھول کر اپنے

اربان پورے کر سکتے تھے مگر امیر احمد کے والد کو بے جا دھوم دھام پسند نہیں تھی اور سیٹھ صاحب تو درحقیقت اپنا فرض پورا کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ مبینا کے ساتھ ہونے والے قصہ نامرضیہ نے ان کا سارا موڈ بگاڑ کر رکھ دیا تھا! پھر انھوں نے یہ بھی سوچا کہ چلو اسی بہانے زائد مصارف کے بوجھ سے بچے! امیر احمد سہ اپنے باپ اور چند دوستوں کے ایک مقررہ سہ پہر کو آیا۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد اس کا نکاح کر دیا گیا۔

رات کو البتہ سیٹھ صاحب نے ایک نہایت شاندار ڈنر دیا جس میں ان کے اور شیخ صاحب کے خاص خاص احباب مدعو تھے! باہر خاموش چہل پہل تھی اور اندر رومانہ اپنی بہن سے لپٹی آنسو بہا رہی تھی۔ دونوں لڑکیاں تقدیر پر شاکر تھیں! اس کے سوا وہ اور کر ہی کیا سکتی تھیں۔

تقریباً گیارہ بجے رات کو ایک ملازمہ نے اندر خبر کی۔ "رومانہ تیار ہو جائے اس کی رخصتی ہے۔"

"سجائیے سنوار دیئے مجھے باجی۔!" رومانہ نے سر جھکا کر مبینا سے کہا "آپ کی آنکھوں سے جو خون برس رہا ہے اس کی مہندی لگائیے۔ آپ کی پلکوں سے جو ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں ان سے میری مانگ میں افشاں بھریئے۔ آپ کے دل کی گہرائیوں سے آہوں کا جو دھواں اٹھ رہا ہے اس سے میرا عروسی لباس مہکائیے باجی۔ مجھے دلھن بنا دیکھئے۔ پھر میں آپ سے رخصت ہو جاؤں گی۔ میری اچھی باجی۔ میری ماں۔" اور یک لخت وہ زار و قطار رونے لگی۔

مبینا نے اس کا سر سینے سے لگا لیا۔ "نہ رو۔ میری رومی۔ گھبرا جاؤ گی کیا کسی کی شادی نہیں ہوئی۔ کوئی دلھن گھر سے رخصت نہیں ہوتی۔"

"زندہ جنازہ ــــ" رومانہ بیہوشوں سے بدتر تھی ــــ اس کا بدن بخار سے جل رہا تھا۔ حواس مفلوج تھے۔ دماغ میں سناٹا چھایا ہوا تھا ــــ

ڈنر کے بعد ایک نئی گاڑی گیٹ سے اندر آئی۔ جو اس سے پہلے نہیں آئی تھی ــــ رومانہ عروسی لباس میں ملبوس مینا کے سہارے اپنے کمرے سے نکلی ــــ ایک اجنبی ہاتھ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ سیٹھ صاحب نے رسمی طور پر اسے دعائیں دیں ــــ مینا نے بڑے صبر و سکون سے مسکرا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا ــــ

پھر اس نے اس کے دولہا کو دیکھا ــــ ایک نوعمر سنجیدہ سا لڑکا تھا جس کے چہرے سے ناگواری برس رہی تھی اور مسرت یا تبسم کا کہیں نام و نشان نہیں تھا ــــ مینا کے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ بھی اپنے باپ کے ظلم و استبداد کا شکار تھا ــــ امیر احمد نے رومانہ کا ہاتھ تھاما اور اس کے ساتھ باہر مڑ گیا ــــ مینا اپنے کمرے میں آئی اور بستر پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ــــ

سیٹھ صاحب نے رومانہ کے جانے کے بعد چوکیدار کو گیٹ مضبوطی سے بند کر دینے کی تاکید کر کے اوپر آئے اور اپنے کمرے میں چلے گئے ــــ بڑا بوجھ ان کے سر سے ٹلا تھا ــــ

رات ستاروں کو لئے جھوم رہی تھی۔ ہر طرف ایک پرفسوں سناٹا چھایا ہوا تھا نہ کہیں آہٹ نہ آواز ــــ ہوائیں بھی دم روکے پڑی تھیں! ایک جانب میں ٹیبل روز مہک رہے تھے ــــ سب کچھ اداس تھا! زمین سے آسمان تک سناٹا طاری تھا ــــ رات کے بوجھل قدم آہستہ آہستہ منزل سحر کی طرف رواں دواں تھے ــــ

صبح حسب معمول تھی ــــ ملازمہ نے مینا کی بیڈٹی پہنچائی اور اس کے پاس جھک کر مدھم لہجے میں اطلاع دی ــــ "صاحبزادی - آپ کا فون ہے ــــ"

"یہیں لے آؤ ــــ" مینا نے کہا اور سر زانوؤں میں جھکا لیا ــــ ملازمہ وائر اور فون اس کے پاس لے آئی - فون ڈاکٹر حیدر کا تھا! انھوں نے نہایت غیر اہم انداز میں مینا کو اس کے نانا کے انتقال کی خبر سنائی ــــ

ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ــــ

سیٹھ صاحب غالباً ابھی تک سو رہے تھے وہ جلدی سے لباس بدل کر نکلی اور اچانک مردانے ڈائننگ ہال میں باہر ان سے مڈبھیڑ ہو گئی ــــ

"کہاں ؟ ــــ" انھوں نے نہایت پر اہمیت طریقے پر سگار سلگاتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھا ــــ

"نانا میاں کا انتقال ہو گیا ــــ" مینا نے جواب دیا ــــ "ابھی ابھی حیدر صاحب نے فون پر اطلاع دی ہے ــــ"

"تو پھر ــــ تم کہاں جا رہی ہو ــــ؟" انھوں نے پوچھا - اور اپنے خسر کی موت پر کسی قسم کی حیرت یا تاسف کا اظہار نہیں کیا ــــ

"آپ ہی بتائیے ڈیڈی ــــ کیا ان کی لاش سپتال ہی میں پڑی رہے گی" اس نے جارحانہ انداز میں کہا ــــ

"کیا ان کی لاش یہاں آئے گی ــــ؟"

"جی ہاں ــــ!"

"یہ ناممکن ہے ــــ میں حیدر صاحب کو مطلع کرتا ہوں - وہ لاش میڈیکل کالج کے حوالے کر دیں ــــ"

"ڈیڈی ــــ؟" مینا کان بند کر کے چیخی ــــ "یہ نہیں ہو سکتا! میں تمام عمر

پہنچتی پھرو ں گی — آپ بھول گئے — آپ بھی انسان ہیں — فانی

— بے حقیقت —!"

اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی —

ہسپتال میں اسے ڈاکٹر حیدر ملے اور اس کی آمد پر بڑا تعجب کیا: "کیوں

مس اسمٰعیل - اب کیا بات ہے — آپ یہاں کیسے ؟"

"کیوں کرنل — ؟" مینا نے بھی حیرت سے پوچھا۔

"سیٹھ صاحب نے کوئی پندرہ منٹ پہلے فون کیا تھا کہ لاش طبی کالج کے حوالے

کر دی جائے — میرا خیال ہے کہ ضروری کاغذات پر اندراج ہو رہا ہوگا —"

"میں تو لاش بہر حال لے جاؤں گی — آپ ضروری کاغذ پھاڑ کے

پھینک دیجئے - حیدر صاحب - جس نے آپ کو اس قسم کی اطلاع دی ہے وہ

مرنے والے کا کوئی نہیں ہے — مگر میں اس کی نواسی ہوں —"

"بہت بہتر —" ڈاکٹر حیدر نے کہا اور وہاں سے چلے گئے —

دس بجتے بجتے مقتدر بھی ہسپتال پہنچا - اس کے ساتھ عبید بھی تھا سب

سے پہلے مقتدر کو اپنے نانا کے انتقال کی خبر ملی اور پھر لاونج میں خلاف

توقع مینا بھی مل گئی ! وہ بےحد افسردہ نظر آ رہی تھی —

"بس ایسے ہی ایک ایک کر کے سب منصف حقیقی کے دربار میں پہنچ جائینگے"

مقتدر نے کہا — "ہم ایسوں کے لیئے ایسی موتیں عبرت کا سامان ہیں !

رنج کی کوئی بات نہیں —"

"ڈیڈی نے کہا ہے کہ — !" مینا کہتے کہتے رک گئی اور وہ عبید

کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئی —

"یہ میرے تنہا مخلص دوست ہیں - عبید کرمانی !" مقتدر نے کہا اور

یہ میریا ۔۔۔ مس درانی ۔۔۔"

"مقتدر صاحب ۔۔۔" بالآخر اس نے کہدیا۔ "ڈیڈی کہہ رہے ہیں کہ کل ہی رومانہ کی شادی ہوئی ہے اور آج اسی دروازے سے جنازے کا نکلنا بدشگونی ہے ۔۔ جس سے کل دلھن رخصت ہوئی ہے ۔۔۔"

"ٹھیک ہے ۔۔۔!" عبید بیساختہ بول پڑا ۔۔

"تو پھر جنازہ میرے گھر سے نکلے گا! عبید انتظام کرو ۔۔" مقتدر سخت غصے میں بپھر کر بڑے جوش سے بولا ۔۔ "میت کو میرے یہاں پہنچا دو ۔۔۔"

یہ کہکر وہ اپنی ماں کے کمرے میں چلا گیا! ۔۔۔ ان کے پہلو میں گرا اور سوکھی سوکھی سسکیاں لینے لگا ۔۔ کتنی زبردست ٹریجڈی تھی ۔۔ ایک باپ مدت تک اپنی بیٹی کی یاد میں تڑپتا رہا ۔۔ ایک بیٹی باپ کی حسرت سے کبکتی رہی اور باپ ایک دیوار آڑے تھا ۔۔۔ وہ مر گیا مگر بیٹی سے نہ مل سکا۔ مقتدر نے اپنی ماں سے کچھ بھی نہیں کہا ۔۔ ہو سکتا تھا کہ ان کی بے تابی اور بے قراری کوئی نیا حادثہ کرا دیتی ۔۔۔

آمنہ بیگم بے چین ہو کر اس سے اس کی بے تابی کی وجہ پوچھ رہی تھیں مگر وہ کیا بتاتا ۔۔

"آپ کے بغیر گھر میں جی نہیں لگا۔ ساری رات نیند نہیں آئی ۔۔۔!" وہ یہی کہہ سکا ۔۔۔

"ساری رات مجھے بھی بے چینی سی رہی ۔۔۔!" وہ بولیں "پڑوس کے کمرے سے عجیب عجیب آوازیں آرہی تھیں ۔۔۔ صبح سے سناٹا ہے۔ خدا معلوم کیا ہوا ہے ۔۔۔ کون تڑپ تڑپ کر گزرا ہے کس کی بے قراری کو قرار آیا ہے ۔۔۔"

"امی ——" وہ مضطرب ہو گیا۔

"معلوم نہیں —— آج کیوں دل بھر آرہا ہے —— عجیب طرح طبیعت گھبرا رہی ہے ——"

"سر میں درد تو نہیں ہے امی ——" اس نے بات بدل دی "اچھا علاج تو ہو رہا ہے ——"

"ہاں بیٹا۔ سب ٹھیک ہے ——"

دروازہ کے باہر بہت سے لوگوں کے بولنے کی آوازیں اور مردہ بردار اسٹریچر کی بھیانک گڑگڑاہٹ سنائی دے رہی تھی ——

"مقتدر ——" اچانک دروازے پر جبید نے پکارا —— وہ اٹھ کر لپکا

"سچ مچ گھر سے جاؤں انھیں ——" جبید نے پوچھا۔

"ہاں ——" وہ دانت پر دانت جکڑ کر بولا —— "میں سیٹھ صاحب کو ذہنی ذک پہنچانا چاہتا ہوں ——"

"اور —— مس دُرانی ——" جبید کا لہجہ استفہامیہ تھا!

"ان سے میں استدعا کروں گا —— وہ خواہ مخواہ ایک غمناک پریشانی میں نہ پڑیں —— کوٹھی چلی جائیں ——"

"تم تو آرہے ہو نا؟ ——"

"بس پندرہ منٹ میں پہنچتا ہوں ——"

"لڑکی نہایت شریف اعلیٰ خیال اور خوش سیرت ہے تمھارے انتخاب کی مبارکباد دیتا ہوں —— اس کے حصول میں جان کی بازی لگا دینا۔ ہمت نہ ہار جانا ——" جبید سرگوشی میں بولا۔

مقتدر بوقت مسکرایا۔ "حالات سے لڑ سکتا ہوں جبید۔ قسمت سے

نہیں ——!"

مبینا کو یہ سن کر بہت اطمینان ہوا کہ مقتدر اپنے نانا کو اپنے گھر لے گیا کیا تو وہ ان سے بدلہ لینے کا ارادہ رکھتا تھا نہ کہ حالات نے اسی کے ہاتھوں ان کے آخری رسومات انجام دلوائے۔ تقدیر کس طرح کٹھ پتلی کی طرح انسان کو نچاتی ہے۔ کسی کو معلوم نہیں ——

"مبینا بہن ——" جبید نے مودبانہ انداز میں اس سے کہا۔ "اب آپ بے فکر ہو کر گھر جائیے۔ یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے —— اپنے ذہن سے سارے پریشان خیالات نکال ڈالیے —— اللہ پر بھروسہ رکھیئے۔ جب اپنے معاملات انسان کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں تو انھیں خود بخود خدا سنبھال لیتا ہے ——"

مبینا خاموش کھڑی ہی رہ گئی —— جبید اسے خدا حافظ کہہ کر ایمبولنس کے ساتھ چلا گیا —— کیا مقتدر نے سب کچھ اپنے دوست سے کہدیا —— وہ سوچتی رہی! اور پھر آمنہ بیگم کے وارڈ کی طرف چلی گئی ——

"آؤ بیٹی آؤ ——!" آمنہ بیگم اٹھ کر بیٹھ گئیں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا —— نارنجی رنگ کے سادے سے لباس میں وہ بڑی پیاری ہو رہی تھی! وہ بیحد محبت سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتی رہیں۔ مقتدر کو اندیشہ تھا کہ کہیں وہ ان سے سب کچھ کہہ نہ دے —— اُدھر وہ یہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہی تھیں کہ وہ صرف انہی کو دیکھنے آئی تھی ——

"میں گھر جا رہا ہوں —— امی ——!" اس نے کھنکھار کر کہا۔ پھر جیسے ہی آمنہ بیگم کی نظریں اس کی طرف اٹھیں —— اس نے یوں ساختہ بے ساختگی سے لبوں پر انگلی رکھ دی کہ وہ تو نہ سمجھیں مگر مبینا سب کچھ سمجھ گئی۔ مقتدر

چلا گیا اور دیر تک مینا وہیں بیٹھی باتیں کرتی رہی ۔۔۔ گیارہ بجے دن کو جب وہ کوٹھی پہنچی تو امیر اور رومانہ ۔۔۔ رومانہ سبز رنگ کے بڑے بھاری لباس میں لپٹی تھی ۔۔۔ خوبصورت جوڑا ہاروں میں لپٹا تھا! اس کے شرمیلے اور محجوب انداز سے مینا نے پتہ چلا لیا ۔۔۔ وہ زندگی کے اس اتفاق سے ناخوش نہیں تھی ۔۔۔ امیر سفید چوڑی دار پاجامہ اور کتھئی شیروانی میں ملبوس بڑا سنجیدہ ہو رہا تھا اس نے ادب سے جھک کر مینا کو سلام کیا۔

"کبھی ہمارے یہاں آئیے مینا بہن!" اس نے پرخلوص انداز میں کہا ۔۔۔ "رات کو "انھوں" نے کچھ اس طرح آپ کا تذکرہ و تعارف کیا! کہ میں آپ سے نہ ملنے کا بجا طور پر شاکی ہو گیا تھا! مجھے افسوس ہے ۔۔۔ تو پھر چلئے بہن! تھوڑا سا وقت ساتھ رہ کر گزاریں ۔۔۔"

"آپ کو معلوم نہیں امیر بھیا! آج ہمارے نانا کا انتقال ہو گیا" مینا نے کہا ۔۔۔ وہ یکلخت بڑی تلخ ہو گئی ۔۔۔ ان کے آخری رسوم کی تیاریاں ہو رہی ہوں گی ۔۔۔ معاف کیجئے ۔ میرا کہیں آنے جانے کا دل نہیں چاہتا اب تو یہ سب کچھ ایک طویل مدت تک کے لئے ملتوی کر دیجئے ۔ جب آپ اور رومی لکھنؤ سے واپس آ جائیں گے تب جی بھر کے گھومیں گے۔"

"باجی ۔۔۔" رومانہ نے دل تھام کر پوچھا ۔۔۔ "نانا میاں کی میت کس کے گھر گئی ۔۔ آؤٹ ہاؤز تو خالی ہیں ۔۔۔"

"ہاں ۔۔" مینا نے کہا ۔۔۔ "انھیں مقتدر صاحب اپنے یہاں لے گئے ۔۔۔ وہ انھیں شاید پہچانتے تھے ۔۔۔"

"مجھے افسوس ہے مینا بہن!" امیر نے سر جھکا لیا ۔۔۔ "اچھی بات ہے آپ آرام کیجئے ۔ مجھے بابا نے جلد تر واپس آنے کی تاکید کر دی تھی ۔۔۔ بس

پھر آؤں گا ۔۔۔"

"ٹکماس کب جا رہے ہیں آپ؟" مینا نے پوچھا۔

"جی ۔۔ بس اسی اتوار کی شام کو نکل جائیں گے ۔۔۔" امیر نے کہا اور سیٹھ صاحب سے ملنے چلا گیا ۔۔ مینا نے ملازمہ کو ان کی ضیافت کرنے کا حکم دیا اور رومانہ کے ساتھ برآمدے میں نکل آئی ۔۔۔

"کیسے لوگ ہیں رومی؟ مینا نے پوچھا ۔۔۔ "خدا نہ کرے ڈیڈی کی جلد بازی نے تمھیں کوئی دکھ تو نہیں پہنچایا؟ ۔۔۔ میں ساری رات جاگتی رہی اور یہی سوچتی رہی ۔۔۔

"ابھی تک تو کچھ پتہ نہیں باجی ۔۔۔!" رومانہ نے جواب دیا۔ "گھر میں کوئی ہے ہی نہیں ۔۔۔ امیر صاحب کی ممی بہت پہلے ختم ہو چکیں۔ سیٹھ صاحب اپنے ڈیڈی کا ڈپلی کیٹ ۔۔۔ انھیں کسی سے کوئی مطلب نہیں ہے ۔۔۔"

"امیر عادت واطوار کے کیسے ہیں؟"

"معلوم نہیں ۔۔۔" رومانہ کا چہرہ سرخ ہو گیا ۔۔۔ "انھوں نے مجھ سے زیادہ باتیں نہیں کیں ۔۔۔ شرماتے رہے ۔۔۔ میں بھلا کیا بولتی ۔۔۔" یہ کہہ کر وہ جھینپ گئی ۔۔۔

"رومی ۔۔ تمھارے جانے کے بعد میرا کیا حشر ہو گا؟"

"باجی ۔۔۔ آپ کی تنہائی میری روانگی لابدی ہے ۔۔۔" رومانہ نے کہا ۔۔۔ "میں کل سے اب تک سوچ رہی تھی ۔۔۔ عورت سہارے کے بغیر جی نہیں سکتی! ۔۔۔ آپ ۔۔ مقتدر بھیا کی ہو جائیے ۔۔۔ انھیں اپنا لیجیے باجی ۔۔۔"

"کیا یہ مجھ سے ممکن ہے ۔ رومی ۔۔۔۔؟ مینا نے کہا "میں نے تم سے اب تک کہا نہیں ۔۔۔۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ وہ بھی یہی چاہتے ہیں ۔ جو تم چاہتی ہو۔۔۔ میں اپنے دل کی باتیں تم سے کیا کہوں رومی ۔۔۔ اگر مجھے مقتدر صاحب نہ مل سکے تو شاید میں زندہ نہ رہ سکوں ۔۔۔! وہ میری زندگی بن کر رہ گئے ہیں۔"

رومانہ کچھ اور بھی کہتی مگر امیر اور سیٹھ صاحب آتے دکھائی دیئے ۔ ان کی گفتگو ادھوری رہ گئی ۔۔۔۔

دوپہر کے کھانے کے بعد رومانہ اور امیر بڑی گرمجوشی اور خلوص سے ان سے مل کر رخصت ہوئے ۔ مینا لق ودق کوٹھی میں تنہا رہ گئی ۔ اس نے علاجِ دردِ دل یا خدا میں تلاش کیا ۔۔۔ بڑی لگن اور عقیدت سے ظہر کی نماز پڑھی اور دیر تک دعا مانگتی رہی ۔۔۔۔

ملازمہ نے پھر کسی کے فون کی اطلاع دی ۔۔۔۔ وہ باہر نکلی اور رسیور اٹھا لیا ادھر سے جو آواز آ رہی تھی اس نے اس کی ساری اداسی مایوسی اور سوگواری کافور کر دی ۔۔۔۔ ایک دل پذیر مسکراہٹ اس کے دلکش چہرے پر چاندنی بن کر کھل اٹھی ۔۔۔۔

"مینا ۔۔۔؟" مقتدر کی بھاری اور محبت پاش آواز نے کانوں کی راہ دل میں اتر کر محبت کے ارغنوں چھیڑ دیئے ۔۔۔۔

"جی ۔۔۔۔ آپ ہی کی کنیز بول رہی ہے ۔۔۔۔" وہ یوں گلابی ہو گئی جیسے مقتدر اس کے سامنے ہو ۔۔۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو مینا؟" مقتدر نے کہا ۔۔۔ "بھلا تم اور مجھ گداگر کی کنیز خادم تو میں تمہارا ہوں ۔۔۔۔"

"دیکھئے ۔۔۔۔ اور دل کی کہی ہوئی بکو اس کا بدلہ آپ مجھ سے نہ لیا!

کیجئے ـــ" وہ جھوٹ موٹ بگڑی ـــ

"اچھی بات ہے ـــ" وہ ہنسنے لگا ـــ "میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں مجھے معاف کردو ـــ ایک خوش خبری سناؤں تمھیں ـــ"

"سنائیے ـــ جلدی سے سنائیے! ـــ"

"مینا ـــ آج میرے گھر میری چھوٹی بہن اور چھوٹا بہنوئی مہمان آئے ہیں ـــ" مقتدر کی آواز میں کسی عجیب سے جذبہ کا نشہ گھلا ملا تھا ـــ "میری سمجھ میں نہیں آتا! انھیں کہاں بٹھاؤں ـــ ان کی کیا خاطر کروں ـــ رومی مجھے اپنا بھائی کہتی ہے ـــ وہ امیر کے سامنے ہی مجھ سے لپٹ گئی! اور بہت روئی ـــ اس کے ساتھ تو میں بھی رونے لگا تھا ـــ امیر بھی بہت پیارا بچہ ہے مینا؛ میں دعا مانگتا ہوں ـ پروردگار ـ انھیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے ـــ یہ کیا ـــ مینا؟ ـــ مینا؟ کیا تم رو رہی ہو؟ جواب دو! میں تمھاری سسکیاں سن رہا ہوں ـــ"

"میں آپ کے پاس کیسے آؤں ـــ" وہ سچ مچ رونے لگی ـ "ڈیڈی نے ان کے جانے کے بعد صدر دروازہ بند کرا دیا ہے ـــ مجھے ملازموں کے سامنے اپنی تذلیل منظور نہیں ـــ! میں کیا کروں ـ میں کیا کروں ـ بھیئے آپ کہاں سے بول رہے ہیں ـــ؟"

"ان کے لئے کچھ لینے کیلئے آیا تھا ـــ!" اس کی آواز بوجھل ہو گئی ـــ "مجھے افسوس ہے ـــ میں نے تمھیں خوش خبری سنائی مگر تمھیں رلا دیا ـــ! پیاری بیٹی ـــ تمھیں میری قسم ـــ آنسو پونچھ لو ـــ خدا پر بھروسہ رکھو ـ ہر شب تاریک کی سحر ہوتی ہے ـــ! کچھ نہ سوچو ـــ ہنس دو ـ میری مینا جب تک میں تمھاری ہنسی کی آواز نہیں سن لوں گا نہیں جاؤں گا ـــ"

وہ ہنسنے لگی ۔ آنسو آنکھوں سے ٹپک رہے تھے اور ریسیور پر گر رہے تھے

مگر وہ مقدر کی خاطر ہنس رہی تھی ۔۔۔!

"اچھا مبینا! میں نے سن لی تمہاری ہنسی کی مترنم آواز ۔۔۔ اب میں جاؤں؟

وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے ۔۔۔ میں پھر ملوں گا ۔۔۔"

"بھولئے گا نہیں ۔۔۔"

"نہیں ۔۔۔"

"سنیئے ۔ نانا میاں بیچارے گئے ۔۔۔"

"بہت عرصہ پہلے ہی چلے گئے ۔۔۔"

اس نے خدا حافظ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا ۔۔۔ مگر مبینا عالم محویت میں

ریسیور کان سے لگائے کھڑی فون کو تکتی رہی ۔۔۔

"صاحبزادی ۔۔۔" اچانک کوکب نے اطلاع دی ۔۔۔ "سرکار

آپ کو لائبریری میں طلب فرما رہے ہیں ۔۔۔" اس نے آنچل سے جلدی جلدی

اپنے آنسو پونچھے اور بوجھل قدموں سے لائبریری کی طرف مڑ گئی ۔۔۔

وہ اپنے لمبے چوڑے دیوان پر بیٹھے سگار پی رہے تھے ۔ مبینا کو دیکھ کر سگار

ایش ٹرے میں ڈال دیا ۔۔۔ اور اپنے دیوان میں اٹیچ کوئی سوئچ دبایا کہ

سیلنگ فین آن ہو گیا ۔۔۔ مبینا ان کے پہلو میں پڑی کرسی پر ٹک گئی ۔۔۔

سیٹھ صاحب نے گونجدار آواز میں گلا صاف کیا اور حتی الامکان لہجہ نرم

کرکے بولے ۔۔۔ "فون پر کون تھا ۔۔۔ تم کس سے باتیں کر رہی تھیں ۔۔۔"

"جی ۔۔۔ وہ ۔۔۔" مبینا ہکلائی ۔۔۔ "دراصل وہ میری ایک سہیلی ہے

ڈیڈی عرصہ بعد ملی ہے ۔۔۔ اس لئے ۔۔۔"

"خیر ۔۔۔" انھوں نے بات کاٹ دی ۔۔۔ "میں نے ایک خاص بات

کہنے کے لئے تمہیں بلایا تھا ـــــ

وہ مستفسرانہ انداز میں انہیں دیکھنے لگی ـــــ

"مینا ـــ میں تمہارے فرض سے بھی جلد ہی سبکدوش ہو جانا چاہتا ہوں ـــــ"

ایک آگ سی اس کے دل میں جل گئی ـــــ

"جیسا اچھا اور مناسب رشتہ تمہاری بہن کو ملا ہے ـــ" وہ لہجہ وزنی بنا کر بولے ـــ "وہ تم سے پوشیدہ نہیں اور یہ پیغام بھی نہایت عمدہ ہے ـــ تم میرے دوست دیوان ارشاد حسین صاحب کو نہیں جانتیں ـــ ان کا ایک لڑکا ہے دیوان ادصاف حسین!! میں نے ان کا پیغام تمہارے لئے منظور کر لیا ہے ـــ"

"ڈیڈی ـــ ؟" وہ وحشت زدہ ہو کر کھڑی ہو گئی ـــ "یہ ناممکن ہے ڈیڈی ضروری نہیں ہے کہ میں بھی رومانہ کی سی خوش نصیب ثابت ہوں ـــ"

"کیا مطلب ؟ کیا کہنا چاہتی ہو ـــــ ؟"

"آپ میرے باپ ہیں ـــ بے شک آپ کو مجھ پر حق حاصل ہے ـــ مجھے زہر دے دیجئے ـ میرا گلا گھونٹ دیجئے ـــ مجھے کنوئیں میں جھونک دیجئے مگر ڈیڈی مجھے زندہ دفن مت کیجئے ـــ سسک سسک کر میرا دم نکلے ـــ"

وہ اکھڑ کر بیٹھ گئے ـــ "میں جانتا ہوں ـ مینا ـــ تمہاری یہ گستاخی اور بے شرمی کس بھرم پر ہے ـــ تم ایسی زبان دراز اور سمجھدار بھی نہیں تھیں ـــ بہر حال میں نے تمہیں اطلاع دینے کے لئے بلایا تھا ـــ! اب تم جا سکتی ہو ـــــ"

"میرا بھرم تو آپ کی محبت پر ہے ـ ڈیڈی ـــ!" وہ سر جھکا کر بولی "آپ نے مجھے ہمیشہ اپنی ہی محبت دی ہے اور کون ہے میرا ـــ نہ ماں، نہ

بڑے بھائی بہن ــــ کس کی محبت مجھے گستاخ بنائے گی۔ ڈیڈی ــــ مجھے حکم نہ دیجئے ــــ میں آپ کے ہاتھ جوڑتی ہوں ــــ پاؤں پڑتی ہوں۔ میں مجبور ہوں ــــ میں مرنا نہیں چاہتی ــــ"

"کیا تمہارا انکار صرف اوصاف حسین کے لئے ہے ــــ؟" وہ سخت بے رحمی سے ہنسے ــــ

"جی ــــ؟" وہ کچھ نہیں سمجھی ــــ

"اور اگر میں یہ کہوں کہ میں نے تمہارے لئے سید علی احمد مقتدر کو منتخب کر لیا ہے تو پھر ــــ تب بھی تم انکار ہی کرو گی ــــ سوچ کر جواب دینا ــــ میری بیٹی ــــ؟"

"آپ نے کیا کہا ــــ ڈیڈی ــــ؟" وہ یک لخت فرط مسرت سے بیخود ہو گئی اور بے اختیار فرش پر گھٹنے ٹیک کر ان کی آغوش میں سر رکھ دیا۔ انھوں نے ایک نہایت سفاک قہقہہ لگایا ــــ "کھل گیا تمہاری محبت کا بھرم ــــ جبینا ــــ" وہ اس کا سر اپنی گود سے اٹھا کر بے رحم لہجے میں بولے ــــ "ہوش میں آؤ اور سوچو ــــ تم کس ماحول کی پروردہ ہو تم پارینج لائن کی عالیشان کوٹھی میں رہتی ہو ــــ تمہارے آگے پیچھے خادموں کی فوج ہے تم سب سے قیمتی کاروں میں پھرتی ہو ــــ تمہارے جسم پر ہزاروں کی قیمت کے ملبوس ہوتے ہیں ــــ جبینا تمہارا بینک بیلنس کروڑوں تک پہنچ رہا ہے ایک طرف دولت کے انبار ہیں اور دوسری طرف محبت کا ڈھونگ ــــ ایک بے کردار طالب علم ــــ جس کا ابھی کوئی مستقبل نہیں ہے ــــ وہ تمہیں کیا دے سکے گا؟ نہ کوٹھی نہ کار نہ خادم نہ تعیشات کی اعلیٰ ترین سازوسامان نہ وہ تمہارا پیٹ بھر سکتا ہے نہ تن ڈھانک سکتا ہے۔ اس کی خالی خولی

محبت تمہیں کیا دے گی ۔۔۔ ؟ آج تک صرف پیار نے کسی کا پیٹ نہیں بھرا ۔۔۔ پیار نام ہنگامی خواہش کا ہے ۔۔۔ تم پڑھی لکھی روشن خیال ہو۔ سوچو کہ انسان اپنا ایک الگ ماحول رکھتا ہے ۔۔۔ تم کسی مفلس طبقے میں فٹ نہیں ہو سکتیں ۔۔۔

گستاخی معاف ۔۔۔ ڈیڈی ۔ آپ پہلے کیا تھے ۔۔۔؟" مینا نے کہا ۔۔۔ اور بارود میں آگ دکھا دی ۔ سیٹھ صاحب پھنکار کر کھڑے ہو گئے ۔۔۔

"بکواس بند کرو ۔۔۔ ہاں ۔ میں بے شک مفلس تھا ۔ اور اسی ہیبتناک دورِ زندگی نے مجھے اس زندگی کی قدر و قیمت سکھا دی ہے ۔ سمجھیں تم ۔ اور اب میں رشتہ برابری کا چاہتا ہوں ۔۔۔ یہ میرا فیصلہ ہے کہ سیٹھ اسمٰعیل درّانی کی دولت مند لڑکی ایک مفلس و قلاش طالب علم کے گھر قیامت تک نہیں جا سکتی ۔۔۔

مینا بے دردی سے ہنسی ۔۔۔ "ڈیڈی آپ نہیں جانتے ! وہ کون ہیں ۔۔۔ کیا ہیں ۔۔۔ ؟"

"ماشاء اللہ ۔ خدا کی شان ہے ۔۔۔" وہ حقارت سے بولے ۔۔۔ "بے شک میں نہیں جانتا ۔۔۔ وہ کنگ ایڈورڈ ہفتم کے بھتیجے ہیں بھیس بدل کر سیاحی کرنے آئے ہیں !"

"جی نہیں ۔۔۔" مینا نے کہا ۔ "وہ آپ ہی کے حقیقی بھانجے ہیں مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے ۔ مرنے سے پہلے نانا میاں نے مجھے بتا دیا تھا کہ تقدیر صاحب آسنہ بیگم کے لڑکے ہیں ۔۔۔ نانا میاں کی حقیقی بیٹی کی اولاد ۔۔۔"

"لاحول ولا قوۃ ۔۔۔ لاحول ولا قوۃ ۔ استغفر اللہ ۔۔۔ !" وہ یکبارگی جیسے پاگل ہو گئے ۔۔۔ جیسے بھی کھڑے ہو گئے اور جلدی ۔۔۔

اپنی خوفناک داڑھی مٹھی میں جکڑ لی ـــــ مینا حیرت سے انھیں دیکھنے لگی
"اگر یہ واقعی سچ ہے جو تم کہہ رہی ہو ـــــ تو پھر قیامت تک وہ چیز ممکن
نہیں جو تم سوچ بیٹھی ہو! خدا غارت کرے اس ناپاک بڈھے کو اور اس
کی بے شرم اولاد کو ـــــ میں تمھاری ماں کی موت کو اپنے لئے فال نیک
سمجھتا ہوں ـــــ وہ ایک ایسی عورت کی بہن تھی جو شوہر کے مرنے کے بعد اپنے
کسی گناہ کی پردہ پوشی کے لئے گھر سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی ـــــ"

"یہ سب جھوٹ ہے ڈیڈی ـــــ!" مینا نے تیز آواز میں کہا۔ "کہنے
والے نے اپنے گناہوں کا جھوٹا ابھرا ہے ـــــ خدا اسے غارت کرے گا ـــــ"

"جھوٹ تو تمھیں باور کرایا گیا ہے ـــــ" وہ بھی تیز لہجے میں بھڑک
کر بولے ـــــ "کون ایسا باپ ہے جو بیوہ بیٹی کو گھر سے نکلنے پر مجبور کرے گا
کیا میں تم کو یا رومانہ کو گھر سے نکال سکتا ہوں تاکہ تم باہر نکلو اور غلاظت
کے گڑھ میں گر پڑو ـــــ غلط بالکل غلط ـــــ عورت اگر گھر سے بھاگتی ہے
تو صرف اسی لئے کہ باپ اور بھائی اس کے باپ کا کلنک اپنی پیشانی
پر لگنا گوارا نہیں کر سکتے ـــــ مینا ـــــ خبردار ـــــ خبردار ـــــ اس کم نسب
حقیر اور بے باپ کے بیٹے کا آئندہ کبھی نام نہ لینا میں پھر تاکید کرتا ہوں
نہ وہ گھر پر آئے نہ تم اس کے ساتھ کہیں دکھائی دو ـــــ ورنہ ـــــ اچھی طرح
یاد رکھو کہ اس کے اور خود تمھارے حق میں بہت برا ہوگا ـــــ"

مینا نے اپنا چہرہ آنچل سے چھپا لیا ـ سیٹھ صاحب کمرے سے نکل گئے
وہ فرش پر بیٹھی روتی رہی ـــــ الٹی آنتیں گلے پڑیں وہ تو سمجھی تھی کہ اس
انکشاف کے بعد کہ مقتدر ان کا بھانجہ ہے وہ کچھ نرم پڑیں گے مگر وہ تو
پہلے سے زیادہ سخت و سنگدل ہو گئے تھے ـــــ مینا کا دل سینے میں ٹکرے

ٹکڑے ہو کر بکھر رہا تھا۔ آنکھیں خون بہا رہی تھیں ہاتھ پاؤں برف کی طرح سرد تھے اس نے سسک کر دیوان کی پٹی پر سر رکھ دیا —— اور آنسوؤں کے ہجوم میں آسمان کو تکنے لگی۔

میرے اللہ —— مجھے بھول نہ جا۔ مجھ پر رحم —— ! اس نے ہاتھ جوڑ دیئے ——

مونس کو مقتدر کا خط ملا تھا انھیں اس کا انتظار تھا کہ تعطیلات میں وہ ضرور آئے گا —— انھیں بھی چھٹیاں تھیں وہ حیدرآباد چلے آئے یہاں کا یا ہی پلٹی ہوئی دیکھی —— آمنہ بیگم ہسپتال میں اور مقتدر توقع سے کہیں زیادہ بدحال —— انھوں نے اسے سر سے پیر تک گھورا۔ وہ بوکھلانے لگا ——

"مونس بھائی گرمیوں نے یہ حشر کیا ہے۔ دن بھر گھر میں میرا اچار پڑتا ہے —— امی بھی نہیں ہیں پھر میں کیا کرتا ؟"

"ٹھیک ہے —— " انھوں نے کہا —— "گرمیاں پہلی بار تم پر آئی ہیں۔ خیر —— اب چلو میرے ساتھ —— سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا —— ؟ باجی نے تمھاری شادی بھی ٹھہرا دی ہے —— " یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگے۔

"واہ مونس بھائی —— ابھی کہاں کی شادی —— " وہ بدحواسی میں ہنس پڑا —— "پہلے ان خوابوں کو تعبیر کا حسین جامہ پہناؤں گا جو میری ہر رگ میں میرے باباجان نے زندگی بھر دیکھے تھے —— اور جب میں ایک اچھی

ملازمت حاصل کر لوں گا۔ تب سب سے پہلے بابا جان کا نہایت شاندار مزار بناؤں گا —— اس کی صفائی اور نگرانی کے لئے مجاور ہوں گے —— ایک حافظ شب و روز انھیں قرآن شریف سنانے پر مامور ہوگا۔ یہ میری زندگی کا پہلا عملی پلان ہوگا —— مونس بھائی پھر میں خود کو آپ کے حوالے کر دوں گا۔ جیسا چاہیئے مجھ سے سلوک کیجئے ——"

مونس کی مخلص آنکھیں جھلملانے لگیں۔ انھوں نے اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا —— "میرے بیٹے اچھی بات ہے۔ یہی سہی! تمھاری آرزو پر میں اپنی مرضی کے کڑے پہرے نہیں بٹھاؤں گا ——" وہ اس کی پیٹھ تھپک کر بولے "اچھا اب چلو —— خالہ اماں سے مل آئیں —— اور ہاں سنو۔ تمھاری بھابی نے تمھارے لئے کچھ بھیجا تھا ٹفن بوکس میں ہوگا۔ دیکھو کیا ہے ——؟" مقتدر نے بے صبری سے بالکل بچوں کی طرح ٹفن باسکٹ نوچ ڈالی۔ اس کی پسندیدہ چیزیں تھیں —— چھ سات گرلڈ چکن —— رس گلے —— حلوہ سوہن اور بہت سے تلے ہوئے نمکین بادام ——! مونس حالانکہ سامنے ہی آرام کرسی پر نیم دراز سگریٹ پی رہے تھے مگر اس نے ان کی موجودگی کا خیال نہیں کیا بالکل بھوکوں کی طرح کھانے کی چیزوں پر ٹوٹ پڑا۔ مونس ہنسنے لگے۔

"ننھا تو اب پاؤں پاؤں چلنے لگا ہوگا؟ مونس بھائی ——" اس نے چکن کھاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں دیوار کے سہارے کچھ کچھ چلنے لگا ہے ——" وہ بولے "بولنا بھی سیکھ رہا ہے ——"

"اور باجی کے بچے —— بہت دن ہوئے مجھے انھیں دیکھے ہوئے بھابی اور بھائی جان کیسے ہیں ——؟"

"سب اچھے ہیں — چل تو رہے ہو — دیکھ لینا! بھائی صاحب بھی بالکل ماشاء اللہ ہو گئے ہیں —"

"اچھا —؟" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا — "منو بھی بھائی جان پر پڑا ہے — بہیں میں نے دیکھا اتنا گول مول تھا — اس کا نام کیا رکھا ہے باجی نے —؟" اس نے چکن الگ کر کے مٹھائی کا ڈبہ اپنے سامنے رکھ لیا — یونس گھبرا کر کھڑے ہو گئے —

"یار معلوم ہوتا ہے کہ تم ایڈوانس کھا رہے ہو — پہلے مجھے خالہ اماں کے پاس پہنچا دو — واپس آ کر سب کچھ صاف کر دینا — مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا —"

اس نے ہنستے ہوئے ناشتہ دان بند کر دیا اور اٹھ کر ہاتھ دھونے لگا۔

"یونس بھائی — میں آپ سے کہے دیتا ہوں — براہ مہربانی میرے حصے کی کوئی چیز نوش نہ فرمائیے گا —"

"چلو یار — ختم کرو —" وہ بور ہو گئے — "میں تمہارے حصے کی کوئی چیز نہیں کھاؤں گا — بس؟"

"چلیئے —" اس نے صدر دروازہ مقفل کر دیا اور ان کے ساتھ چلا گیا —

یونس کو دیکھ کر آمنہ بیگم کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں رہا - اب وہ اچھی تھیں اور نرس نے انھیں باہر کرسی پر لا بٹھایا تھا — یونس وہیں بیٹھ کر ان سے باتیں کرنے لگے — مقتدر نے نرسنگ آرڈرلی سے کہا کہ وہ ان کے لئے چائے وغیرہ کا انتظام کر دے اور خود یونس سے اجازت لے کر قریب کے ٹیلیفون بوتھ میں گھس گیا جب وہ سیٹھ درانی کی کوٹھی کا فون نمبر ملا رہا

تھا۔ اس کے لبوں پر ولولہ خیز مسکراہٹوں کی کرنیں چمک رہی تھیں مگر جلد ہی اس کے چہرے پر مایوسیوں کے اندھیرے چھا گئے ـــــ اس نے بار بار مینا کو رنگ کیا مگر کوئی جواب نہیں ملا ـــــ بڑا پژمردہ اور مضمحل وہ ہسپتال واپس آگیا ـــ

زینوں پر اسے عبید ملا۔

"سرکار ـــــ، ابھی میں نے کہا آداب عرض ہے ـــ" اس نے مقتدر کی پیٹھ پر گھونسہ رسید کر کے کہا۔

"سلام کرنے کا یہ طریقہ میں نے پہلی بار دیکھا ہے ـــ" مقتدر نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"تم سے ملاقات کی بس یہی ایک جگہ رہ گئی ہے ـــ" عبید نے کہا "گھر گیا تھا وہاں قفل بند ہے ـــ"

دونوں باتیں کرتے ہوئے قریبی ریسٹورنٹ میں جا بیٹھے۔ مقتدر نے کافی کا آرڈر دیا ـــ

"کوئی نئی خبر ـــ" اس نے عبید سے پوچھا۔

"مستقبل کی بیگم مقتدر سے میں صبح کو ملا تھا ـــ" عبید نے کہا۔

"کیا مطلب ـــ" مینا ملی تھی تم سے ـــ" مقتدر نے تحیرانہ انداز میں پوچھا ـــ وہ اچھی تو ہے عبید ـــ کوئی نیا ظلم تو اس پر نہیں ڈھایا گیا ـــ ابھی میں نے تقریباً دس منٹ تک اس سے فون پر بات کرنے کی کوشش کی مگر سلسلہ نہ ملا ـــ تم نے خود سے دیکھا تھا ـــ وہ خدانخواستہ اداس، پریشان یا بیمار تو نہیں نظر آ رہی تھی ـــ

عبید بڑی متانت سے مسکرایا ـــ "میرے دوست! تمہیں ایک

شعر سناؤں؟ — داد ضرور دینا! —

ساری دنیا کو روپہلی روشنی دیتا ہے چاند تو لیکن اپنے تک ہی رکھتا ہے وہ اپنے داغ کو

"شعر خوبصورت ہے — مگر میں اپنے سوال کے جواب میں اس شعر سے معنی و مفہوم اخذ کرنے سے قاصر ہوں —"

بیرا کافی لے آیا — عبید نے کافی بناتے ہوئے کہا۔ مقتدر! لالہ کا جگر چاک ہو یا چاند کا سینہ داغدار لیکن یہ دکھ ان کے اپنے ہیں نا؟ — لالہ مہک پھیلاتا ہے۔ چاند اجالا — دونوں خوشبو اور روشنی بانٹنے میں بخل نہیں کرتے — مگر ساتھ ہی وہ نہیں چاہتے کہ ان کا کا الم دوسروں تک پہنچے —"

"میں سمجھتا ہوں۔ عبید —!" مقتدر نے پیالی پرچ میں رکھ دی "مگر میں اس کا الم بانٹ نہیں سکتا — اب اسے کون سا سکھ ہے؟ تنہا اور اداس —" پھر وہ کچھ یاد کر کے بولا — "اس نے کیا باتیں کی تھیں تم سے —"

عبید نے سگرٹ سلگاتے ہوئے پوچھا — "پیتے ہو —؟"

"آج تک پینے کا اتفاق نہیں ہوا — اچھا نہیں لگتا —"

"روحانہ پرسوں شام کے پلین سے ٹکساس جا رہی ہے"

"وہ بھی تم سے ملی تھی —؟"

"نہیں مبینا نے کہا تھا — میں تو سمجھتا ہوں کہ اللہ ہی نے روحانہ پر رحم کیا — وہ قید و بند کی زندگی سے نکلی اب شاید ہی باپ کے پاس واپس آئے —"

"خدا اسے ہمیشہ اچھا رکھے —" مقتدر نے کہا "تم تو جا رہے

کی سناؤ ——— کیا خبریں ہیں ———"

"مینا بہت پیاری لڑکی ہے ———" جبید نے سگرٹ کا ایک طویل کش لے کر دھواں چھوڑتے ہوئے پرخیال لہجے میں جواب دیا ——" مقتدر! اگر وہ تم کو مل سکی تو میں سمجھتا ہوں کہ تم سا خوش نصیب آدمی اس دنیا میں دوسرا نہ ہوگا۔ اور اگر ——— !"

"نہیں جبید نہیں ——— اس نے جلدی سے ہاتھ ہلا کر اس کی بات کاٹ دی ——" اس طرح اگر مگر نہ کرو ——— مجھے صرف اتنا بتا دو ——— وہ ہر طرح اچھی تو ہے نا ——— ؟"

"بالکل ——— اگر اسے کوئی غم ہے تو تمھاری یاد کا ——— کوئی دکھ ہے تو تمھاری جدائی کا ——— مقتدر میں نے اس سے وعدہ کر لیا ہے ——— جب تک میری جان میں جان ہے میں ہر طرح اس کے کام آؤں گا ——— میری کوئی بہن نہیں ہے ——— مقتدر ——— ایک تھی ——— وہ مر گئی ——— جب کانپتے ہوئے لبوں سے مینا نے مجھے بھیّا کہا تھا ——— تب ——— تب میں رو پڑا تھا مقتدر! میں نے ———" اس نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور بولا ——" میں نے واپسی میں مسجد میں عصر کی نماز پڑھی اور گڑگڑا کر دعا مانگی کہ میری پیاری بہن ——— میرے پیارے دوست کی قسمت میں لکھ دی جائے ———"

مقتدر کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے ——— اس نے جبید کے ہاتھ پر سر جھکا دیا ———

مگر جبید جلدی سے اپنے آنسو پونچھ کر ہنسنے لگا ——" بیوقوں کے سربراہ تم جانتے ہو کہ صرف تمھاری خاطر میں امی اور ابا کے ساتھ شملہ نہیں گیا ——— حالانکہ اسکیٹنگ کا پیٹشن میں شرکت کرنے میں ہر سال جاتا رہا

ہوں ——"

"میں کس طرح تمھارا شکریہ ادا کروں گا عبید ——"

"صرف ایک ہی طریقہ ہے ——؟"

"کیا؟"

"یہی کہ میرا شکریہ ادا نہ کرو ——" وہ ہنس پڑا —— "میں کوئی غیر نہیں رہا —— نا —— رازدانِ الفت ہوں —— اچھا اب اجازت دو —— امی کو ٹرنک کال کرنی ہے —— ان کے کئی خطوں کے میں نے جواب نہیں دیئے۔ پریشان ہوں گی ——"

وہ اٹھا —— بل ادا کیا اور بڑے خلوص سے مقتدر سے مصافحہ کر کے چلا گیا —— وہ ریسٹوران کے سامنے کھڑا بڑی دیر تک ادھر ہی دیکھتا رہا —— جدھر عبید گیا تھا —— حتیٰ کہ شام کے چراغ جل اٹھے اور مونس اسے ڈھونڈتے ہوئے آپہنچے ——

"صبح کو انشاء اللہ خالہ اماں گھر آجائیں گی ——" انھوں نے کہا "اب تو بفضلہ انھیں کوئی تکلیف نہیں —— میرا خیال ہے کہ اتوار کی صبح کو ہم بھی نکل چلیں ——!"

"مگر —— اتوار کی شام کو ——!" وہ رک گیا ——

"کسی سے اپائنٹمنٹ ہے؟" وہ مسکرائے ——

"جی نہیں ——" وہ افسردگی سے مسکرایا —— "اتوار کی شام کو میری ایک شاگرد امریکہ جارہی ہے اسے سی آف کرنا ہے —— میں اس کی شادی میں بھی شریک نہیں ہو سکا تھا ——"

"اچھی بات ہے —— منڈے کی صبح کو سہی ——" وہ مان گئے —— پھر

ان کی راہیں الگ الگ ہوگئیں ــــ مونس اپنے سسرال والوں سے ملنے چل دیئے ــ اور مقتدر نے رومانہ کے گھر کی راہ لی ــ چونکہ پہلی بار جارہا تھا اس نے اس کے لیے بہت سی چیزیں خریدلیں ـــ! اور دھڑکتے دل کے ساتھ شیخ صاحب کے بنگلے پر پہنچ کر اپنا کارڈ ملازم کے ہاتھ سے اندر بھجوایا ـــ

بمشکل دو منٹ ہوئے ہوں گے کہ رومانہ قریب دوڑتی ہوئی اندر سے نکلی اور سنبھلتے سنبھلتے مقتدر سے ٹکرا گئی ـــ اس نے ہنستے ہوئے اسے اپنی باہوں میں جھیل لیا ـــ اور ساری چیزیں زمین پر گرادیں ـ

"مقتدر بھیا!" وہ اس کے کندھے سے چمٹ گئی ـــ "میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی ہوں ـــ!"

"تشریف لایئے ـــ جناب!" امیر بھی آگیا ـــ "بڑے موقع سے پہنچے ہم لوگ تو باہر جا ہی رہے تھے ـ"

مقتدر نے ہزار انکار کیا مگر وہ اسے ڈرائنگ روم میں کھینچ ہی لے گئے رومانہ ہر طرح مسرور اور خوش نظر آرہی تھی ـــ قیمتی لباس پہنے اور بیش قیمت زیورات میں غرق! بہر حال اس کا مستقبل یک بیک شاندار ہوگیا تھا

"امیر میاں ـــ ٹکساس میں آپ کیا کر بس گئے؟" مقتدر نے پوچھا کھانے کے بعد وہ لوگ صحن میں نکل آئے ـ

"بس وہی جو پیشہ آبا ہے ـ" امیر ہنسنے لگا ـ "بزنس کورس کروں گا ـــ اور ہوسکتا ہے کہ نہ بھی کروں جیسے کا تیسا کرکے نا ترا شش واپس آجاؤں ـــ"

"واہ بھئی ـــ یہ کیوں کہنے لگا ـــ" مقتدر نے کہا ـ

"ذرا سے بھائی صاحب ـــ والد محترم نے جس نے بزنس میں الجھا دیا

ہے — میں اس کورس کا مطالعہ کروں گا کہ اس خشک اور اکتا دینے والے کورس کا —" وہ رومانہ کو دیکھ کر مسکرایا — "حالیہ موضوع دور افتادہ موضوع سے کہیں زیادہ دلچسپ اور دلکش ہے —!"

"یا اللہ — آپ کو پتہ نہیں — مقتدر بھیا میرے استاد ہیں — ان کے سامنے ایسی باتیں — کیا میرے ناطے سے وہ آپ کے بھی استاد نہیں ہوئے" رومانہ بول پڑی —

"بالکل نہیں —" وہ اطمینان سے بولا — "کیونکہ میں ماشاء اللہ بیوی والا ہوں — اور بھائی صاحب ابھی تک واحد حاضر جمع غائب ہیں" پھر وہ دفعتہً اچھل پڑا — "واللہ کتنا لطف آتا اگر اس وقت بھیا یا جی بھی ہوتیں — رومی — پلیز — فون کرو — وہ جیسی بیٹھی ہوں ویسی ہی چلی آئیں — کتنی بے دردی ہے ہم نے انھیں ویرانیوں اور سناٹوں کے حوالے کر رکھا ہے اور خود آپس میں ہنستے بولتے ہیں! پلیز — ہری اپ —"

رومانہ اٹھ کر بھاگی —!

"آپ کی تعریف رومی نے کی مقتدر بھائی —" امیر بولا — "آپ ایک ذہین طالب علم ہیں پھر آپ کیوں نہیں کوشش کرتے کہ سرکاری اسکالر شپ پر فارن جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کریں —؟"

"انشاء اللہ — ضرور جاؤں گا —!" مقتدر نے کہا — "یہ میرے نصب العین میں شامل ہے —"

رومانہ واپس آئی اور خوشخبری سنائی — "باجی آ رہی ہیں — میں خانساماں سے کہہ آؤں — ان کے لئے جلدی سے فروٹ جوس تیار کر دے — میں ابھی آئی —"

مقتدر کا دل دھڑکنے لگا! مینا آ رہی ہے ــــ کیا کہے گا وہ اس سے وہ بھی کتنی خوش ہوگی ــــ اسے یہاں دیکھ کر ــــ رومانہ خانساماں کو ہدایت دے کر آ گئی ــــ امیر اور رومانہ نے مقتدر کے لائے ہوئے تحائف دیکھے ــــ حالانکہ انھیں ان کی ضرورت نہیں تھی مگر وہ بے تحاشہ خوش ہوئے ــــ امیر نے جلدی سے اس کے کف اسٹڈ لگائے اور ستائشی انداز میں بولا ــــ

"یہ بے حد سوٹ کرتے ہیں ــــ قلم بھی نہایت عمدہ ہے ہمیشہ ہی سے بہترین قلم میری کمزوری رہے ہیں ــــ" رومانہ نے طلائی انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن لی ــــ اور جھک کر مقتدر کو سلام کیا ــــ

"جیتی رہو ــــ" وہ واقعی بے حد خوش ہو گیا ــــ

"دلھن بی بی ــ جوس تیار ہے ــ لے آؤں ــــ" ملازمہ نے پوچھا ــــ

"ابھی نہیں ــــ باجی آجائیں تو میں خود ہی کھلوا دوں گی ــــ!"

وہ بولی ــ سب پھر گپ شپ میں لگ گئے لیکن مقتدر سراپا گوش بنا ہوا تھا ــــ ہر خفیف سی آہٹ پر اس کا دل دھڑک اٹھتا ــ اس کا دھیان ان دونوں کی طرف سے ہٹ گیا! پتہ نہیں وہ کیا کہہ رہے تھے اور کیوں ہنس رہے تھے ــــ!

قریب قریب پون گھنٹے کے روح فرسا انتظار کے بعد ملازم نے مینا کی آمد آمد کی خبر سنائی اور وہ دونوں اسے لینے باہر دوڑ گئے ــ!

مقتدر اٹھ کر دریچے میں آ کھڑا ہوا ــ

پھر اسے رومانہ نے پکار لیا ــ

صحن میں قدم رکھتے ہی اسے مینا نظر آئی ۔۔۔! سفید لباس میں ملبوس نکھری ستھری چاندنی میں وہ کسی سماوی مخلوق کی سی معصوم اور دلفریب لگ رہی تھی ۔۔۔ مقتدر کو دیکھ کر وہ مسکرائی اور اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ کر خالص مشرقی انداز سے بولی ۔۔۔ "تسلیم ۔۔۔"

اس نے بھی لکھنوی طریقے سے جھک کر اور سر جھکا کر کہا۔ "آداب عرض کرتا ہوں ۔۔۔"

امیر کھلکھلا کر ہنس پڑا ۔۔۔ "کتنے برسوں بعد آپ دونوں ملے ہیں ۔ "

رومانہ ان دونوں کی خاطر تواضع میں دوڑی دوڑی پھر رہی تھی ۔ مینا نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھا لیا ۔۔۔

"پاس بیٹھو ۔۔۔ باتیں کرو ۔ رومی ۔۔۔ جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے ۔ معلوم نہیں تین دن کے بعد ہم پھر کہاں ملیں ؟ کب تمہارا آنا ہو ۔۔۔"

"اس طرح بالکل نہ سوچئے مینا باجی ۔۔۔!" امیر جلدی سے بول پڑا ۔ "ہم انشاء اللہ سال بھر بعد ہی ملیں گے ۔ میں خود بھی باہر رہنا پسند نہیں کرتا ! اگر والد صاحب نے ہمارا جانا طے نہ کر دیا ہوتا تو میں اب بھی نہ جاتا ۔ ان کی مرضی بھی تو پوری کرنی ہے بہن ! مجھے آپ کے اکیلے پن کا بہت احساس ہے ۔ میں خود بھی یہی سوچتا ہوں کہ آپ ہمارے بعد کیونکر خوش رہ سکیں گی ۔ مگر ۔۔۔"

"مگر تم لوگ جلد ہی واپس آنے کا وعدہ کرو تو میری خوشیاں ہمیشہ قائم رہیں گی ۔ امیر !" مینا نے کہا اور اس اداس ماحول کو بدلنے کے لئے ہنس دی ۔ "تمہیں فکرمند ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ۔۔۔ یہ مدت بھی گزر جائے گی پھر سب ساتھ ساتھ رہیں گے ۔۔۔"

"میں آپ کے لئے کچھ پینے کو لے آؤں ۔۔۔ اف فوہ کتنی گرمی ہے !"

رومانہ اٹھ گئی اور اس نے امیر کو ہلکا سا اشارہ کر دیا وہ بھی کچھ حیرت زدہ سا اس کے پیچھے اٹھ کر چلا گیا —

"کیا بات ہے؟" وہ تعجب سے بولا۔

رومانہ کے چہرے پر پھر رنج کے بادل چھانے لگے — "انھیں باتیں کرنے دیجئے — ہائے — ڈیڈی کی سنگدلی — انھیں ملنے نہیں دیتے!"

"وہ ایسا کیوں سوچتے ہیں —" امیر نے کہا — "بینا بہن کے لئے مقتدر صاحب کتنے موزوں ہیں! یہ طبقاتی اعتبارات، نہایت ہی ناقص اور غیر اہم ہیں۔ ان کا ہرگز خیال نہیں کرنا چاہئیے —"

"کاش ڈیڈی بھی سمجھتے —" رومانہ بولی اور امیر کا ہاتھ پکڑ کر کافی روم میں لے آئی —

چاندنی گہری ہو گئی — تنہائی جادو جگانے لگی۔ اجنبی پھولوں کی انجانی مہک ہیجان انگیز ہوتی گئی۔ مقتدر کا یہ حال تھا جیسے زبانِ حال سے کہہ رہا ہو:-

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

وہ شرمائی اور گھبرائی ہوئی بینا کی پلکوں کی چلمن کو اٹھتی اور گرتی دیکھتا رہا۔

"بینا —!" بالآخر بے صبر ہو کر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پکارا۔

اس نے چپکے سے نگاہیں اٹھائیں اور دیکھنے لگی کہ کس طرح چاندنی کا دوری روشنی میں گھلا ملا وہ غیر معمولی طور پر دلکش اور خوبرو لگ رہا تھا! اور اس کے دل کی دھڑکن بینا کے سینے میں گونج رہی تھی۔

وہ اس کے پاس آ بیٹھا اور اس کی کرسی کی پشت پر یوں بازو پھیلا کر اس کی طرف جھکا کہ بینا کا سر مقتدر کے سینے سے لگ گیا۔

"مینا - کیا جسموں کے فاصلے بڑھ جائیں گے ؟ آوازوں پر پہرہ لگ جائے گا؟ میں پاگل ہوتا رہوں گا ___ تمہیں ایک نظر دیکھنے کے لیے ترستا رہوں گا تمہاری آواز کو ؟ ___ کیا اور کوئی ستم مجھ پر ڈھایا جائے گا ___"

"اپنا کر بیچ نہ مجھے ___؟" وہ سسک کر بولی ___ "آپ تو میری طرح مجبور اور بے بس نہیں ہیں ان سب باتوں پر آپ کو اختیار ہے جن پر مجھے نہیں ہے"

"مجھے اپنے آپ پر بھی اختیار نہیں ہے۔ مینا ___ اخلاقی بندشیں ہیں۔ معاشرہ کے شکنجے ہیں۔ خاندانی رکاوٹیں ہیں ___ اور ان سب کے علاوہ میں کبھی تو بالکل کھوکھلا ہوں۔ میری کوئی پوزیشن، کوئی کردار اور کوئی مستقبل نہیں ہے مینا میں سسکتا ہوں۔ بلکتا ہوں اور پچھتا ہوں ___ میں خود تو ایک آگ میں جلا ہی تھا۔ تمہیں اس محبت کے جہنم میں کیوں گھسیٹ لیا"

"آپ اتنے ہراساں اور بے ضبط کیوں ہو جاتے ہیں ___" وہ اس کے کندھے سے سر ٹیک کر بڑے پرسکون لہجے میں بولی ___ "آپ جیسا کہیں گے میں ویسا ہی کروں گی ___ اگر آپ انتظار کیجئے ___ تو میں بھی کسی اچھی صورت کی منتظر رہوں گی۔ ورنہ ___ ہر حال میں مجھے آپ کا ساتھ تو دینا ہے۔ میں کبھی کسی مصیبت اور پریشانی سے نہیں گھبراؤں گی ___ آپ کا ساتھ ہو تو دوزخ کا دہکتا ہوا طبقہ بھی مجھے جنت الفردوس کا گوشہ لگے گا ___ سنیے اگر آپ کا کوئی مستقبل نہیں ہے تو آپ مستقبل بنائیے میں آپ کا ہاتھ بٹاؤں گی ___ میں گریجویٹ ہوں ___ میں کہیں ملازمت کروں گی اور ہر طرح آپ کی ہر ممکن مدد ___!"

اچانک رومانہ کی آواز آئی ___ اور منقدر اٹھ کر دور پڑی ہوئی کرسی پر ٹک گیا ___

رومانہ خود اپنے ہاتھوں پر ٹرے رکھے ہوئے لائی ۔۔۔ امیر بھی تھا وہ سب جوس پیتے اور باتیں کرنے لگے ۔۔۔

"مقتدر بھیا ۔۔۔" رومانہ نے فرمائش کی ۔۔۔ "کتنا دلکش موسم ہے اگر اس چاندنی میں آپ کا سوز و ساز گھل مل جائے تو سماں بندھ جائے گا"

گیت آہوں میں ڈھل گئے ۔۔۔ رومانہ ۔ اس نے بے آواز کہا۔ لبوں پر نارسائی تقدیر کے گلے ہیں ۔۔۔ آنکھوں میں وہ آنسو جو بہنا اور طغیانی لانا چاہتے ہیں مگر جن پر کسی کی بدنامی اور رسوائی کا اندیشہ بندھ کی طرح ایستادہ ہے ۔۔۔ وہ آواز سینے کی پہنائیوں میں کھو گئی جو نغمے بن کر ہونٹوں سے پھوٹتی تھی ۔۔۔ " وہ گم صم بیٹھا ہی رہا جیسے وہ اچانک جسد بے روح رہ گیا ہو

"ہاں جناب ۔۔۔ ہم بھی مشتاق ہیں ۔۔۔" امیر نے کہا۔ مجبوراً اسے ان سب کی فرمائش پر گانا پڑا ۔

غم کو بہت حسین بنانا پڑا ہے آج ۔۔۔ اف دردِ بے پناہ کو چھپانا پڑا ہے آج

فرمائشوں پہ ان کی بہ این سوزِ ناتمام ۔۔۔ اک نغمۂ لطیف سنانا پڑا ہے آج

دس بجے رات تک وہاں یہی سب کچھ ہوتا رہا۔ پھر مقتدر نے اجازت چاہی ۔۔۔ اس کے ساتھ سب باہر نکلے ۔

"ہمیں چھوڑنے تو آئیے گا ۔ مقتدر صاحب ؟" امیر نے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا ۔

"ضرور آؤں گا!" اس نے کہا ۔

جونا بھی سب کے ساتھ کھڑی تھی ۔۔۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اسی کے ساتھ چلی جائے ۔ لیکن وہ خاموش ہی رہی ۔ مقتدر نے ایک اچٹتی ہوئی نظر اس پر ڈالی اور آہستہ سے خدا حافظ کہہ کر گیٹ سے نکل گیا

دمیر کو نیند آرہی تھی وہ سونے چلا گیا اور مینا اور رومانہ صحن ہی میں بیٹھی باتیں کرتی رہیں!

صبح کو ناشتے کے بعد وہ کوٹھی واپس آئی۔ رومانہ کی روانگی میں صرف دو دن تھے ـــــ وہ اس کے لئے شوپنگ کرتی رہی۔ سیٹھ صاحب بھی بڑے مصروف ہو گئے تھے ـــــ اب وہ مینا سے بڑی نرمی اور شائستگی سے گفتگو کرتے وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ وہ اتنے سنگدل نہیں رہے۔ اوصاف سے نسبت کی بات خواب لگتی تھی کیونکہ نہ تو دوبارہ اس کا کچھ تذکرہ آیا نہ ہی اتنے عرصہ میں اسے کہیں اوصاف نظر آسکا اور نہ ہی کبھی مقتدر نے اس کی کوئی نئی بات سنائی ـــــ وہ سمجھے بیٹھی تھی کہ اوصاف کا کانٹا ہمیشہ کے لئے اس کی راہ سے نکل گیا۔ اب وہ مقتدر کی ہے۔

یہ تو اسے گمان بھی نہیں تھا کہ سیٹھ صاحب نے دیوان صاحب سے تمام باتیں پکی کر لی تھیں۔ دیوان صاحب کچی گولیاں نہیں کھیلے تھے انھوں نے پیشکش کی کہ جو کچھ وہ لڑکی کو دے رہے ہیں وہ پہلے ہی سے اس کے نام کر دیں! سیٹھ صاحب کنجوس اور جز رس ضرور تھے لیکن ایسا بھی نہ تھا کہ لڑکیوں کو جہیز دینے سے پیچھے ہٹتے ـــــ! انھوں نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کی پیش کش منظور کر لی اور وعدہ کیا کہ نکاح سے قبل دستاویزات اور قبالوں پر اپنے دستخط کر دیں گے۔

ان پر وحشت سوار تھی! کب تک وہ مینا کو قید و بند کی زندگی میں رکھیں گے ـــــ وہ تو کالج جاتی تھی۔ اس کی ایک آدھ سہیلی بھی تھی اس کے کہیں آنے جانے پر وہ کڑی نظر نہیں رکھ سکتے تھے ـــــ ادھر جب سے مینا نے انکشاف کیا تھا کہ مقتدر ان کا سگا بھانجہ تھا وہ زیادہ فکر مند

ہو گئے تھے۔ اس کی کوئی قدر و قیمت، وقعت و عزت ان کے دل میں نہیں تھی بلکہ وہ پریشان تھے کہ کہیں خون رنگ نہ لائے اور مینا اس کی طرف کھنچ نہ جائے ——

انھوں نے سوچا تھا کہ مقتدر کو کسی قسم کا لالچ دے کر درمیان سے نکال دیں لیکن ایسا کرتے ہوئے انھیں اپنی توہین محسوس ہوئی وہ اسے منھ لگانا بھی پسند نہیں کرتے تھے نہ کہ کوئی درخواست اس سے کرنا کہ وہ ان کی صاحبزادی کے خیال سے باز آئے کتنی ہلکی بات تھی ——!

انھوں نے اپنی مخالفانہ سرگرمیاں تیز کر دیں۔

شیخ صاحب جلد ہی جانے والے تھے۔ سیٹھ صاحب کا بھی جانا لازمی تھا وہ اپنی بزنس کو وسعت دینے کی خاطر ہی تو انھوں نے رومانہ کے نکاح کا رسک لیا تھا —— مینا ان کے سامنے پہاڑ کی طرح کھڑی تھی وہ کیسے اور کس پر اسے چھوڑ جاتے —— ساتھ لے نہیں جا سکتے تھے کیونکہ اس کے ضروری کاغذات تیار نہیں تھے —— اور اتنی جلدی ہو بھی نہیں سکتے تھے۔

ایک صبح انھوں نے دیوان ارشاد کو بلا بھیجا —— اور اپنی ساری مشکلات ان کے سامنے رکھ دیں۔ اوصاف بھی ساتھ تھا! کینہ توزی خباثت اور کمینہ پن اس کے بشرے سے ٹپک رہا تھا —— ! لالچ آنکھوں سے جھانک رہا تھا ——

"معلوم نہیں میری واپسی میں کتنا عرصہ لگے —— ؟" سیٹھ صاحب نے کہا "جانا ضروری ہے اسی عجلت کے پیش نظر میں نے کسی دھوم دھام کے بغیر کچھ دیکھے بھالے بنا اپنی ایک بچی کی شادی کر دی۔ اب آپ ہی بتائیے کہ دوسری لڑکی کا کیا انتظام کر دوں —— ؟ یہ تو ناممکن ہے کہ وہ تنہا گھر میں

اکیلی رہے ۔۔۔"

دیوان صاحب نے ایک بھرپور نگاہ اس قد آدم تجوری پر ڈالی جو سیٹھ صاحب کے صوفے کے پیچھے کھڑی تھی ۔۔۔ اور ایک طویل سانس لے کر بولے۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا، اسمٰعیل بھائی ۔۔۔ ہمارے یہاں ہوتے ہوئے یہ فکر آپ کو کیوں دامن گیر ہے۔ جیسے آپ دو لڑکیوں کے باپ ہیں۔ اسی طرح میرے بھی ماشاءاللہ پانچ بچیاں ہیں ۔۔۔ ایک بیٹیا بھی سہی کیا آپ کو مجھ سے یہ امید نہیں ہے کہ میں آپ کی بچی کو اپنی بچی سمجھوں گا۔ یا پھر کوئی اندیشہ آپ کو ستا رہا ہے ۔۔۔"

سیٹھ صاحب دو منٹ خاموش رہے ۔۔۔ "میرا مطلب یہ تھا کہ کوئی شرعی حد بندی ۔۔۔۔"

اوصاف نے بے چینی سے پہلو بدلا اور اٹھ کھڑا ہوا ۔۔۔ "میں ذرا آپ کا باغ دیکھوں گا۔ یہاں الجھن سی ہو رہی ہے ۔۔۔" اس کی آواز میں کوئی نرمی ۔ لہجے میں گداز اور انداز میں ادب و تمیز نہ تھی۔ بولا سیٹھ صاحب کے سے معزز اور معمر انسان سے مخاطب تھا جیسے وہ برابر والے ہوں ۔۔۔

اس کے جانے کے بعد دیوان صاحب نے خوشی سے معمور آواز میں کہا "رک گئے آپ ۔۔۔؟ میں جانتا ہوں جو آپ کہنے والے ہیں۔ اسمٰعیل صاحب میں آپ کے کسی حکم سے باہر نہیں ۔۔۔ لڑکی تو آپ کی ہے ہی مگر لڑکے کو بھی آپ اپنا ہی سمجھیئے ۔۔۔ میں نے تو اوصاف کو سمجھا دیا تھا کہ خبردار سیٹھ صاحب کو کبھی اپنے سے الگ اور غیر نہ کہنا ۔۔۔ اسے بھی بس حکم دینے کی دیر ہے ۔۔۔"

"آپ کے خلوص سے بڑا جی خوش ہوا۔ ارشاد بھائی! میں چاہتا کہ پرسوں اتوار کی صبح کو سادگی سے عقد ہو جاتا! شیخ صاحب کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ رہا۔ یہ رسمی سالین دین تو اس میں ہمیں یا آپ کو ایک دوسرے سے شکایت کا موقع نہیں رہے گا۔ کیونکہ ہم الگ الگ نہیں ہیں ۔۔۔"

"بجا ارشاد فرمایا ۔۔۔" وہ مسکرائے پھر قدرے سنجیدہ ہو کر بولے "میں نے تو کہہ دیا کہ آپ کی بات اور میری بات ایک۔ مگر آج کل کے ضدی خودسر اور خود رائے لڑکوں کو سمجھانا بڑا کام ہے۔ ویسے آپ نے وعدہ کیا ہے کہ اوصاف کو جرمنی بھیج دیں گے لیکن اسے قرار نہیں ۔۔۔ وہ چاہتا ہے کہ جس طرح میاں امیر امریکہ جا رہے ہیں وہ بھی چل پڑے ۔۔۔"

"ٹھیک ہے ۔۔۔ طالب علموں کی اس اسپرٹ کو میں پسند کرتا ہوں مگر یہ ابھی ممکن نہیں ہے ۔۔۔ امیر کے پاسپورٹ اور اس کی بیوی کے ویزے وغیرہ کا بندوبست شیخ صاحب نے بہت عرصہ پہلے ہی کرا لیا تھا ۔۔۔"

"کم از کم اس احمق کو امید ہی بندھ جائے ۔۔۔" دیوان صاحب نے کہا ۔۔۔ "ارے۔ میں نے ہزار کہا کہ میاں تمھارے لئے کمی کیا ہے لیکن وہ تو عجیب ناسمجھ نکلا۔ کہنے لگا کہ ساری دنیا میں چرچا ہو رہا ہے سیٹھ صاحب اپنے چھوٹے دولہا کو ولایت بھجوا رہے ہیں ۔۔۔ لہٰذا اسے بھی بھجوائیں۔ ناسمجھ ہے بالکل ۔۔۔"

"میں نے انکار تو نہیں کیا ۔۔۔" سیٹھ صاحب نے کہا ۔۔۔ "اوصاف میاں کی ضد ہے یہی سہی ۔۔۔" پھر وہ بڑی تمکنت سے ہنسے اور میز کی دراز میں چیک بک نکال کر ایک چیک کاٹ دیا ۔۔۔

اوصاف اس لین دین سے بے خبر تھا! وہ باہر دالان میں کھڑا آرائش و زیبائش کی چیزوں کو ستائشی نظروں سے دیکھ رہا تھا! اور سوچ رہا تھا کہ کس طرح اور کیونکر یہ سازو سامان ہتھیا یا جائے۔

اتنے میں اس نے دیکھا کہ برآمدے سے گزر کر مبینا اندر آرہی تھی۔! اس نے اسے نہیں دیکھا — اپنی دھن میں غرق بالکل اس کے قریب پہنچ گئی —

"تسلیم — مس درانی —" اچانک اوصاف نے کہا — اور اس کی آواز مبینا کی سماعت پر بم بن کر گری — سلام کا بھلا اسے ہوش کہاں تھا بت بن کر رہ گئی ——! یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اوصاف اس طرح گھر کے اندر آسکتا ہے —؟ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی ——

"اتنی ناراض ہیں آپ مجھ سے —! سلام کا جواب دینے کی بھی روادار نہیں ——" وہ ہنسا۔ اس کی بھوری بھوری آنکھوں میں کوئی ایسی چبھتی چمک تھی کہ نفرت کا ایک لاوا سا مبینا کے دل میں کھولنے لگا۔

"ناراض اس سے ہوا جاتا ہے جس سے کوئی واسطہ ہو ——" اس نے رخ پھیرتے ہوئے کہا — اور آگے قدم بڑھا رہی تھی کہ اوصاف نے جھپٹ کر اس کا راستہ روک لیا —

"میری گستاخی معاف کیجئے گا ——!" اس نے اس کے کندھے تھامتے تھامتے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

"میں آپ پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ——"

"اوصاف صاحب —— مجھے ایسی بدتمیزی پسند نہیں — آپ راستے

سے ہٹ جائیے ـــــ مجھے جانے دیجئے ـ"

"کیا آپ میں اتنی ہمت ہے کہ آپ مجھے اپنے راستے سے ہٹا سکیں؟"

"ہمت!" اس نے ٹھٹھکا کر اپنا ہونٹ دانتوں سے جکڑ لیا۔ مگر کچھ کہنے سے پہلے سوچنے لگی ـــــ اوصاف کا یہ اعتماد اور بھرم کس کی ذات کی مضبوطی پر ہے ـــــ؟

وہ اسے خاموش دیکھ کر اس کے پاس سرک آیا ـــ اور بڑے جذباتی لہجے میں کہا ـــــ "مس درانی ـ یقین کیجئے کہ آپ غصے میں بڑی حسین لگتی ہیں لیکن میری التجا ہے کہ اب یہ عادت چھوڑ دیجئے کیونکہ آپ نے سنا ہوگا

ان کو آتا ہے پیار پہ غصہ ہم کو غصے پہ پیار آتا ہے

آپ سے یوں روبرو ملاقات کا پہلا موقعہ ہے ـــــ لیکن میں ایسی گستاخی پر خود کو مجبور سمجھوں گا ـــــ"

اس کی شیطانی مسکراہٹ نے مینا کو آپے سے باہر کر دیا بے ساختہ اس کا ہاتھ اٹھا اور اوصاف اپنا گال تھام کر رہ گیا ـــــ مینا دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی اور دروازہ بند کر کے بستر پر گر پڑی۔ اس کا سارا بدن پسینے میں شرابور تھا اور سانسیں پھول رہی تھیں ـــــ

اوصاف پاگل ہو گیا اس نے شعلے برساتی ہوئی آنکھوں سے بند دروازے کو دیکھا اور ہونٹ بھینچ کر اور مٹھیاں بند کر کے کہا ـ ـ ـ

"یاد رکھنا ـ میں تھپڑ کو مع سود واپس کروں گا ـــــ سب کچھ سمجھتا ہوں"

جب وہ بڑی دیر بعد خود کو سنبھال کر دیوان خانے میں واپس آیا تو تنہا سیٹھ صاحب صوفہ پر نیم دراز سگار پی رہے تھے ـــــ اسے دیکھ کر کچھ تحیر سے مسکرائے ـــــ

"اوہو — بیٹے تم یہیں ہو — دیوان صاحب تشریف لے گئے —
انشاء اللہ پرسوں صبح —"

وہ ان کے سامنے جارحانہ انداز میں بیٹھ گیا — "انکل — پرسوں کی صبح سے پہلے میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں —"

"میں جانتا ہوں — میں جانتا ہوں —" وہ مربیانہ انداز میں بولے — "اس مقصد کے لئے تمھارے والد محترم کی خدمت میں ساٹھ ہزار —"

"انکل — گستاخی معاف — ساٹھ ہزار کے معاوضہ میں آپ میرا منھ نہیں بند کر سکتے —"

"کیا مطلب —؟" وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور ادھاف کو گھورنے لگے —

"انکل — بات آپ کی صاجزادی کی ہے — اگر بری نہ لگے تو کہوں" ادھاف نے کہا اور اپنے تھپڑ کو یاد کر کے دل ہی دل میں آگ بگولہ ہونے لگا — سیٹھ صاحب ابھی تک بڑے تعجب سے اسے دیکھ رہے تھے اب ان کے استعجاب میں خجالت اور دہشت بھی شامل ہو گئی مگر انھوں نے خود کو سنبھالا اور گونجدار آواز میں دبنگ بن کر بولے —

"کون سی ایسی بات ہے — معموں میں گفتگو نہ کرو — یہ بھی نہ بھولو کہ تم مجھ سے بہت چھوٹے ہو —"

پھر ادھاف پر دفعتہً یہ حقیقت روشن ہوئی ہے کہ وہ بہرحال ایک طالب علم ہے اور ہرگز ہرگز اپنے کسی غصے یا طیش سے سیٹھ صاحب کو مرعوب دھشت زدہ نہیں کر سکتا — وہ یک لخت پچھتانے لگا کہ اتنا بھی ناحق کہا

پتہ نہیں کون سا خمیازہ خود اسے بھگتنا پڑے ۔۔۔ بات ان کی بیٹی کی ہے اور یقیناً ناقابل برداشت ہے ۔۔۔ اپنی جلد بازی، جذباتیت اور حماقت کی اسے وہ کڑی سزا ملے گی جو خود اس نے اپنے آپ کو دی تھی ۔۔۔ اگر سیٹھ صاحب اس سے اپنی بیٹی کی شادی نہ کریں ۔۔۔ انکار کر دیں۔ تب ۔۔۔ ضدی، ہٹ دھرم اور سخت گیر تو ہیں ہی ۔۔۔ پھر اسے احساس ہوا کہ کس طرح قہر آلود انداز میں وہ اسے گھور رہے تھے ۔۔۔ سرخ اور خونخوار آنکھیں آگ اگل رہی تھیں وہ دفعتہً بغلیں جھانکنے لگا ۔۔۔

"اوصاف میں منتظر ہوں ۔۔۔؟" وہ اس طرح بولے کہ اوصاف کا دل دھڑکنے لگا ۔۔۔

"میں معافی چاہتا ہوں انکل ۔۔۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ۔۔۔ "مجھے کچھ کہنا نہیں ہے ۔۔۔"

"یقیناً ہے ۔۔۔ اور میں ایک بیہودہ تمہید سننے کے بعد پوری بات معلوم کئے بغیر نہیں رہوں گا ۔۔۔" وہ کھڑے ہو گئے ان کے جسم کے خوفناک عرض و وسعت نے اوصاف کو ڈھک لیا ۔۔۔ مگر اداباً اسے بھی کھڑا ہونا پڑا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ گھگھیایا ۔۔۔

"دراصل مجھ ہی کو غلط فہمی ہوئی تھی انکل ۔۔۔ اب کوئی بات مجھے منھ سے بھی نہیں نکالنی چاہیئے ۔۔۔ مجھے اجازت دیجیئے ۔۔۔"

لیکن سیٹھ صاحب آخر سیٹھ صاحب تھے۔ معلوم نہیں انھیں اس قدر طیش کیوں آگیا تھا اوصاف کا لہجہ ان کے لئے واقعی ناقابل برداشت ہو گیا تھا اور پھر کون باپ ہے جو اپنی بیٹی کے لئے نازیبا کلمات سنے اور صبر کر سکے ۔۔۔ انھوں نے یکبارگی دسط... سے میز پر گھونسہ مار ا اور

پھر کون باپ ہے جو اپنی بیٹی کے لئے نازیبا کلمات سنے اور صبر کر سکے۔!
انھوں نے یکبارگی دھڑام سے میز پر گھونسہ مارا اور کہا —— "اچھی بات ہے تم جا سکتے ہو۔ مگر ہم —— ہم اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں گے —— تمھارے ہاتھ میں اپنی لڑکی کا ہاتھ دینا نامناسب تو نہیں ہے ——؟" پھر وہ مڑ کر برآمدے میں نکل گئے اور یہ دیکھا تک نہیں کہ وہ صاف کھڑا ہے کہ چلا گیا۔

مونس باہر سے ایک خط لے کر آئے اور دالان میں کھڑے ہو کر بلند آواز میں عبارت پڑھی پھر ہنس کر بولے۔
"لیجئے خالہ اماں —— دولھا بھائی نے ٹرین کے سارے اوقات لکھ دئے ہیں وہ کل ہمیں لینے اسٹیشن آئیں گے —— خط کیا ہے پورا ریلوے ٹائم ٹیبل ہے"
وہ آ کر آمنہ بیگم کے پاس بیٹھ گئے —— "میں تو کہتا ہوں کہ یہ جو آپ نے اتنے بہت سے ٹرنک، بستر بند اور صراحیاں وغیرہ سامان سفر میں ساتھ لے لی ہیں —— یہ سب غلط ہے آپ دو آدمیوں کو وہاں کس بات کی ہوگی میں سوائے آپ دونوں کے ایک چیز بھی نہیں لے جاؤں گا ——"
مقتدر نہا کر نکلا اور مونس کے پاس بیٹھ کر جلدی جلدی سر پونچھنے لگا۔
"میں ایک بات کہوں —— مونس بھائی ——"
"فرمائیے ——" وہ مضحکہ خیز لہجے میں بولا اور پھر اس کا چہرہ آمنہ بیگم کی طرف موڑ کر بولے —— "خالہ اماں میں کہتا ہوں اس کے لئے اس کی سی لڑکی کہاں سے آئے گی آپ جھوٹ سمجھیں گی مگر یقین کیجئے کہ اس کی

آنکھیں مجھے شروع ہی سے بے حد پسند ہیں — اب تو زیادہ خوبصورت ہو گیا ہے یہ — باجی نے سلمیٰ کا تذکرہ کیا تھا۔ معلوم نہیں کہ اتنی اچھی ہے بھی کہ نہیں ہے جو اپنے علی کے قابل ہو سکے —"

"امی ذرا آئینہ تو اٹھا دیجئے میں اپنے چہرے کو یونس بھائی کی آنکھوں سے دیکھوں گا —" وہ ہنسنے لگا۔

"صاحبزادے ہو —" وہ کراری آواز میں بولے — "جناب کو خوش فہمی ہے کہ میں خوشامد کر رہا ہوں۔ سچ کہو اپنے کالج میں کسی کو اپنی زلف گرہ گیر کا اسیر نہیں کیا —؟"

مقتدر نے قہقہہ لگایا — "کیا بات کہی ہے آپ نے۔ زلف ہی نہیں رکھتا تو گرہ گیر کیسے ہو جائے گی — اچھا ایک بات بتائیے۔ اگر کوئی محترمہ میری زلفوں کے پیچ و خم میں الجھ بھی جاتیں تو آپ ان کی پذیرائی کرتے؟"

"کیوں نہیں — کیوں نہیں — واہ — ارے وہ تو میری چھوٹی بھاوج میری بہو ہوتی —!"

"اچھی بات ہے تو پھر آیندہ سال کوشش کروں گا —" اس نے دھمکی دی —

"کوشش کرے گا —؟" یونس نے آنکھیں نکالیں — "یاد رکھو بیٹے جان سے مار ڈالوں گا ایسا روگ لگانا بھی نہیں — میں تو تمہارا امتحان لے رہا تھا! مجھے فخر ہے — میرا علی ہر حیثیت سے ہر ایک سے ہر معاملہ میں بلند و برتر ہے —! اور سنو — میں تو فی الحال تمہاری شادی کے بھی خلاف ہوں — وہ ایک سال بعد دیکھا جائے گا —"

"سچ مچ — یونس بھائی —؟" وہ خوش ہو گیا —

"بالکل ـــ تمھارے وہ لے جوان، امنگیں تازہ اور آرزوئیں نئی ہیں یا دہکتے ہوئے ارمان تمھارے سینے میں ہیں جو ایک چاق و چوبند انجن کی طرح تمھاری زندگی کی طویل گاڑی کو مقررہ لائنوں پر دوڑائے لئے جارہے ہیں۔ جہاں تمھاری شادی ہوگی ۔ بیوی آجائے گی بس پھر ساری تمنائیں سر پٹختی رہ جائینگی امنگیں خاک بسر ہوں گی ـــ گاڑی لائنوں سے ہٹے گی اور تم بس منے کے ابا ہو کر رہ جاؤ گے ـــ جیسے ہم ہو کر رہ گئے ـــ"

"ہیر یو آر ـــ" اس نے نعرہ لگایا اور مڑ کر مونس سے لپٹ گیا۔ وہ ہنس کر اس کی پیٹھ تھپکنے لگے پھر مقتدر نے شرارتاً آمنہ بیگم سے شکایت کی ـــ" امی آپ دیکھتی ہیں کس طرح مونس بھائی نے میری شادی میں کھنڈت ڈالی۔ حالانکہ کتنا میرا جی چاہتا تھا۔ میں منے کا ابا بنوں ـــ"

"مار بیٹھوں گی زور سے ـــ" آمنہ بیگم نے للکارا ـــ" اگر بڑے بھائی کے سامنے بے شرمی کی باتیں کروگے ـــ"

"ارے امی ننھا پیدا ہو تو آپ نے مونس بھائی کو نہیں مارا ـــ" مقتدر نے کہا ـــ آمنہ بیگم نے جھک کر تپچی اٹھائی اور وہ کود کر الگ جا بیٹھا ـــ

ساری گرم دوپہر انھوں نے اندر کی ٹھنڈی اور نیم تاریک کوٹھری میں سوتے جاگتے گزاری ـــ مقتدر کو ایک وحشت سی سمائی تھی ۔ اس نے سوچا کہ سرفراز نے اپنے خط میں ایسی کون سی ضروری بات لکھی تھی جو اتوار کے دن خاص فودی تقسیم سے خط روانہ کیا تھا؟ اور مونس نے بھی کچھ پڑھتے پڑھتے رک کر خط جیب میں رکھ لیا تھا! مونس سو رہے تھے ۔ وہ اٹھا اور چپکے سے ان کے بش شرٹ کی جیب سے خط نکال لیا ـــ

"زبیدہ کو بے انتہا آرزو ہے ـــ وہ اسے باقاعدہ منگنی

کا دولھا بنا کر اسٹیشن سے گھر لے جائیں ـــــ خالہ اماں سے بھی نہ کہنا اور علی کو تو بس نہیں دینا ہی ہے اس سے کہہ دوگے تو سارا لطف خاک میں مل جائے گا ـــــ ہار پھول مٹھائی اور باجے وغیرہ زبیدہ اسٹیشن پر ہی لائیں گی ـــــ وہاں سے سیدھے پہلے آپا کے گھر جائیں گے انھیں تیار کر لیا ہے۔ فوری منگنی ہو جائے گی ـــــ میں اس وقت کا تصور کر کے لطف لے رہا ہوں۔ کتنی اچھوتی مسرت ناچنے لگے گی ـــــ علی کے چہرے پر ـــــ ہاں ـــــ اور ایک بات اور یہ کہ ـــــ!

باقی خط اس نے نہیں پڑھا اور جلدی سے کاغذ تہہ کر کے جیب میں واپس ٹھونس دیا۔

"تو یہ پلان باجی نے اس کے حبس دوام کا بنا ہی لیا۔ یہی بات تھی کہ مونس بھائی اتنی شدومد سے اس کی شادی کی مخالفت کر رہے تھے۔ اب کیا ہوگا ـــــ؟ اس کے حواس پراگندہ ہونے لگے۔ وہ مردے کی طرح تکیے پر گرا ـــــ زبیدہ کے احسانوں سے روگردانی کرنا انتہائی کمینہ پن ہے ـــــ انھوں نے واقعی ایک حقیقی بڑی بہن کی سی محبت اسے دی تھی بے انتہا چاہتی تھیں ـــــ اپنے ملنے جلنے والوں سے کہتی تھی کہ میرے چار نہیں، پانچ لڑکے ہیں ـــــ سب سے بڑا علی ہے ـــــ پھر اب ـــــ اب؟ ایک طرف باجی۔ دوسری طرف بینا ـــــ ایک طرف محبت دوسری طرف فرض ـــــ میرے خدا ـــــ میں کیا کروں ـــــ"

وہ سوچتا رہا۔ سوچتا رہا۔ مگر کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی۔ سر میں درد شروع ہو گیا۔ شام کے پانچ بجے مونس اٹھے اور چائے کا ہلڑ مچا دیا۔

"میاں افیونچی ـــــ" انھوں نے اس کا کندھا جھنجھوڑ کر جگایا۔ یار کب تک پڑے سوتے رہو گے ـــ؟ اٹھو کہیں گھومنے چلیں ـــــ"

وہ سو کب رہا تھا جو جاگنے کا سوال پیدا ہوتا! خود کو تر و تازہ ظاہر کرتا ہوا اٹھ بیٹھا ـــ اور دس منٹ تک ہونقوں کی طرح بستر ہی پر بیٹھا رہا۔ مونس نہا کر نکلے اور مقتدر سے بولے ـــ

"چلو آج باہر ہی تاج کی آئسکریم کھائیں ـــــ امّی کے لئے بھی واپسی پر لیتے آئیں گے ـــــ"

انھوں نے اسے سوچنے کا موقعہ ہی نہیں دیا ـــــ مقتدر نے ہاتھ منھ دھویا اور لباس بدل کر باہر آیا ـــ

شرط یہ ہے کہ آپ اکیلے واپس آئیں گے ـــــ" اس نے کہا ـــــ کیونکہ میں تو روحانہ کو رخصت کرنے ائرپورٹ چلا جاؤں گا ـــــ ہو سکتا ہے کہ کھانے پر بھی نہ آؤں ـــــ"

مونس نے اسے سر سے پیر تک دیکھ کر ہلکا سا قہقہہ لگایا ـــ" نواب صاحب کیا آپ کسی گورنر کے ایٹ ہوم میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ چوڑی دار پاجامہ اور براق اسپی شیروانی ـــ میاں ایسی حرکتیں نہ کرو کہ نظر لگے ـــ جاؤ کپڑے بدلو۔ پاجامہ اور قمیص ـــ بس ـــــ!" مگر وہ نہ مانا ـــ

آمنہ بیگم چائے بنانے باورچی خانے جا رہی تھیں ـــــ مونس نے انھیں بٹھا لیا ـــ جب سے وہ آئے تھے برابر دو کا کھانا ہوٹل ہی سے منگوا رہے تھے ـــــ ایک مرتبہ بھی انھوں نے آمنہ بیگم کو کچن کی گرمی میں کھانا پکانے نہیں دیا۔ حالانکہ وہ بڑی جز بز ہوئی تھیں ـــــ

"میرا انتظار کیجئے — میں ابھی آتا ہوں —" مونس نے ان سے کہا اور مقتدر کا ہاتھ تھام کر گھر سے نکلے چلے گئے۔ راستے میں مقتدر نے کہا — "ایک بات پوچھوں۔ خفا تو نہ ہوئیے گا —"

"خفگی والی بات ہوئی تو ضبط نہ کر سکوں گا — کیونکہ میں ہر طرح تمہیں بابا جان کے معیار پر پورا اترتا دیکھنا چاہتا ہوں —"

"جی نہیں — ایسی کوئی بات نہیں —" مقتدر نے کہا — "میں صرف آپ سے یہی پوچھنا چاہتا تھا کہ آپ نے آج کا ایکسپریس ڈیلیوری خط مجھے پورا پڑھ کر نہیں سنایا — کیا کوئی خاص بات لکھی ہے بھائی جان نے؟"

مونس اس کی شکل دیکھ کر ہنس پڑے — "کوئی بات چھپانے کی نہیں ہے گھر چل کر پڑھ لینا —"

"ابھی بتا دیجئے نا —" وہ بضد ہو کر بولا۔

"نہیں مانو گے —" مونس نے کہا اور سرفراز کی تاکید کے باوجود سب کچھ بتا دیا — مقتدر چپ چاپ سنتا رہا — تاج ڈپو نزدیک تھا دونوں علیحدہ کیبن میں جا بیٹھے۔ مونس نے آئسکریم کا آرڈر دیا اور پھر پوچھا۔

"اچھا اب میں پوچھتا ہوں — صبح کو کون سی بات تم کہنے والے تھے مگر نہ کہہ سکے — اب بتاؤ —؟"

"جی بس یونہی — میں کہنے والا تھا کہ قریب قریب آدھی تعطیلات تو گزر ہی گئیں کیوں نہ امی اور میں اگلے سال چلیں —"

"باجی کی محبت بالکل تمہارے دل سے نکل گئی —؟ وہ تو تڑپتی ہیں تمہارے لیئے —"

مقتدر خاموش ہو گیا ___ دونوں نے آئس کریم ختم کی ۔ مونس نے آمنہ بیگم کے لئے اَرٹ ٹائٹ دو چار ڈبے خریدے اور بل پیش کر کے باہر نکلے ۔ وہ گھر کی طرف چلے ___ مقتدر نے ایروڈرم کی راہ لی راستے سے پھول بھی خرید لیئے ___ شام کے تقریباً سات بجے وہ لوگ پہنچے ! خاصی بھیڑ تھی ۔ سیٹھ صاحب اور مبینا دیر سے آئے ___ ابھی تک کسی کی نظر مقتدر پر نہیں پڑی تھی وہ باہر جنگلے سے لگا کھڑا دیکھ رہا تھا کہ کس طرح روبانہ مسلسل رو رہی تھی اور مبینا کا خوبصورت چہرہ آنسو بہاتے بہاتے سرخ ہو گیا تھا ! دونوں بہنیں گم صم تھیں انھیں ایک دوسرے کی موجودگی میں رونا ہی اچھا لگ رہا تھا ___

پھر وہاں دیوان صاحب مع اپنے صاحبزادے کے دکھائی دیئے ۔ مقتدر چونکا ہو گیا ___

ساڑھے سات بجے اناؤنسر کی آواز گونجی ___ بمبئی جانے والے مسافر جہاز میں سوار ہو جائیں ___ وہ پرواز کے لئے تیار تھا ۔ انڈین ائر لائنز کا دیو پیکر مسافر بردار طیارہ سرچ لائٹ میں نہایا ہوا کھڑا تھا ۔ عجیب سی سوگوار چہل پہل ہر طرف پھیلی ہوئی تھی ___ مسافر اپنے اپنے عزیزوں سے مل کر رخصت ہو رہے تھے ___

روبانہ نے سر اٹھا کر مبینا کو دیکھا اور چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی ۔ مبینا سسکیاں لے لے کر رونے لگی ___ امیر کے رخساروں پر بھی آنسوؤں کی لکیریں دور ہی سے نظر آ رہی تھیں ___ سیٹھ صاحب خاموش تھے ___

"میں بالکل اکیلی ہوں روبی ! ___" مبینا نے اس کی پیشانی پر لب رکھتے ہوئے کہا ___ " جلدی آنے کی کوشش کرنا ___ امیر بھیّا بھول نہ جانا مجھے ___ !"

نہیں — مینا بہن — نہیں — یہ ناممکن ہے —" اس نے
بڑے بزرگوں کی طرح مینا کا سر اپنے سینے سے لگا لیا —
پھر سیٹھ صاحب نے امیر کو گلے لگایا — رومانہ کو سینے سے لگا کر پیار
کیا — رومانہ نے کہا —
"ڈیڈی — باجی اکیلی ہیں — انہیں چھوڑ کر کہیں جائیے گا
نہیں — ان کے حق میں نامناسب فیصلہ بھی نہ کیجیے گا ڈیڈی — وہ
بے زبان ہیں — کچھ بول نہیں سکتیں —"
سیٹھ صاحب بھی شاید یہی سب کچھ سوچ رہے تھے۔ ان کی نگاہوں
میں غالباً مستقبل کا وہ لمحہ بھی اجاگر ہو گیا تھا — ایسے ہی وہ عدن
بحرین یا کویت کے لئے روانہ ہوں گے — تنہا ملول اداس اور مغموم
مینا اسی طرح خاموشی سے انہیں بھی رخصت کر دے گی — ان کا طیارہ
ہواؤں میں گم ہو جائے گا اور مینا سرچ لائٹ کے اندھیروں اجالوں میں گم
پتہ نہیں کیا کچھ کھڑی سوچتی رہ جائے گی —
"اچھا — ڈیڈی — خدا حافظ —!" امیر کی گلوگیر آواز نے انہیں
کسی گہرے خواب سے بیدار کر دیا — دونوں آگے بڑھ ہی رہے تھے
کہ انہیں تیز روشنیوں کے پس منظر میں مقتدر دکھائی دیا —
"میرے بھیّا —" خوشی کی ایک بھرّائی ہوئی چیخ رومانہ کے
لبوں سے نکلی — اور وہ دوڑ کر مقتدر سے چمٹ گئی — اس نے
پھولوں کا گھنا گھنا معطر ہار اس کے گلے میں ڈال دیا —
"میرے مقتدر بھیّا — میری باجی کو تنہا نہ چھوڑنا —" وہ
اس کے کانوں میں بولی —

وہ مضمحل سا مسکرایا ـــــ بڑی دیر ہو رہی تھی ـــــ اس نے امیر کو بھی پھول پہنائے ـــ اس سے مصافحہ کیا اور پھر وہ لوگ گیٹ سے نکل کر چلے گئے ـــــ

لائٹ کے سرکل میں مینا کو آخری مرتبہ امیر اور رومانہ پل بھر کے لئے کھڑے دکھائی دیئے اور پھر ایک نامعلوم مدت تک کے لئے ان کی شکلیں اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں ـــــ

طیارہ ایک ہولناک گھڑگھڑاہٹ کے ساتھ رن وے پر دوڑتا چلا گیا اور پھر فضاؤں میں بلند ہو گیا ـــــ آن کی آن میں وہ بادلوں کے قریب پہنچ گیا اور لوگ اپنے ساتھیوں کو رخصت کر کے واپس لوٹے ـــ

اوصاف کینٹین کی دیوار سے پیٹھ ٹیکے کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا ـــــ اس کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں اور حواس مفلوج ہو رہے تھے اس نے باپ کی شان و شوکت اپنی درگت بھی دیکھی تھی! اس وقت کوئی اس سے مخاطب نہیں ہوا کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی ـــــ رومانہ اور امیر اس سے نہیں ملے ـ سیٹھ صاحب بھی برگشتہ نظر آرہے تھے ـــ اس کی شعلہ فشاں نگاہیں مقدر پر پڑیں اور سینے میں انتقام کی بھٹی سلگنے لگی ـــــ وہ آہستہ آہستہ باہر نکلا اور اوصاف کے دیکھتے ہی دیکھتے پتہ نہیں کدھر غائب ہو گیا ـــ اوصاف مینا کے انتظار میں کینٹین میں بیٹھا تھا ـــــ وہ اور سیٹھ صاحب معہ دیوان صاحب کے باہر نکلے دونوں گھر جا رہے تھے ـــــ مگر مینا نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا ـــــ

"مجھے مجبور نہ کیجئے ڈیڈی ـــــ" مینا کی آواز خدا جانے کون سے

جذبے کے تحت لرز رہی تھی ۔۔۔ "گھر کے خیال سے مجھے وحشت ہو رہی ہے میں ابھی گھر نہیں جاؤں گی ۔ آپ مجھے اکیلا چھوڑ دیجئے ۔۔۔"

"بیٹی ۔۔۔" سیٹھ صاحب کی آواز نرم اور شفیق تھی ۔۔۔ "پونے آٹھ ہو رہے ہیں ۔ ! تم اکیلی کہاں جاؤ گی ۔۔۔ جہاں کہیں جاؤ میں پہنچا دوں ۔"

"شکریہ ۔ ڈیڈی ۔۔۔ آپ جائیے ۔ کون سی ایسی رات گزری ہے میں تاجور سے مل کر آتی ہوں ۔۔۔"

اس نے انھیں وہیں چھوڑ کر آگے قدم بڑھا دئے ۔ سیٹھ صاحب دو منٹ تذبذب کے عالم میں کھڑے رہے ۔

یہ کیوں اتنی ناسمجھی کرتی ہے ۔۔۔ وہ سوچنے لگے ۔

"آئیے دیوان صاحب ۔۔۔" انھوں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا ۔

وہ اندر بیٹھ گئے ۔۔۔ گاڑی چل دی ۔

دس منٹ بعد اوصاف باہر نکلا ۔۔۔ اسے مینا کہیں نظر نہیں آئی ۔

"آج میں تم سے پورا پورا بدلہ لوں گا ۔ کبھی تو دکھائی دو گی ۔۔۔" اس نے دانت پیس کر کہا اور چوکیدار کے اسٹول پر ٹک کر سگریٹ سلگا لیا ۔۔۔

ایک نامکمل کوارٹر کی دیوار کے پیچھے اسے اپنا منتظر مقتدر کھڑا دکھائی دیا ۔۔۔

بے ضبط اور بے قرار ہو کر وہ دوڑی اور اس کی کھلی ہوئی باہوں میں سما گئی ۔

"مینا ۔۔۔" اس نے اس کی خوب صورت مانگ پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے ۔

وہ خاموش آنسو بہائے جا رہی تھی ۔۔۔ معلوم نہیں کون سا جذبہ اپنی پوری شدت سے اس پر حاوی تھا ۔۔۔

مقتدر کے لئے یہ پہلی بار تھی کہ مینا نے اتنی جذباتیت کا مظاہرہ کیا تھا ۔۔۔ وہ جذبات اور ہیجان کے سیلاب میں گم تھا بالآخر وہی سنبھلا اور اس نے مینا کا چہرہ اپنے

ہاتھوں میں تھام کر اٹھایا ــــ اس کی آنکھوں میں بھی آنسوؤں کا ہجوم تھا۔

"مینا ــــ" اس نے پلکیں جھپکا کر اپنے آنسو پینے کی ناکام کوشش کی اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا ــــ

"اس قدر گریہ وزاری ــ اتنی اشک فشانی آخر کس لئے ہے؟ تم اپنا کیا حال کر دوگی؟ تمہارا چہرہ گرم ہے ــ تم کانپ رہی ہو ــ مینا ہوش میں آؤ سنبھلو ــــ دل مضبوط کرو ــــ"

"رومی چلی گئی ــــ آپ دور ہیں ــــ" وہ اس کے سینے پر سر رگڑنے لگی ــــ "نہیں صبر ہوتا مجھ سے! میں پاگل ہو جاؤں گی ــــ"

"حوصلہ رکھو ــ مینا ــ حوصلہ رکھو ــــ" اس نے اس کے نرم ونازک رخسار پر اپنے دہکتے ہوئے لب رکھ دیئے اور بھاری گلوگیر آواز میں سرگوشی کی ــ "رومی واپس آجائے گی ــ میں تم سے دور نہیں ہوں ــ میں تو تمہارا ہوں ــــ کوئی آندھی کوئی طوفان دنیا کا بڑے سے بڑا حادثہ بھی مجھے تم سے الگ نہیں کر سکتا! بیکار اتنی پریشان ہوتی ہو ــ روتی ہو اور مجھے بھی بے چین کر دیتی ہو ــــ؟"

رفتہ رفتہ وہ سنبھل گئی ــــ "پھر آپ کیا کریں گے کچھ مجھے بھی بتایئے میں سچ مچ بہت پریشان ہوں ــــ"

"میں نے اب تک کچھ بھی نہیں کیا مینا ــــ" وہ اس کا ننھا سا ہاتھ تھام کر جذباتی لہجے میں بولا ــــ "مگر اب کیا کروں گا ــــ میں سیٹھ جی کے پاس جاؤں گا ــ ان کی خوشامد کروں گا ــ ہاتھ جوڑوں گا ــــ اور ممکن ہو سکے تو ان کے قدموں پر سر رکھ کر بھیک ان سے مانگ لوں گا ــــ! کیا تب بھی ان کا دل نہ پسیجے گا ــــ؟"

بینا سوچنے لگی ـــــ "کیا کریں گے اس وقت ڈیڈی ـــــ؟ انھوں نے نہایت ناپاک الفاظ اس کی اور اس کی امی کے نسبت منھ سے نکالے گا ـــــ! کیا سچ مچ ان کا دل مقتدر کی خوشامد سے گداز ہو جائے گا! اس نے ان کی سنگدلی کی داستان مقتدر سے نہیں کہی ـــــ

اس نے پیار سے چمکار کر کہا ـــــ "اب اتنی بے ضبط نہ ہونا ـــــ اچھا؟ جب میں تمھیں اس قدر مضطرب اور پریشان دیکھتا ہوں تو میری ہمت بھی میرا ساتھ چھوڑ جاتی ہے ـــــ آؤ اب چلیں ـــــ تم آج بہت ہلکان ہوتی رہی ہو میں پھر تم سے ملوں گا ـــــ!"

"کل میں آؤں گی آپ کے یہاں ـــــ جی بھر کے باتیں کریں گے ـــــ!"

بینا اب نارمل ہو گئی تھی ـــــ

دفعتہً مقتدر پر ایک بجلی سی گری۔ کل تو وہ جا رہا تھا ـــــ! اس کا کوئی بہانہ بینا کو برہم کر دے گا ـــــ اس نے دل ہی دل میں عہد کیا کہ وہ ہرگز نہیں جائے گا ـــــ

"میں تمھارا منتظر رہوں گا ـــــ" اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں پر رکھ لیا اور اس طرح اس کے قریب جھکا کر وہ شرما گئی ـــــ اور جلدی سے پیچھے ہٹ کر بولی ـــــ "آیئے چلیں ـــــ"

وہ باہر نکلے ـــــ ٹیکسیاں برابر آ رہی تھیں ـــــ مقتدر نے ایک ٹیکسی کے لئے ہاتھ اٹھا دیا ـــــ

"اچھا ـــــ خدا حافظ ـــــ کل ضرور آنا ـــــ صرف رات بھر کی تو بات ہے گھر جاتے ہی سو جانا ـــــ رونا دھونا نہیں ـــــ"

"ساتھ چلیئے ـــــ" بینا نے کہا۔

"ہماری ساتھ ساتھ واپسی شاید سیٹھ صاحب کو مشکوک کر دے ۔۔۔" مقتدر نے کہا ۔۔۔ "فی الحال انھیں غصہ دلانا کام خراب کرنا ہے ۔۔۔ خدا حافظ شب بخیر ۔۔۔!" گاڑی متحرک ہوئی! اور وہ ہاتھ ہی ہلاتا رہ گیا۔

مقتدر اسی رخ سے گزرا جدھر سے ادصاف کا سامنا ناگزیر تھا ۔۔۔! یہ سارا تماشہ بھی اس کی نگاہوں کے سامنے ہوا تھا! ۔۔۔ دوزخ کا ایک بھڑکتا ہوا طبقہ اس کے سینے میں کھل گیا ۔۔۔ حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ۔۔۔! تو یہ نوبت بھی آگئی ۔۔۔ سیٹھ صاحب کو دھوکا دے کر صاحبزادی یہاں کھل کھیل رہی تھیں ۔۔۔

مقتدر خیالوں میں گم آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا ۔۔۔! مینا سے جذباتی ملاقات اسے آمادہ تبسم کر رہی تھی! گرد و پیش سناٹا تھا۔ جھینگروں کی جھائیں جھائیں جھاڑیوں میں گونج رہی تھی!

کیا بہانہ کروں گا ۔۔۔ مونس بھائی سے ۔۔۔ وہ سوچنے لگا ۔۔۔ سر میں درد؟ اس نے بلند آواز میں قہقہہ لگایا۔ ٹھیک ہے سر کا شدید درد آج تک کس نے کھوپڑی میں گھس کر دیکھا ہے ۔۔۔

یک بیک کوئی وزنی چیز اس کے سر کے پچھلے حصے پر لگی سنبھلتے سنبھلتے وہ تیورا گیا ۔۔۔ ضرب آہنی اور شدید تھی کہ منہ سے کچھ بولے بغیر وہ سڑک پر گرا کسی کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز ٹھوکر بن کر اس کے دماغ پر لگی پھر وہ ارد گرد سے غافل ہو گیا ۔۔۔ گہری بیہوشی طاری ہوئی تھی ۔۔۔

رات کے دس بجنے والے تھے۔ اچانک فیول کار اسی راستے سے آئی جدھر مقتدر پڑا تھا۔ اس کی سفید شیروانی ہیڈ لائٹس میں چمک رہی تھی کار کے اندر غل بلند ہوا پھر کار رکی، اور چند ملازم اندر سے اتر کر اس کی طرف

جھپٹے ۔۔۔ !

"بیہوش ہے ۔۔۔" ایک نے چیخ کر کہا۔

"ابھی وقت ہے جلدی کرو۔ پکڑ لا کرے آؤ ۔۔۔" اندر سے کوئی بولا۔ ایمرجنسی ایڈ سے شاید جلد ہوش میں آجائے۔ جیبیں ٹٹولو ۔۔۔ کوئی پتہ نشان کم از کم ملے ۔۔۔"

دوسرے نے بڑی بدحواسی میں ساری جیبیں ٹٹول ڈالیں اور چٹکی میں چند نوٹ پکڑ کر کار والے کو دکھائے ۔۔۔

"جیبی کے بتیسے رکھ دو ۔۔۔" وہ پھر بولا ۔ "گریش تم اور یوسف اسے تھام کرلے آؤ ۔۔۔ خدا غارت کرے ۔۔۔ کیا اب یہاں بھی دنگا فساد ہونے لگا یا یہ لوگ یہاں بھی پی کر آتے ہیں ۔۔۔" وہ بڑبڑاتا اور فحش گالیاں بکتا رہا۔ ملازموں نے مقتدر کو سنبھال کر گاڑی میں ڈال دیا۔ گاڑی مڑی اور شہر کی طرف روانہ ہوگئی ۔۔۔

رات کے دس بج چکے تھے ۔۔۔ کھانا کھا کر آمنہ بیگم اور مونس صحن میں آ بیٹھے تھے ۔۔۔ انھیں مقتدر کا انتظار تھا وقت گزاری کے لئے وہ زبیدہ اور عشرت کی باتیں کرنے لگے ! آمنہ بیگم ناصرہ خاتون کی پچھلی زندگی کے حالات معلوم کرنے لگیں ان کا دل بے چین تھا ۔۔۔ رہ رہ کر ہر آہٹ پر دروازہ کی طرف دیکھنے لگتیں مونس بھی کچھ پریشان سے تھے ۔۔۔

"مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتنے لاپرواہ ہوگئے ہیں ۔۔۔ ایسی دیر لگائیں گے تو میں نہ دوں گا ۔۔۔ خالہ اماں اب سو جائیے ۔۔۔ امی، تو جاگ رہا ہوں ۔۔۔ دروازہ کھول دوں گا ۔۔۔"

آمنہ بیگم نے سونے کی بہت کوشش کی مگر نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں

دور تھی ۔۔۔! مونس جاگنے کی کوشش میں سو گئے ۔۔۔! رات کے بارہ بجنے والے تھے مگر ہنوز مقتدر کا کہیں پتہ نہیں تھا ۔۔۔! وہ وحشت زدہ ہو کر اٹھ بیٹھیں "کہاں رہ گیا ۔۔۔ اتنی رات گئے ۔۔۔" انھوں نے جلتی جلتی آنکھیں پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھا ۔۔۔ "یا اللہ اب میں کیا کروں کہاں جاؤں ۔۔۔" وہ بستر سے اتر کر دروازے میں آکھڑی ہوئیں ۔ دور تک سڑک سنسان پڑی تھی کسی راہگیر کا بھی پتہ نہ تھا ۔۔۔! دور آسمان پر ستاروں کا ہجوم چمک رہا تھا ہر طرف ویرانی تھی ۔۔۔ ان کا دل شدت سے دھڑکنے لگا! انھوں نے دروازہ بند کیا اور کھٹکے سے مونس کی آنکھ کھل گئی ۔

" خالہ اماں ۔ آپ کہاں ہیں ۔ کیا علی ابھی تک نہیں آیا ۔۔۔؟"

" نہیں بیٹا ۔۔۔ میرے دل میں پنکھے لگے ہیں ۔۔۔" وہ بولیں ۔" کیا وہ ابھی تک ہوائی اڈے پر ہوگا ۔۔۔؟"

مونس گھبرا کر ان کے پاس آکھڑے ہوئے ۔۔۔ " یہ بھی تو معلوم نہیں کون سی شاگرد اس کی کہاں رہتی ہے ۔ میں اسی کے گھر پر فون کرتا ۔۔۔! اب تک تو آجانا چاہئیے تھا ۔۔۔؟" پھر بے چارے قمیص پاجامہ ہی پہنے گھر سے نکل گئے سارے دروازے بند تھے ۔۔۔ کس سے پوچھتے کیا کرتے ؟ گلی کے نکڑ پر ذرا دیر کھڑے رہے پھر واپس آگئے ۔ آمنہ بیگم کا حال ابتر تھا ۔ وہ اندر آئیں اور دل پکڑ کر چوکھٹ پر بیٹھ گئیں ۔۔۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی ۔ مونس دوڑے اور جلدی سے پٹ کھول دیا ۔ ایک آدمی خاکی لباس پہنے کھڑا تھا اس نے ایک چٹ مونس کی طرف بڑھائی ۔ اس پر آمنہ بیگم کا نام اور گھر کا پتہ تحریر تھا! ۔۔۔ نیچے بگڑے خط میں کسی نے مقتدر کا نام لکھا تھا

" کیا قصہ ہے ۔ بھائی ۔ مقتدر ہے کہاں ۔۔۔؟" مونس نے جلدی سے

پوچھا ۔۔۔ "یہ پتہ آپ کو کس نے لکھ کر دیا ہے ۔۔۔!

ایمرجنسی وارڈ کی سسٹر نے جناب!" اس نے جواب دیا۔ "بڑی مشکل سے آپ کا مکان تلاش کیا۔ مسٹر مقتدر زخمی حالت میں سپتال میں شریک کر دیئے گئے ہیں ۔۔۔ نرس انھیں جانتی ہے۔ ابھی چند روز پہلے وہ ان کی والدہ محترمہ کی دیکھ بھال پر متعین تھی اور ان کے نانا کی میت کے ساتھ بھی یہاں آئی تھی! وہ مسٹر مقتدر کو جانتی ہے اس نے مجھے بھیجا ہے تاکہ گھر پر اطلاع کر دوں میں ایر لائنز آفس میں ملازم ہوں میری گاڑی وہاں کھڑی ہے بہر حال ان کی والدہ کو اطلاع دیدیجئے میں اب آفس جاؤں گا۔"

"مقتدر زخمی ہے ۔۔۔ یہاں اس کے نانا کی میت آئی تھی ۔۔۔؟" یونس متحیر تھے ۔۔۔! ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا! وہ اندر آئے! اور آمنہ بیگم سے ساری تفصیل کہے بغیر بولے ۔۔۔ ایک آدمی جان پہچان کا مل گیا ہے میں ائرپورٹ کا چکر لگا کر ابھی آتا ہوں ۔۔۔ آپ گھبرائیے نہیں ۔۔۔!" اور دروازہ بھیڑ کر چلے گئے ۔۔۔

راستے میں سارا قصہ ائرسرونٹ نے سنا دیا اور یونس کو وارڈ تک پہنچا کر اپنی راہ لی ۔۔۔ یونس نے پردہ ہٹایا اور دیکھا کہ مقتدر بستر پر بیہوش پڑا تھا ۔۔۔ سر پر سفید پٹی لگی ہوئی تھی اس کا لباس بدل دیا گیا تھا خون آلود لباس الگ میز پر رکھا ہوا تھا ۔۔۔!

"علی ۔۔۔" وہ اس پر جھکے اور اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر آواز دی ان کا دل اڑا جا رہا تھا ۔۔۔ یہ کیا ہوا اسے ۔۔۔ کس نے اسے زخمی کر دیا اگر وہ کہیں گرتا تو پیشانی میں چوٹ آتی ۔۔۔! انھوں نے پھر اس کے رخسار تھپک کر اسے پکارا ۔۔۔

"خون بہت زیادہ بہہ گیا ہے مسٹر ۔۔۔!" ایک ڈاکٹر اندر آیا۔ "صبح

تک ہوش آجائے گا خطرے کی کوئی بات نہیں ہے — ! انھیں یونہی رہنے دیجئے —"

"بٹ واٹ از دی میٹر — ڈاکٹر —؟" مونس پاگل ہونے لگے —

"آئی ڈونٹ نو۔ مسٹر —" ڈاکٹر نے انکسار سے جواب دیا۔

"آئی ایم ٹرائنگ مائی بسٹ —" اور انھیں رخصتی سلام کرکے وارڈ سے نکل گیا —

رات کے ڈھائی بج رہے تھے — علی جوں کا توں پڑا تھا اس عرصہ میں ایک نرس آئی اس نے ایک انجکشن اور لگا دیا پھر بڑی دردمندی سے بولی —

"یور رینگ بوائے۔ چہ چہ — یہ بیچارا ایک بڑا مصیبت اٹھایا اماں بیمار تھا — اس کے لئے گھر سے ہسپتال کا چکر مارتا تھا پھر اس کے نانا کا ڈتھ ہو گیا — کتنا ڈریڈفل بات تھا — وہ اپنے نانا کے ڈتھ کا خبر اپنی ماں کو بھی نہ دے سکا — خود ہی اس کا ڈیڈ باڈی اپنے گھر لے گیا — اوہ — مرسی فل گاڈ — اب خود زخمی ہو کر پڑ گیا ہے۔ ہم کو دیکھا نہیں گیا ہے مسٹر — ہم سوچا کہ اس کا مدر پریشان ہوئیں گا۔ اس لئے ہم اس کے گھر پر اس آدمی کو بھیجا — کیا آپ اس کا بھائی ہوتا مسٹر —؟"

"جی ہاں —" مونس نے طویل سانس لے کر کہا — "مگر میری سمجھ میں نہیں آتا اسے کس نے مارا ہے؟ کیا اس کی چوٹ خطرناک ہے یہ تو کل میرے ساتھ ڈسٹرکٹ پر جانے والا تھا —؟"

نرس معنی خیز انداز میں ہنسی — "جانے سکتا جانے سکتا ہوش آجائے

تو ٹھیک ہو جائے گا ۔۔۔ آج کل کا ینگ مین بہوت ڈے لس ہوتا ۔ مسٹر!
جیلسی بھی برداشت نہیں کرتا ۔۔۔ "وہ بلند آواز میں ہنس پڑی ۔ کوئی
تو افیئر ہوئیں گا جناب ۔۔۔ ہاہا ۔۔۔ ہی از ویری بیوٹی فل اینڈ چارمنگ
ٹو ۔۔۔" یہ کہہ کر وہ بھی چل دی ۔۔۔ مونس کو حیرت کے سمندر میں غرق
چھوڑ گئی ۔۔۔ ان کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا ۔۔۔

کون سا نانا ۔ کس کا نانا ۔ اس کی لاش علی اپنے گھر لے گیا ؟ تعجب
حیرت ۔۔۔! وہ بیٹھے سوچتے رہے پھر گھڑی نے سناٹے میں تین بجائے
اور وہ چونک پڑے ۔۔۔ پتہ نہیں گھر پر آمنہ بیگم کا کیا حال ہوگا انھوں
نے ایک نظر علی پر ڈالی ۔۔۔ وہ بدستور غافل تھا ۔۔۔

پھر ایک نرس ڈیوٹی پر آئی اور مونس مقدر کو خدا کے سپرد کر کے گھر
آگئے ۔۔۔! آمنہ بیگم تہجد کی نماز پڑھ رہی تھیں ۔۔۔ ان کی حالت ایسی تھی
کہ مونس ان سے سارا قصہ نہ کہہ سکے ۔۔۔ بہت بڑا جھوٹ بولا ۔

خالہ اماں ۔۔۔ وہ بھی عجیب لاپرواہ ہے ۔۔۔ خواہ مخواہ ہمیں
پریشان کیا ۔۔۔" وہ مسکرائے ۔۔۔ "ارے وہ تو پڑا سو رہا ہے ۔۔۔"

"سو رہا ہے ۔۔۔ کہاں ؟" آمنہ بیگم نے مردہ آواز میں پوچھا ۔

"جی ۔۔۔ وہ چلا گیا تھا ۔۔۔ اس لڑکی کے بھائی کے ساتھ اس کے
گھر ۔۔۔" مونس نے وحشت سے اپنا سر سہلاتے ہوئے کہا ۔ "میں ۔۔۔
دیکھ آیا ہوں ۔۔۔ صبح کو انشاء اللہ چلا آئے گا ۔۔۔"

انھوں نے جانماز تہہ کرتے ہوئے کہا ۔۔۔ "یہ ایسا لاپرواہ ہو گیا
کبھی ایسا نہیں کیا تھا اس نے ۔۔۔ کل آجائے تو اچھی طرح خبر لینا!
مونس میاں ۔۔۔ تمھارا ہی رعب اور خوف اٹھ جائے گا تو پھر سننے گا

کس کی؟ اللہ توبہ —— اللہ توبہ —— وہ مزے میں سو رہا ہے اور ہم دونوں کو پریشان کر دیا ——"

مونس اندر قمیص اتارنے گئے تو ایکبارگی مضطرب ہو گئے —— میرے علی خدارا کوئی دھوکا نہ دینا مجھے —— یا خدا۔ نبھائے میرے سفید جھوٹ کو۔ میں کیسے خالہ اماں کو حالات سے باخبر کرتا ——"

آمنہ بیگم تھکی ہاری بستر پر لیٹ گئیں مگر مونس نے سونے کی اداکاری میں صبح کر دی۔ سات بجے ہوٹل کا بیرہ ناشتہ لے آیا الٹا سیدھا ناشتہ کر کے وہ پھر چلے گئے —— !

نرسنگ آرڈرلی نے انھیں مقتدر کے وارڈ تک پہنچا دیا اسے ہوش آ گیا تھا مگر وہ معاملات کے سمجھنے سے قاصر تھا —— مونس کو دیکھ کر ایک روتی بسورتی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی —— ! وہ اس کے پہلو میں جا بیٹھے۔

"سر میں —— بہت —— درد ہو رہا ہے۔ مونس بھائی ——" اس نے کہا اور یک لخت دو موٹے موٹے آنسو اس کے مرجھائے ہوئے گالوں پر ڈھلک آئے ——

"بیٹے —— یہ سب کیا ہوا —— تم کہیں گر پڑے تھے —— کسی نے وار کیا تھا تم پر —— خاصے گھر سے چلے تھے —— !"

وہ دو منٹ چپ رہا —— اور پھر کہہ دیا جو اس پر گزری تھی۔ اتنے میں نرس اس کے لئے جوس اور مکسچر لے آئی —— ڈاکٹر نے انجکشن لگا دیا ——

"تم اب جا سکتا مسٹر مقتدر ——" نرس نے ہنس کر اس کے کندھے پر تھپکی دی۔

"بہت بہت شکریہ مسٹر ___ " مونس نے جواب دیا ___ " ویسے اب کیا ان کے لئے مزید ٹریٹ منٹ کی ضرورت تو نہیں ہوگی ___ ؟"

نرس نفی میں سر ہلا کر چلی گئی ___ مقتدر نے اپنے لباس پر نظر ڈالی اور پھر مونس کو دیکھا ___

" اگر کمزوری محسوس کر رہے ہو تو ٹھہر جاؤ ___ دو ایک دن اور ___ !" مونس نے اسے چمکارا ___

" امی پریشان ہوں گی مجھے لے چلئے ___ " اس نے کہا اور جیسے ہی پاؤں نیچے اتارا ایک تیز ٹیس درد کی سر میں اٹھی اور اسے بے چین کر گئی ___ وہ ترچھا تکیے پر گر پڑا ___

" کس سے آخر دشمنی تھی تمہاری ___ ؟" مونس نے جھپٹ کر اسے سنبھالا ___ " کس نے بدلا لیا تم سے ___ ؟"

مقتدر سب کچھ جانتا تھا مگر یہ ناممکن تھا کہ وہ مونس سے بھی سب کچھ کہہ دے ___ سر پکڑے کراہتا رہا ___ تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ___ مونس اسے پھر تسلیاں دینے لگے وہ بیحد حواس باختہ ہو رہے تھے ___ گھر پر آمنہ بیگم کو اپنا منتظر چھوڑا تھا ان سے بڑی دور زبیدہ اور سرفراز ان کے منتظر تھے اور یہاں مقتدر پر یہ افتاد پڑی تھی کہ جس کا کوئی اور چھور بجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا گھڑی ساڑھے دس بجا رہی تھی ___

مقتدر بے تاب تھا ___ ہو سکتا ہے کہ گھر پر مینا آئی ہو ___ کیا کرے گی وہ اگر اسے موجود نہ پائے گی ___ ۔

اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ دھاڑیں مار مار کر رو دے ۔

مگر بینا اس دن اس کے گھر نہ آسکی ۔ اس کی بیبتیں جداگانہ اور زیادہ روح فرسا تھیں ۔

سیٹھ صاحب عمر بھر میں پہلی بار متفکر اور پریشان نظر آرہے تھے ۔ ادھر صاف سے بینا کی شادی کا دن گزر گیا تھا ۔۔۔ !! انھوں نے دیوان صاحب کو سرسری جواب دیا تھا ۔۔۔ اب وہ فون پر فون کر کے انھیں بور کر رہے تھے ۔۔۔

گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا ! بینا صبح ان کے لئے چائے لائی اور یہ دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئی کہ سیٹھ صاحب بھی کسی فکر میں گم ہیں ۔۔

" چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے ۔ ڈیڈی ۔۔۔ ! "

" بیٹھ جاؤ ۔۔۔ تھوڑی دیر کے لئے ۔۔۔ ! " انھوں نے اپنی بھاری آواز کو کسی قدر نرم کر کے کہا ۔

اتنے میں پھر فون بج اٹھا ۔۔

" خدا کی مار ۔۔۔ ! " بے ساختہ سیٹھ صاحب کے لبوں سے نکلا ۔۔۔ وہ جھلا کر اٹھے اور ریسیور میز پر پھینک دیا ۔

" کس کا فون ہے ڈیڈی ۔۔۔ ؟ " بینا نے پوچھا ۔۔۔ " کوئی بزنس کا سلسلہ ہے ۔۔۔ ؟ "

" بیٹی بینا ۔۔۔ " انھوں نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا ۔ " کیا تم میرے فیصلے پر راضی ہو ؟ یہی میری سب سے بڑی پریشانی ہے ۔۔۔ "

" ڈیڈی ۔۔۔ اگر میری کسی خطا کی سزا میں آپ مجھے اندھے کنویں میں گرا دیں گے تو پھر کون ہے جو میرا ہاتھ تھام کر مجھے اس کنویں سے نکالے گا ڈیڈی ۔۔۔ میں اپنی ماں کی محبت کو بھول گئی ۔۔۔ آپ نے مجھے ماں کی بھی محبت دی ہے ۔۔۔ اگر میں کوئی قصور کر دوں تو اس کی سزا مجھے اتنی ۔۔

ہولناک نہ دیجیے — آپ کو مجھ پر ہر طرح کا حق حاصل ہے ڈیڈی — مگر — "

"بات کو اتنا طول نہ دو بیٹی —" وہ پیالی پرچ میں رکھ کر بولے "ہاں یا نہ — بس ایک لفظ — میں بہت دنوں سے دیوان صاحب کو جانتا ہوں — لیکن —!

وہ بھی خاموش ہو گئے اور پھر اٹھ کر ٹہلنے لگے — "اس مردود نے مجھے طعنہ دیا — ساٹھ ہزار کا طعنہ — یہ کوئی بڑی رقم نہیں — میں دگنی رقم سے اس کا منھ بند کر سکتا ہوں لیکن تم نے — کام ایسا کیا ہے بیٹی کہ ہمیشہ تم کو اور مجھے ہزاروں اوصاف کے منھ سے نکلے ہوئے طعنے سننے اور برداشت کرنے پڑیں گے —"

"میں نے کیا کیا ہے ڈیڈی —؟" اس کا دل دھڑک اٹھا۔

"تم نے اس کم ظرف انسان سے دوستی کی پینگیں بڑھائیں جو تمھارا ہم مرتبہ نہیں تھا!" وہ اب کی برہم لہجے میں بولے — "تم سمجھتی ہو کہ ایسی باتیں کہیں پوشیدہ بھی رہ سکتی ہیں — بالآخر تم پر انگلیاں اٹھیں — اور یقیناً — یقیناً — اوصاف مجھے یہی طعنہ دینے والا تھا کہ وہ اس صورت میں تم سے شادی نہیں کر سکتا! — کتنی بڑی بات ہے —!"

"ڈیڈی —!" وہ گڑگڑائی — "خدا کے واسطے یقین کیجیے۔ وہ کم رتبہ آدمی نہیں — آپ کے حقیقی بھانجے ہیں — مجھے نانا میاں نے سب کچھ بتا دیا تھا —"

"فضول بکواس بند کرو — میرا کوئی بھانجہ نہیں —" وہ دہاڑ پڑے — "یہ سب اس بڈھے کی چالبازی تھی — اور — اور بالفرض ہو بھی — تو کیا — میں ایک مفرور اور بدکردار عورت کے بیٹے

کو اپنا بھا مجبر تسلیم کر سکتا ہوں ۔ ناممکن ۔۔۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر زیادہ تیزی سے ٹہلنے لگے ۔۔۔

"تو پھر اب آپ کیا سوچ رہے ہیں ۔ ڈیڈی ۔۔۔" اس کم رتبہ ذلیل آدمی کو ذہن سے جھٹک دیجئے ۔۔۔ اس کی حقیقت کیا ہے جو آپ اسے یوں اپنے افکار میں جگہ دے رہے ہیں ۔۔۔! آپ کی فکریں ناپاک ہو جائیں گی آپ اوصاف سے معافی مانگ لیجئے ۔۔۔ آپ کو بھی تو کام ہے ۔ آپ کو عدن، بحرین کویت اور امریکہ جلدی جانا ہے ۔۔۔ اگر میرا وجود آپ کی راہوں میں یونہی پہاڑ بنا کھڑا رہا تو بڑا نقصان ہو جائے گا ڈیڈی ۔ میرا کیا ہے ۔۔۔ میں تو انسان ہوں ایک فانی ہستی جو مرے گی اور نگھلے گی ۔ مگر آپ کی دولت ۔۔۔ وہ تو امر ہے ڈیڈی ۔۔۔ وہ نہ مر سکتی ہے نہ اسے کیڑے کھا سکتے ہیں ۔۔۔ لہٰذا مجھ پر وہ فوقیت رکھتی ہے ۔۔۔ آپ اپنی تجوریاں بھریئے ڈیڈی ۔۔۔ مجھے جہاں جی چاہے جھونکیئے اور جائیے ۔۔۔ میں آپ سے کبھی کوئی شکایت نہیں کروں گی ۔۔۔ ڈیڈی ۔۔۔ کبھی نہیں ۔۔۔"

وہ روتی منہ بناتی اور ہچکیاں لیتی ہوئی سب کچھ کہہ رہی تھی ۔ پھر اس کی سسکیاں قابو سے باہر ہو گئیں اور الماری سے ٹیک لگائے وہ فرش پر گر کر بیہوش ہو گئی ۔۔۔ سیٹھ صاحب جو بڑے غصے طیش اور غضب کے عالم میں اس کی باتیں سن رہے تھے یکبارگی چونک کر اس کی طرف جھپٹے ۔۔۔ آوازیں دیں کندھا پکڑ کر ہلایا اور یکبارگی سراسیمہ ہو گئے ۔ بے اختیار جھک کر اسے اپنے بازوؤں پر اٹھا لیا ۔ کلیوں کے نرم و نازک ہار کی طرح ۔۔۔ دو منٹ یونہی لئے کھڑے رہے اور پھر اس کے کمرے میں پہنچ کر اسے بستر پر ڈال دیا ۔ پھر وہ دروازے میں منہ کر کے نہایت سخت جھنجھلاہٹ اور بھناہٹ میں

کوکب کو پکارنے لگے ــــ وہ جھپٹ کر نزدیک آئی ــــ

" ڈاکٹر کو فون کر ــــ جلدی جا ــــ ! " کوکب بھاگی ــــ سیٹھ صاحب کی چنگھاڑ ہی سے مینا کو ہوش آگیا تھا ! وہ بستر پر اٹھ بیٹھی ــــ سیٹھ صاحب مڑے اور اسے ہوش میں دیکھ کر جہاں کے تہاں رک گئے ــــ

" اپنی فضول بکواس میں تم نے میرا اور اپنا دونوں کا وقت خراب کیا "

" مجھے افسوس ہے ڈیڈی ــــ " اس نے سر جھکا کر کہا اور ان کے پاس سے گزر کر کمرے سے نکل گئی ــــ

ڈاکٹر آگیا ــــ مگر مینا نے خود کو دکھانے سے انکار کر دیا ــــ وہ لائبریری میں بند پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی ــــ آج اس کے پاس اس کا اپنا کوئی نہیں تھا جو دل کی سنتا۔ تسلیاں دیتا اور مستقبل کی کوئی راہ اس پر کھولتا۔

" بی بی ــــ چائے لائی ہوں ! " باہر سے ستارہ کہہ رہی تھی ــــ

مگر اس نے اب بھی دروازہ نہیں کھولا ــــ کھانے کا وقت بھی گزرا اور پھر سہ پہر کی چائے کا وقت بھی یونہی نکل گیا ــــ وہ بخار کی سی غفلت میں پڑی سوچے جا رہی تھی ــــ کیا کہے گا مقتدر ؟ اسے بے وفا بنائے گا اس کے انتظار میں بے چین ہوگا ــــ پچھلی ملاقات کی ہیجان خیز یادیں اس کے احساس میں زندہ ہوئیں اور وہ سسکنے لگی ــــ

" ڈیڈی ــــ اب میری لاش ہی اس کمرے سے نکلے گی دیکھ لیجئے گا۔ "

وہ بھی اضطراری ہو گئی ــــ

سیٹھ صاحب زندگی میں پہلی بار ایسی الجھن میں مبتلا ہوئے تھے اب کی تو معاملہ ہی نیا تھا ! مقابلہ نہ کسی برابر والے سے تھا نہ کاروباری نہ روپیہ پیسے کا ــــ مقابلہ اپنی بیٹی سے تھا ! جس کے لئے اپنی تمام بے رحمیوں کے

باوجود ان کے دل میں رحم کا جذبہ بھی موجود تھا گو کہ اس کا احساس انھیں نہیں تھا۔۔۔ وہ متفکر ضرور تھے ۔۔۔ آخر کیوں اس نے خاموش احتجاج کر رکھا ہے ۔۔۔ کیا چاہتی ہے ۔۔۔؟

رات کے کھانے کا گانگ بجا۔۔۔ وہ بوجھل قدم اٹھاتے ڈائننگ ہال میں پہنچے ۔۔۔ نوکر دست بستہ ایستادہ تھے۔ مینا نہیں تھی ۔۔۔

اپنی ہتھیلی پر گھونسہ رسید کر کے وہ دہاڑے ۔۔۔ "مینا کہاں ہے ۔۔۔ کیا کر رہی ہے ۔۔۔ کھانے پر کیوں نہیں آتی ۔۔۔؟"

کوثر سہم کر تھر تھر کانپتی ہوئی بولی ۔۔۔ صاحبزادی کو بہتیری بار آوازیں دیں حضور ۔۔۔ خوشامدیں کیں۔ صبح سے بھوکی پیاسی بند ہیں مگر وہ باہر نہیں نکلیں ۔۔۔ بس ان کے رونے کی آوازیں آتی رہیں ۔۔۔

"خاموش بیٹھو ۔۔۔" وہ خونخوار آنکھوں سے اس کی طرف گھور کر گرجے وہ پھر خود بھی کھائے پیئے بغیر طعام خانے سے نکل گئے ۔۔۔

اتنے میں دوسرے ملازم نے ان کی خدمت میں ایک کارڈ پیش کیا۔

"کون ہے یہ بدتمیز ۔۔۔ کس سے ملنا چاہتا ہے ۔۔۔؟"

"صاحبزادی مینا سے ۔۔۔ سرکار ۔۔۔"

"صاحبزادی مینا سے ۔۔۔" وہ دانت پیس کر پھنکارے ۔۔۔ "عزت کا جنازہ نکالے دیتی ہے یہ خود سر لڑکی ۔۔۔ یوسف خاں۔ بھیجو ۔۔۔ اس آدمی کو میرے کمرے میں ۔۔۔"

ڈرائنگ روم میں ایک معمولی قد و قامت کا شریف صورت نوجوان کھڑا تھا ۔۔۔ معمولی قد و قامت یوں کہ سیٹھ صاحب جیسے گوشت کے پہاڑ کے سامنے وہ ایک بحث بالشتیہ بن کر رہ گیا تھا! انھیں دیکھ کر اس نے بڑے ادب

سے جھک کر سلام کیا اور زیرِ ناف ہاتھ باندھ کر مؤدبانہ انداز میں سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان سے سخت مرعوب ہو گیا ہو! سیٹھ صاحب اپنی خاص چوڑی چکلی کرسی پر بیٹھ گئے مگر نو وارد کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دی —— پھر دفعتہً اسے جھنجھوڑ دیا ——

"کس سے ملنے آئے ہو —— کیا نام ہے تمہارا —— کیوں آئے ہو ——؟"

اس نے سر اٹھایا —— "گستاخی معاف —— میں محترمہ مس اسمٰعیل سے ملنے آیا ہوں —— مجھے عبید کہتے ہیں —— اور میں کیوں ملنے آیا ہوں۔ اس کا جواب تو میں مس درانی ہی کو دے سکتا ہوں ——"

"کیا تم سے بھی اس لڑکی کے تعلقات ہیں!" سیٹھ صاحب نے اس قدر تنفر سے پوچھا کہ وہ سر سے پیر تک لرز گیا —— یقیناً ان کا مطلب ناپاک نہیں تھا لیکن طرزِ اظہار عجیب تھا!

"جی ہاں ——!" اس نے جان پر کھیل کر کہا —— "تعلق بڑا پاکیزہ ہے مس درانی مجھے اپنا بھائی کہتی ہیں اور میں بھی اس مقدس و مطہر رشتہ کا بصد خلوص احترام کرتا ہوں ——"

"اچھا —— اس سے پہلے ایک بدمعاش میرا بھانجہ بن کر آیا تھا۔ آج تم بٹیا کے بھائی بن کر آئے ہو —— یہ عزیز اور رشتے دار اب سے پہلے کہاں تھے۔ کون سا ایسا زلزلہ آیا تھا جس نے انھیں بطنِ زمین سے باہر نکال پھینکا ہے ——" وہ بڑی زہریلی ہنسی ہنسے بادلوں کی سی گرج کمرے میں گونج کر رہ گئی —— "بہرحال میں ان رشتوں ناطوں کا مطلب خوب سمجھتا ہوں —— آپ ابھی اور اسی وقت میرے کمرے سے نکل جائیے اور پھر کبھی ان اطراف میں دکھائی نہ دیجئے گا ورنہ میں آپ کی اپنی طلب کرد؟

توہین اور ذلت وخواری کی کوئی ذمہ داری نہ لے سکوں گا۔"

"رشتے کبھی ٹوٹ نہیں سکتے حضور ——" وہ بڑی سنجیدگی اور بڑے مضبوط لہجے میں بولا —— "خاک ہمیشہ وہیں پہنچتی ہے جہاں کا خمیر ہوتا ہے —— یوسف بے کارواں ہو کر جینا کوئی جینا نہیں ہے ——"

وہ پلٹا ہی تھا کہ سیٹھ صاحب گرجے —— "ٹھہرو۔ بدمعاش! تم یہ کہے بغیر نہیں جا سکتے کہ تم میری لڑکی سے کیا کہنے آئے تھے —— اگر تم نے کوٹھی سے قدم بھی نکالا تو میں تمہیں پولیس میں دے دوں گا۔ تم میرے اثر و رسوخ سے واقف نہیں ہو —— پولیس۔ حکام۔ جسٹس سب میری مٹھی میں ہیں۔ تمہیں میرے اشارے پر پھانسی بھی ہو سکتی ہے —— ! مجھے مشتعل کر کے نکلنا آسان کام نہیں ہے ——"

"پولیس۔ حاکم اور جج آپ کی مٹھی میں ہیں ——" وہ ہنسنے لگا —— "لیکن خدا —— جو میری شہ رگ سے قریب ہے وہ یقیناً آپ کی مٹھی میں نہیں ہے سیٹھ صاحب —— انسانیت کا احترام کرنا سیکھئے غیظ و غضب نے آپ کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر رکھی ہے —— آپ یہ بھی نہیں جانتے کہ آپ کیا کہتے ہیں کیا کرتے ہیں؟ میں آپ کے سے بزرگ کو سبق نہیں پڑھا سکتا —— عرض کرتا ہوں —— درخواست کرتا ہوں —— صرف اتنا سوچیے کہ —— وقت دولت پیدا کرتا ہے —— مگر دولت گیا وقت نہیں پیدا کر سکتی ——"

پھر وہ مڑا اور کمرے سے نکلا چلا گیا ——

راہداری کے سرے پر اسے ایک ملازمہ ملی —— "آپ کو صاحبزادی باغ میں طلب کر رہی ہیں ——"

مینا کی حالت ناگفتہ بہ تھی وہ بمشکل تمام ایک پیڑ کا سہارا لئے کھڑی تھی
علیبد کو آتے دیکھ کر اس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔ علیبد اس کی یہ
کمزوری، زردی اور نقاہت دیکھ کر دنگ رہ گیا ۔۔۔ بے ساختہ اس کے
لبوں سے نکلا ۔۔۔

"تم دونوں میں کوئی جھگڑا ہو گیا ہے مینا ۔؟"

"مجھ میں اور مقتدر میں ۔۔۔ " وہ بڑے پیار سے ہنسی ۔ "کیا
ایسا ہو سکتا ہے ۔۔۔"

"تو پھر تم نے یہ اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے ۔۔۔ پرانی بیمار لگتی ہو ۔۔۔"
علیبد نے کہا ۔۔۔ "مجھے حیرت ہے ادھر وہ خدا کا نیک بندہ عجیب بیوقوف
نکلا ۔۔۔ عقل چکر میں ہے ۔۔۔ اس کا گھر بند ہے ۔ پڑوسی سے پتہ چلا کہ
کسی نے اسے زخمی کر دیا تھا ۔۔۔ ساری رات ہسپتال میں رہا پھر اس
کے بھائی صاحب تشریف لائے اور اسے کسی دوسرے مقام پر لے کر چلے
گئے ۔۔۔؟ یہی میں تم سے پوچھنے آیا تھا کہ وہ بیوقوفوں کا سردار ۔ تمہیں
اور مجھے اطلاع دیئے بغیر کہاں رفو چکر ہوا ہے ۔۔۔ مگر آدھے گھنٹے تک
سیٹھ صاحب قبلہ نے الجھائے رکھا ۔۔۔ بڑے خوفناک آدمی ہیں ایسی
ایسی دھمکیاں دی ہیں ۔۔۔ اتنا ڈرایا دھمکایا ہے کہ ابھی تک دل دھڑک
رہا ہے ۔۔۔"

"مقتدر چلے گئے ؟" مینا کے لبوں سے نکلا ۔۔۔ "کہاں چلے گئے ؟"

"یہ تو ان حضرت نے بھی نہیں بتایا ۔۔۔" علیبد بولا ۔ "یہی کہتے
رہے کہ وہ کسی ضلع پر چل دیے کیا تم سے کوئی تذکرہ نہیں آیا ۔

"نہیں ۔۔۔" مینا کی سانس رک رہی تھی ۔ اب اسے کون بچا سکتا

ہے جب مقتدر دامن کشاں ہو گیا۔۔۔

"معلوم نہیں کیا افتاد پیش آئی ۔۔۔" عبید کہہ رہا تھا! "کسی سے جھگڑا ہوا تھا کہ موصوف نے زخم بھی کھایا۔ ہسپتال میں بھی آرام فرمایا اور گدھے کے سینگوں کی طرح عازم سفر بھی ہو گئے ۔۔۔"

"آپ کو بھی نہیں معلوم ان کا آبائی گاؤں کہاں ہے ۔۔۔؟" وہ بہت ضبط کر رہی تھی ۔۔۔

"کبھی اس قسم کا کوئی تذکرہ نہیں آیا۔" عبید بولا ۔۔۔ "مجھے پتہ ہوتا کہ ایک دن یہ آنے والا ہے تو میں ساری معلومات حاصل کر لیتا۔ میں تو سمجھا تھا کہ اس کا کوئی بھائی وائی نہیں ہے مگر ۔۔۔"

"تو پھر مجھے مرنے سے کوئی نہیں بچا سکتا ۔۔۔!" وہ پھر رو پڑی۔

"ہائیں بہن یہ کیا ۔۔۔؟" عبید اچھل پڑا ۔۔۔ "مایوسی کفر ہے بہنا۔ ابھی ہم موجود ہیں ۔۔۔ میرے نزدیک اس بے بنیاد کھیل کی کوئی اہمیت نہیں ۔۔۔ سب کچھ یکبارگی ختم ہو جائے گا ۔۔۔ "تم گرداب میں چکرا رہی ہو ۔۔۔ بہنا یقین کرو کہ اسی گرداب کی ایک زبردست موج تمھیں ساحل تک پہنچا دے گی۔ آنسو بدہمتی کی دلیل ہے ۔۔۔ حوصلہ رکھو ۔۔۔"

جہاں وہ کھڑے تھے وہاں مدھم اجالا تھا ۔۔۔! ورنہ عبید دیکھ لیتا کہ مایوسی فاقہ کشی اور گریہ وزاری نے بہنا کو کتنا قریب المرگ کر دیا تھا ۔۔۔! وہ اسے تسلیاں دیتے رہے ۔۔۔"

"یونیورسٹی دو ماہ بعد کھل جائے گی۔ تب تو وہ ضرور آئے گا۔ میرا پتہ اسے معلوم ہے ۔۔۔ مجھے تو وہ خط بھیجے گا ۔۔۔ کوئی مجبوری

ایسی ہی ہوگی مینا کہ وہ تم سے اور مجھ سے مل نہ سکا ہوگا ـــــ کوئی بدگمانی اس کی طرف سے نہ کرو ـــــ وہ بہت معصوم، ڈرپوک اور بے زبان ہے ـــــ اپنی کوئی رائے نہیں رکھتا ـــــ شاید مجبور کر دیا گیا ہو ـــــ معلوم نہیں مینا اس پر کیا گزر رہی ہے ـــــ" وہ فرطِ تاثر سے خاموش ہوگیا ـــــ

رات کے لگ بھگ بارہ ایک بجے سیٹھ صاحب پھر اندر آئے اور مینا کے کمرے پر دستک دی ـــــ

"مینا ـــــ باہر آؤ ـــــ" ان کی آواز کھوکھلی تھی ـــــ

وہ باہر آگئی ـــــ چہرہ زرد ـــــ گالوں پر آنسوؤں کے نشان واضح تھے ـــــ پژمردہ لب ـــــ مگر استقلال اور صبر اس کے تیوروں سے عیاں تھا ـــــ

"آؤ بیٹی ـــــ کھانا کھالو ـــــ" سیٹھ صاحب نے کہا ـــــ عجیب سی آواز تھی ـــــ شہد سے شیریں ـــــ موم سے نرم ـــــ عمر بھر میں پہلی بار مینا نے ایسی آواز سنی تھی ـــــ وہ سر اٹھا کر حیرت سے انھیں دیکھنے لگی سیٹھ صاحب کے پرجلال چہرے پر موہوم سی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی ـــــ

"ڈیڈی ـــــ آپ میری فکر نہ کیجئے ـــــ جب آپ چلے جائیں گے تو پھر یہ دیکھنے کہاں آئیں گے کہ میں نے کھانا کھایا ہے یا فاقے کر رہی ہوں ـــــ" اس نے لوہا گرم دیکھ کر ضرب لگائی ـــــ "ابھی سے عادت ڈال لیجئے ڈیڈی تاکہ بعد کو نہ آپ کو تکلیف ہو نہ مجھے ـــــ"

"تمھارے منھ سے میں یہ باتیں سننا پسند نہیں کرتا ـــــ میں بہت کچھ سوچ رہا ہوں ـــــ بیٹی ـــــ جب تک ایک فیصلے پر نہ پہنچ جاؤں گا کہیں نہیں جاؤں گا ـــــ اس بدبخت نے مجھے للکارا ہے ـــــ سوال تمھاری

ذات کا نہیں — میری انا کا ہے —— خیر میں دیکھوں گا——
اب کھانا منگواؤ—— !!!

ہ

سرفراز اور مونس وغیرہ متفکر تھے —— زبیدہ نے بڑے پیار سے مقتدر کو بلوایا تھا —— کیا کچھ ارمان ان کے دل میں انگڑائیاں لے رہے تھے لیکن وہ سب خاک بسر ہو کر رہ گئے —— انھوں نے بڑی حیرت سے محسوس کیا تھا کہ وہ بالکل بدل کر رہ گیا تھا نہ وہ شوخیاں تھیں نہ خوش مزاجی کھویا کھویا سا رہنے لگا —— انھوں نے بڑے طویل پروگرام بنائے تھے معلوم نہیں کہ کیا کچھ سرفراز کی بہن سے سلمیٰ کے بارے میں کہہ رکھا تھا کچھ پورا نہ ہوا۔ اس کے علاوہ سرفراز اور زبیدہ کو مونس نے اس کے پراسرار طریقے پر چوٹ کھانے کا بھی واقعہ سنایا تھا —— یہ بھی کہا تھا کہ وہ کسی کی لاش بھی اپنے گھر لایا تھا جس کی کسی کو خبر نہیں لگنے دی تھی —

وہ کسی سے ملتا جلتا نہیں تھا! ناصرہ خاتون جو کئی مہینوں سے اسے دیکھنے کو ترس رہی تھیں —— انھوں نے ننھے بچے کی طرح پیار کرکے اسے اپنے ہڈیوں بھرے سینے سے لگا لیا تھا! اور دیر تک پاس بٹھائے باتیں کرتی رہی تھیں —— مگر اس نے ان کی تمام باتیں خود فراموشی میں سنیں جواب ایک کا بھی نہیں دیا —

" تم لوگ اسے زبردستی کرکے لائے ہو —— ؟" انھوں نے مونس سے کہا —— رات کے کھانے کے بعد سب صحن میں بیٹھے باتیں کر رہے —— تھے

مقتدر کھانا کھاتے ہی اٹھ کر چلا گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی ناصرہ خاتون نے مونس سے پوچھا۔۔۔

"بالکل زبردستی نہیں کی۔۔۔ امی۔۔۔" مونس نے جلدی سے کہا۔ "کیوں کرتے۔۔۔ میں تو ان کی مرضی پر شاکر تھا۔۔۔ اگر وہ نہ آنا چاہتے تو میں قطعی مجبور نہ کرتا۔۔۔"

"اور یہ کسی کے جنازے کا کیا قصہ ہے۔۔۔؟" سرفراز نے پوچھا۔۔۔ "خالہ اماں۔۔۔ آپ کو تو معلوم ہوگا۔۔۔؟"

"کون سی بات ایسی ہے میاں۔۔۔ جو مجھے معلوم ہو اور تم سب کو اس کا پتہ نہ ہو۔۔۔" آمنہ بیگم نے کہا۔۔۔ "میں تو خود ہی سات آٹھ دن ہسپتال میں پڑی رہی تھی۔۔۔ مجھے کچھ خبر نہیں کہ اس عرصہ میں وہ کیا کیا کرتا رہا۔۔۔ ابھی جو چوٹ لگی ہے اس کی بھی مجھے خبر نہیں۔ اللہ جانے کیا بات ہے۔۔۔ مجھے تو کچھ بتاتا ہی نہیں۔۔۔"

"بڑی پریشان کن صورت حال ہے۔۔۔" سرفراز نے کہا۔۔۔ "مونس تم نے بھی زور دے کر کچھ نہیں پوچھا۔۔۔"

"میں اس پر سختی نہیں کرسکتا۔ بھائی صاحب!" مونس نے کہا۔ "وہ میری شکل دیکھنے لگتا ہے۔۔۔ پھر میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔۔۔"

"پھر تم کاہے کے لئے ہو۔۔۔؟" آمنہ بیگم نے کچھ بگڑ کر سرفراز سے کہا۔۔۔ "ڈانٹو ڈپٹو۔۔۔ تمہارے لئے تو وہ ابھی لڑکا ہی ہے مار سکتے ہو کیا اسے چھوڑ دو گے کہ بری راہ چلے۔۔۔ من مانی کرتا پھرے۔ مونس سختی نہیں کرسکتے۔۔۔ اپا کو اس کا ڈانٹنا برا لگتا ہے۔۔۔ تو پھر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔۔۔"

زبیدہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا ــــ "میں سمجھتی ہوں یہ سب منگنی نہ کرنے کا بہانہ ہے۔ اس نے اپنی ناسازیٔ طبع کی آڑ لے کر اسی دن مجھے کچھ کرنے نہیں دیا ــــ اگر اسے یہ سب منظور نہیں تھا تو کہہ سکتا تھا! آپا مجھ سے آپ کا جواب مانگیں گی ــــ میں نے تو قریب قریب سارا معاملہ ہی طے کر دیا ہے ــــ اب ان سے کیا کہوں گی ــــ"

"ابھی سے سوچنے نہ بیٹھ جاؤ ــــ" ناصرہ خاتون نے کہا ــــ "وہ اتنا بے ادب گستاخ اور سرکش نہیں ــــ زمانے بھر سے اسے دیکھتی آئی ہو ــــ"

سرفراز نے اپنے بڑے لڑکے سے پوچھا ــــ "تم نے دیکھا تھا ــــ تمہارے ماما کدھر گئے ہیں ــــ؟"

"نہیں پاپا ــــ" اس نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا ــــ "ماما تو منہ ہی نہیں لگاتے ــــ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ ماما آ جائیں گے تو خوب ساری تفریحیں ہوں گی ــــ خوب گھومیں پھریں گے ــــ مگر ــــ!"

"خیر آج میں پوچھوں گا!" سرفراز نے کہا ــــ "اس میں آپ سب کے سوچنے اور فکرمند ہونے کی کوئی بات نہیں۔ دراصل ہم سب اسے بچہ ہی سمجھتے ہیں ــــ اور ہمیشہ ہی بچہ بنائے رکھنا چاہتے ہیں ــــ گو کہ حالات اس کے برعکس ہیں ــــ!" پھر وہ تو اٹھ کر نماز پڑھنے چلے گئے اور وہ سب بیٹھے باتیں کرتے رہے ــــ

مقتدر سچ مچ زبردستی ہی لایا گیا تھا! اسے اپنی ماں کی بے بسی ــــ مونس کی شفقت، سرفراز اور زبیدہ کے خلوص اور اپنی بے چارگی اور کس مپرسی کا اتنی شدت سے احساس تھا کہ وہ مونس کی کوئی بات نہ ٹال سکا ــــ کتنا

احسان کیا تھا ان لوگوں نے ان پر ــــ اس کی ساری زندگی ہی مونس کی شفقت و محبت سے عبارت تھی ــــ مگر اب اسے شدید ترین پچھتاوہ تھا وہ اگر معذرت کر لیتا تو مونس اسے اتنا مجبور نہ کرتے ! ایک طرف اسے انتقام جلا کر خاک کر رہا تھا ! اپنے بدترین دشمن کو وہ جانتا تھا ! دوسری طرف بیبا کا جانگسل خیال تھا ــ تیسرا اندیشہ سب سے مہیب اور ہولناک سلمیٰ سے منگنی کا تھا ــ

زبیدہ سچ مچ اسٹیشن پر ہار پھول اور باجے لائی تھیں ـ لیکن جب وہ زرد و اداس چہرہ لئے اور سر پر پٹی باندھے اترا تو وہ دھک سے رہ گئیں ! پھر خدا جانے مونس نے ان سے کیا کہا تھا ــ باجے اسٹیشن سے واپس گئے ہار پھول البتہ انھوں نے پہنا دیئے تھے ! اس طرح محض چند دن کے لئے منگنی ٹلی تھی مگر وہ لازمی ضرور تھی اور ہونے والی ہی تھی ــ

آمنہ بیگم سے ملنے سرفراز کی بہن آئی تھیں ــ بڑے تپاک سے ملیں سرفراز نے مقتدر کو ان کے سامنے لا کھڑا کیا ــ اور ہنس کر بولے ـ

"ہم آپ کی کرامت کے قائل ہو جائیں اگر آپ پہچان جائیے کہ یہ آپ کا کون ہے ــ ؟"

مقتدر کچھ جھینپا کچھ شرمایا اور بہت زیادہ گھبرا گیا ــ

سرفراز نے قہقہہ لگایا ــ "ارے سالے ! جھک کے سلام کر ـ کم از کم تو ہی پہچان جا ـ یہ کون ہیں ــ"

مقتدر نے انھیں جانے بوجھے بغیر جھک کر سلام کیا اور زبیدہ سے بولا "دیکھئے باجی ـ کیسے مجھے بھائی جان اپنے رشتے کی گالی دیتے ہیں ! آپ منع نہیں کرتیں ــ" زبیدہ نے بنا دی ! اور تب سرفراز کو تنبیہ کی "ہاں یہ آخر ہے کیا ؟ ــ میں دیکھتی ہوں ــ آپ کو کوئی خیال ہی نہیں ہے !"

"ارے بھئی۔ تم ہی بتاؤ ــــ سالے کو آخر سالا، نہ کہا جائے تو پھر کیا کہا جائے ــــ؟" وہ شرارت سے بولے ــــ

"دولھا میاں کہا جائے ــــ؟" یونس بول پڑے ــــ مقتدر کو ہنسی آگئی! ــــ سرفراز نے قہقہہ لگایا ــــ

اسے یہ ساری چہل پہل ہنسی مذاق زہر لگتا تھا! ــــ زبیدہ کے بچے اسے گھیرے رہتے۔ معلوم نہیں ان کو اس نسبت کے بارے میں کیسے پتہ چل گیا تھا ــــ وہ دونوں لڑکے سلمیٰ کا نام لے لے کر اسے تنگ کیا کرتے! بظاہر اسے ہنسی آتی تھی۔ بباطن وہ آگ بگولہ ہو جاتا ــــ

"احسان مشری کا تاوان ــــ؟" وہ سر تھام کر سوچتا ــــ کیا زندگی دیکر ادا کیا جائے گا ــــ اس کا دل جلاتا ــــ مینا ــــ مینا ــــ میں تمھارے پاس کیسے آؤں ــــ مینا ــــ تم حسب عادت آئی ہوگی ــــ تم نے مجھے بے وفا، عہد شکن سمجھا ہوگا ــــ مینا ــــ تمھارا دل دکھ گیا ہوگا ــــ یا خدا! ــــ میں کیا کروں ــــ اور وہ بے بس ہو کر رونے لگتیں ــــ

پھر اس نے اپنا شعار بنا لیا کہ ہمیشہ گھر سے غائب رہنے لگا! کبھی کبھار کھانے پہنچتا! ورنہ اسے اس کی بھی پرواہ نہ تھی! سارا دن بے مقصد اجنتا الیورہ کے غاروں میں گزارتا اور رات گئے تک پن چکی کے اطراف باغات میں بیٹھا اپنے گریز پا لمحات کا شمار کیا کرتا! ــــ کون سی گھڑی وہ آئے گی جب وہ دکن کی سرزمین میں واپس جائے گا!

ایک مجبور اور بے بس انسان کے ساتھی اگر تھے تو صرف آنسو تھے ــــ وہ سچ مچ لڑکیوں کی طرح سسک سسک کر روتا تھا! تنہائیوں میں، یوں مینا کو آوازیں دیتا کہ گھنٹوں بازگشت کی گونج اس کے دل کی دیواروں سے

ٹھکرا دی جاتی !

اسے معلوم تھا کہ یہاں قیام کی مدت محدود ہے — وہ پھر واپس جائے گا۔
مگر کب ؟ ابھی دو ڈھائی ماہ باقی تھے —— اور جنگی ایک ڈراؤنے وہم کی طرح
اس کے اعصاب پر مسلط تھی !

آہ بینا ! چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے —— مگر یہ نہیں ہوگا۔ جو
سب چاہتے ہیں ! تم مجھے بھول نہ جانا سہ

میرا پیمان جواں میری وفا زندہ ہے

تم آنکھوں سے تو اوجھل ہو مگر دل میں بسی ہو —— کوئی لمحہ زندگانی کا تمہاری یاد
سے خالی نہیں —— یہ نہ سمجھنا میری پیاری بینا کہ کھو گیا محمل جاں درد کے صحراؤں
میں —— واپس آؤں گا —— میں واپس آؤں گا —— !

رات کے دس بجے شکستہ حال اور تھکا ہارا وہ گھر آیا —— دروازہ کھولا
ہی تھا کہ زبیدہ کے بچے شاہنواز اور ممتاز چیخنے لگے ۔

" پاپا —— ماما آگئے ۔ ماما آگئے —— ! " چھوٹے اعجاز اور سنو بھی شور مچانے
لگے —— ! یکبارگی بہت ساری آنکھیں اس کی طرف اٹھ گئیں ۔ نظریں کیا
تھیں ۔ نیزے کے پھل تھے کہ تلوار کی نوکیں اس کے احساس زخمی ہونے لگے —— !
وہ مجرموں کی طرح دالان ہی میں کھڑا رہ گیا ——

" آؤ بیٹے آؤ —— " ناصرہ خاتون نے دور سے ہاتھ پھیلا دیئے
جیسے وہ ان کی باہوں میں سما جائے گا ——

" سکنڈ شو چلے گئے تھے —— ؟ " مونس نے سوالیہ انداز میں پوچھا ۔

" جی نہیں —— " اس نے مدھم لہجے میں کہا اور ناصرہ خاتون
کے پاس جا کر بیٹھ گیا ——

"پھر کہاں گئے تھے ـــــ کہاں سے آ رہے ہو ـــــ ؟" سرفراز کی آواز گونجی ـــــ لہجہ اتنا درشت انداز ایسا اجنبی تھا کہ مقتدر نے چونک کر سر اٹھایا اور سہم کر انھیں دیکھنے لگا! ـــــ آج تک وہ اس طرح پیش نہیں آئے تھے ناصرہ خاتون کا دل دکھ گیا ـــــ

"اچھا اب جانے دو ـــــ کوئی دوست مل گیا ہوگا ـــــ" وہ پیار سے اسے دیکھ کر ہنسنے لگیں ـــــ!

"علی ـــــ میں تم سے پوچھ رہا ہوں ـــــ" سرفراز پھر گرج کر پوچھا "یہاں کون سا ایسا دوست ہے جو دن بھر تم کو پکڑے رہتا ہے ـــــ رات کو بھی اس وقت تک نہیں چھوڑتا ـــــ؟"

"توبہ ہے اب بس کیجئے ـــــ کل سے نہیں جائے گا ـــــ" زبیدہ نے بیچ سے بات کاٹ دی ـــــ حالانکہ یہ پہلے ہی سے طے تھا مگر مقتدر کی شکل دیکھ دیکھ کر زبیدہ کے دل پر خنجر چل رہے تھے ـــــ کوئی بات ہے ـــ بے وجہ وہ کبھی اداس نہیں رہتا ـــ کیا بات ہے ؟! وہ سوچنے لگیں ـــــ

"تو آخر یہ مجھے جواب کیوں نہیں دیتے ـــــ" سرفراز نے بدستور برہم اور قہر آلود لہجے میں کہا ـــــ "علی! یہاں تمھارا دل نہیں لگتا ـــ کیا تم واپس جانا چاہتے ہو ؟ مجھے جواب دو ـــــ"

"کچھ نہیں بھائی جان ـــــ" اس نے اپنے آنسو روکنے کے لئے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں اور پھر فرش کو دیکھنے لگا۔

"پہلے تو تم اپنی باتیں سب سے کہہ دیا کرتے تھے ـــــ اب کیا بڑے ہو گئے ہو ـــــ ؟" زبیدہ نے کہا ـــــ ان کا مطلب یہی تھا کہ اس پر سرفراز سختی نہ کریں ـــــ "علی میں نے آج تک کبھی تمھاری مرضی نہیں ٹالی ـــــ

اگر کچھ جی چاہتا ہو تو کہو ــــ کوئی بات بری لگی ہو تو بتاؤ ــــ مگر یہ خاموشی، اداسی اچھی نہیں۔ تم تو گھر پر بھی نہیں ٹکتے ــــ!"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے باجی ــــ!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا ــــ

"جانے دو۔ چھوڑو۔ ہٹاؤ ــــ!" سرفراز نے بے رخی اختیار کی زبیدہ سے بولے ــــ "تمہاری ماتا بہت بھڑ بھڑاتی ہے ــــ ہمیشہ بٹیا بیٹا کرتی رہتی ہو ــــ میں کہتا ہوں اس منافقت سے حاصل کیا۔ کوئی کسی کو ماں نہیں بناتا ــــ یہ درجہ ہی الگ ہے ــــ"

"بھائی جان ــــ!" علی نے گریہ آلود لہجے میں احتجاج کیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ سرفراز نے ناگواری سے رخ پھیر لیا۔

مونس کو واقعی دکھ ہونے لگا! وہ اٹھ گئے ــــ مقتدر کو شبہ ہوا کہ وہ خفا ہو کر جا رہے ہیں۔ جلدی سے ان کا ہاتھ تھام لیا اور التجائیہ پیرایہ میں بولا ــــ

"نہ جائیے ــــ مونس بھائی ــــ خدا کے لئے بیٹھ جائیے۔ آپ سب مجھ سے اس طرح خفا ہو جائیں گے تو پھر میں کیسے زندہ رہوں گا۔ بھائی جان! میں سب کچھ کہہ دوں گا آپ سے ــــ کچھ بھی نہیں چھپاؤں گا ــــ میں تو یہی سوچ رہا تھا کہ جس طرح میرا دماغ پراگندہ ہوا ہے اسی طرح آپ کا بھی پریشان ہو جائیگا اور پھر ــــ امی کو بھی ــــ ایک بات سے صدمہ پہنچے گا ــــ"

"ایک صدمہ۔ اگر سب کا صدمہ ہو تو اس کا اثر کم ہو جاتا ہے۔ بہر حال آج تمہیں سب کچھ بتانا ہی پڑے گا ــــ!" سرفراز کسی قسم کی نرمی اور رعایت پر آمادہ نہیں ہوئے ــــ!

بہر حال اسے من وعن ساری تفصیل شروع سے آخر تک بتانی ہی

پڑی ــــ ذہن و دہن کا رشتہ ازلی ہے ــــ اگر ذہن میں انتشار برپا ہو تو دہن سے بھی بے ربط باتیں نکلتی ہیں! وہ بہت سی مرتبہ لڑکھڑایا ــــ اوصاف کی دشمنی پر ــــ بیناہ تعلق خاطر پر ــــ سیٹھ صاحب کی تفصیل پر اور سب سے آخر میں اپنی ذہنی پراگندگی پر ــــ وہ لمحے اس پر بڑے کربناک گزرے جب وہ آمنہ بیگم کے والد کی ناگفتہ بہ حالت کی تصویر کھینچ رہا تھا ــ اس میں اتنی بھی جرأت نہیں تھی کہ وہ اپنی ماں کی طرف دیکھ سکتا! ان پر تو سکتہ طاری ہی تھا! حیرت و حسرت کی تصویر بنی اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں پھر جب وہ گھنٹہ بھر کے بعد خاموش ہوا تو کئی منٹ تک آنگن میں خاموشی چھائی رہی! آمنہ بیگم اب بے آواز رو رہی تھیں ــــ

مجھے بھی اندیشہ تھا بھائی جان جو میرے سامنے آیا ــــ" مقتدر نے سرفراز سے کہا ــــ "میں نے امی سے اس لئے نہیں کہا تھا کہ خود ان کی بیماری کی حالت میں مجھے ان کا سنبھالنا دشوار ہو جاتا ــــ"

"ہاں بیٹے ــــ ٹھیک کیا ــــ" سرفراز نے کھنکھار کر کہا ــ پھر آمنہ بیگم سے بولے ــــ "اب آپ اپنی طبیعت کیوں خراب کر رہی ہیں انھیں تو آپ جیتے جی فراموش کر چکی تھیں اب بھی یہی سمجھئے ــــ"

"میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ موئے دنیا کے لوگوں کے خون کیسے سفید ہوئے ہیں ــــ" ناصرہ خاتون نے کہا ــــ "ارے کوئی ہوتا تو اپنے بے یار و مددگار بھائی بچے کو سینے سے لگا لیتا ــــ چلو پیسے اللہ نے دیئے ہیں اگر ــــ تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ آپس کی رشتہ داریوں کو یوں آگ لگا دی جائے ــــ"

"غضب اللہ کا ــــ انھوں نے اپنے مرحوم سسر کا جنازہ تک نہیں

اٹھایا ——" زبیدہ بولیں —— ان سب میں اب ایک بے چین کھلبلی مچی ہوئی تھی ——!

"کیا اٹھاتے باجی ——" مقتدر نے کہا —— "مجھ سے مینا نے اپنی ماں کی بیکس و بے بس زندگی کا سارا حال سنایا تھا! —— انھیں بھی انھوں نے ہمیشہ تکلیف ہی پہنچائی تھی —— زندوں کے ساتھ ان کا یہ سلوک تھا تو مردوں کے ساتھ کیا کرتے ——"

"کیا وہ ہمیشہ ہی سے ایسے ہیں خالہ اماں ——" مونس نے پوچھا

"میرے سامنے عزیزہ کی شادی کہاں ہوئی تھی بیٹا —— مجھ پر تو تقدیر کی مار پڑی تھی میرا تو منھ جیتے جی کالا ہوا تھا ——" آمنہ بیگم نے روتے دھوتے کہا —— "میری مصیبتوں نے اماں کی جان لی تھی —— ابا کو خدا بخشے وہ ایسے ہی سنگدل تھے کہ بیوہ حاملہ بیٹی کا کبھی دل نہیں رکھا! اب میں ان کی برائیاں کیا کروں —— وہ اللہ کے دربار میں پہنچ گئے —— یہ مجھے زیب نہیں دیتا مگر میں تو یہی کہوں گی کہ اگر وہی اچھے ہوتے تو میں کبھی گھر سے نہ نکلتی۔ بھیا کا دماغ شروع ہی سے انجان اور بے مروت رہے تھے —— انھیں کسی کی پرواہ کیا تھی —— عزیزہ کا ہاتھ بھی کسی قصائی کے ہاتھ میں دے دیا ہوگا عمر بھر کلپتے ترستے اس ناکردہ کار نے بھی گزاری ——"

"کیا اب آپ کا جی چاہتا ہے آپ اپنی مرحوم بہن کے شوہر سے ملیں" سرفراز نے پوچھا ——

"وہ کسی سے ملتے جلتے نہیں —— کیا فائدہ کہ امی کو بھی خواہ نخواہ کچھ کہہ دیں —— "مقتدر نے کہا ——

"واپس جاؤں گی تو ایک چکر ضرور ان کے یہاں کا لگاؤں گی ——"

وہ بولیں ـــــ "ایسے بھی کیا جانور ہوں گے جو سیدھے منہ بات نہ کرینگے تعجب ہوتا ہے مجھے ـــــ باپ ایسے ہیں۔ مگر بیٹی تو حور فرشتہ ہے۔ اتنی نیک۔ ایسی بھولی بھالی، ایسی پیاری پیاری کہ جی چاہتا ہے کہ دل چیر کر دل میں رکھ لیں ـــــ معلوم نہیں کیسا اس بیچاری کا بھی جگر چھلنی کرتے ہوں گے ـــــ چھوٹی کو تو سنا ہے کہ اندھا دھند شادی کر کے کہیں بھجوا دیا۔

سرفراز جو خاموش بیٹھے تھے ایک طویل سانس لے کر بولے ـــــ "مونس! یہ جو حالات اپنے دشمن کے علی نے سنائے ہیں میں نے ان سے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ انھیں جسمانی زک پہنچانے والا اس کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ میں اس کے ساتھ واپس جاؤں گا اور اس کی نبض ضرور دیکھوں گا! میں اپنے دشمن کو معاف کرنے کا عادی نہیں ـــــ"

میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے ـــــ" مقتدر نے کہا ـــــ "وہ بس اسی لئے مجھ سے جلتے ہیں کہ تعلیم میں مجھ سے پیچھے رہ جاتے ہیں! ایک سال کا ساتھ اور ہے ان کا میرا پھر وہ کہاں اور میں کہاں ـــــ"

"تم ابھی بچے ہو ـــ بات کی تہہ تک نہیں پہنچے ـــــ!" سرفراز نے کہا ـــــ

"دیکھو بیٹا۔ اللہ کی شان اس کی مرضی ـــــ!" آمنہ بیگم نے کہا "علی ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ وہ اپنے ناناسے انتقام لے گا۔ لیکن حالات ـــــ انتقام کے بدلے ـــــ خدا نے اسی کے ہاتھوں ان کی آخری خدمت کروائی کوئی کچھ سمجھ نہیں سکتا! اللہ کے کارخانے عجیب ہیں۔

"بہرحال علی احمد صاحب، آپ بڑے آدمی ہیں ـــ" سرفراز نے کہا سیٹھ اسمٰعیل درانی کے بھانجے ـــ اور ہم بے چارے ـــ ہم غریب ـــ"

"ایسے طعنے دے کے مجھے شرمندہ نہ کیجئے ۔۔۔؟" مقتدر نے کسی قدر ناگواری سے کہا ۔۔۔

"کیوں بھئی اپنے خالو محترم ہی کی یاد تو تھیں، یہاں بھی چین لینے نہیں دیتی ۔۔۔" سرفراز نے اس کی دکھتی رگ پر انگلی رکھ دی ۔۔۔ "ان کی یاد میں صحرا صحرا مارے مارے پھرا کرتے ہو ۔۔۔ روتے دھوتے ہو ۔ واپس جانا چاہتے ہو ۔۔۔ پھر طعنہ زنی کا الزام کیسا ۔۔۔؟"

وہ خاموش ہو گیا ۔۔۔ کیسے بتاتا کیا سوچ رہا تھا ۔۔۔ سرفراز وغیرہ نے بھی دوسری باتیں چھیڑ دیں ۔۔۔ دوسرے دن اخبار سے پتہ چلا کہ اس کا رزلٹ اب کی بار بھی امتیازی رہا ہے ۔۔۔ اس کا رول نمبر شاندار ریمارک کے ساتھ سب سے پہلے جگمگا رہا تھا ۔۔۔

وہ دن سب کے لئے بڑی خوشی کا تھا! سرفراز نے شام کو ایک پر تکلف عشائیہ ترتیب دیا اور سب سے پہلی مرتبہ مقتدر نے اپنے یہاں سلمیٰ کو دیکھا!

شاہنواز اس سے بے تکلف تھا اس نے چپکے سے اس کے کان میں کہا ۔۔۔ "موقعہ بڑا اچھا ہے ۔ ماما ۔ ادھر آیئے ۔۔۔ وہ دیکھئے آپ کی دلھن بیگم ۔۔۔ بتایئے کیسی لگیں ۔۔۔!"

اتفاقاً مقتدر کی نظر جب ادھر اٹھ گئیں ۔۔۔ بڑی نازک نازک سی ایک لڑکی ناصرہ خاتون کے پاس تخت پر بیٹھی ہنس رہی تھی ۔ مرکری راڈ کی تیز روشنی میں، اس کا مہتابی رنگ نکھر اسنھر الگ رہا تھا! گلابی گلابی ہونٹ تھے سینے پر ایک لمبی سی سیاہ چوٹی پڑی ہوئی تھی ۔۔۔

"سلمیٰ ۔۔۔" ایک جھٹکا کا سا اس کے ذہن میں ہوا ۔ اور یک بیک ۔۔۔

اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ ۔

"ہم انھیں مامی کہتے ہیں تو بہت شرماتی ہیں اور مضطرب سا وہ
کی معلومات میں اضافہ کیا ـــــ" وہ تو یہاں آئے ہوا تھا! سرفراز کے
ہیں بڑی مشکلوں سے کھینچ کر لایا ہوں۔ کہنے لگی تھیں کہ نہیں - زبیدہ بھی
ہوئے شرم آتی ہے ـــــ میں نے کہا کہ اجی مامی جی ـــــ ا
آپ سے ماما کی شادی کئے دیتا ہے ـــــ چلی چلیے ـــــ" تو

"پھر وہ کیا بولیں ـــــ" مقتدر نے ہنس کر پوچھا۔

"وہ ـــــ" شاہنواز نے شرارت سے دیدے نچائے۔ "آپ ان
کا نام نہیں لیتے ـــــ اچھا جی ـــــ"

"کیا مجھے ان کا نام لینا چاہیئے ـــــ" مقتدر نے پوچھا

"ہاں ماما ـــــ ٹھاٹ سے لینا چاہیئے ـــــ" شاہنواز نے اس کا کالر درست
کرتے ہوئے اکڑ کر کہا ـــــ "بلکہ سویٹی ڈیر کہنا چاہیئے جیسے بابا ممی کو کہتے ہیں
زبیدہ ڈیر ـــــ"

"تم بڑے شیطان ہو ـــــ ٹھہر جاؤ ـــــ میں بھائی جان سے تمہاری
شکایت کروں گا ـــــ" اسے ہنسی آ گئی۔

"آپ سے پہلے میں کر دوں گا!" اس نے دھمکی دی ـــــ "میں کہہ دوں گا
کہ پاپا اپنے ماما چھپ کر مامی کو جھانکتے رہے تھے اور مامی نے الگ میرا کچھ
کھلایا تھا۔ جب کبھی ان کے یہاں جاتا ہوں سب یہ پوچھنے لگتی ہیں کہ شفو سچ
تو سہی "وہ" کیا کرتے رہتے ہیں ـــــ انھیں کھانے میں کون سی چیز اچھی لگتی
ہے ـــــ ارے بابا جواب دیتے دیتے میرا منہ دکھ جاتا ہے۔ سچ پوچھ ماما
وہ آپ کی ایک تصویر بھی امی کے البم میں سے چرا کر لے گئی تھیں۔ دن بھر

آہوں کے گرد میں — میں کہتا ہوں کہ جب

"ایسے طعنے دے کے مجھے شرمندہ پہ سامنے سے ہٹنے ہی نہیں دیں گی۔

ہ مجھے — اچھا؟!"

ناگواری سے کہا —

"کیوں بھئی اپنے خا... ر شانت کا ایک دبیز نقاب منڈھ گیا — وہ کھو

دیتی —" سرفراز ہنستا رہا۔

میں صحرا صحرا ہار پھول پہنانے کے لئے وہ آج آئی ہیں — میں نے جب صبح
چائے پیتے ہوئے کہا کہ امی مبارکباد قبول کیجئے — ماما نے پھر ہائر فرسٹ مار دیا ہے تو
وہ خوش ہوئیں اتنی خوش ہوئیں کہ مجھے لپٹا کر چوم لیا اور پھر خود ہی شرما
کر بھاگ بھی گئیں —" وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا —

"اچھا بابا اب تم جاؤ یہاں سے —!" مقتدر نے بیزار ہو کر سر
تھام لیا — شاہنواز ہنستا ہوا نکل گیا —

"جی ہاں — جی ہاں — میں آپ سے پھر ملوں گا۔ منگنی کے بعد
پاپا کہہ رہے تھے کہ کھانے کے بعد کر دیں گے —"

"شاہنواز —!" وہ بے چین ہو کر بولا — مگر وہ ایک چھلانگ
مار کر باہر نکل گیا —

"یا پروردگار —" اس نے دھڑکتے دل سے سوچا — "کیا اب
کوئی راہ بچاؤ کی نہیں؟ میں کیسے اور کیونکر انکار کر سکوں گا بھائی جان
کے مجھ پر احسانات — مونس بھائی کی دستگیری — باجی کی بے پناہ محبت
اور پھر — میں نے — امی کے سامنے — بڑی بہادری سے قسم کھائی
تھی کہ اگر بھائی جان باجی یا مونس بھائی نے مجھے حکم دیا کہ کنوئیں کھائی میں
چھلانگ لگا دو — یا جلتی آگ میں کود جاؤ تو خدا کی قسم انکار
نہیں کروں گا —"

وہ وقت آگیا تھا اور اٹل تھا! بے چین اور مضطرب سا وہ کمرے میں ٹہلتا رہا — باہر دالان میں شور مچا ہوا تھا! سرفراز کے جاندار قہقہوں کی آوازیں اس کا سکون درہم برہم کر رہی تھیں۔ زبیدہ بھی ہر فکر سے بے پرواہ ہنس رہی تھیں —

"یا خدا اب کیا ہوگا؟ — ابھی ابھی کوئی آکر اسے سوئے مقتل لے چلے گا! — اور پھر؟ — اس کے ذہن میں مینا اور سلمٰی کے معصوم چہرے تیزی سے گڈمڈ ہو رہے تھے! اگر اس نے مینا سے اپنی محبت کا پیمان نہ باندھا ہوتا — اسے اپنی وفاؤں کا یقین نہ دلایا ہوتا تو وہ بے چون وچرا سب کی مرضی پر سر جھکا دیتا! سلمٰی اسے بہت اچھی لگی تھی —

ہم نے اس کا بگاڑا ہی کیا تھا؟ وہ تو اسے چاہنے لگی تھی — معلوم نہیں وہ کیا کچھ سوچتی رہی ہو؟ اس کا انکار اس تک پہنچے گا تو کس طرح ایک معصوم اور بے خبر لڑکی کا دل ٹوٹے گا؟ وہ ابھی ابھی ہنس رہی تھی۔ معصوم ان کہے جذبات نے اس کے دل میں چراغاں سا کر رکھا ہوگا — اور پھر اس کے انکار سے اس کا کیا حال ہوگا — وہ آنسو بہانے پر مجبور ہوگی —

"میں سلمٰی کو کون سی خطا پر اتنی بڑی سزا دے سکتا ہوں —"

اس کے دل و دماغ میں تہلکہ سا مچا ہوا تھا — اس نے اٹھ کر دیکھا وہ سب صحن میں جا بیٹھے تھے — اور دالان میں ملازم دستر خوان بچھا رہے تھے —

بس تھوڑی ہی دیر بعد — اس کا دماغ چکرا گیا۔

میں یہاں سے بھاگ جاؤں گا — جیسے بے کہے سنے وہاں سے بھاگ

آیا ہوں ——

اتنے میں ممتاز نے اندر جھانکا! "ماما آپ کو پاپا باہر کھانے کے لئے بلا رہے ہیں ——"

"ذرا اپنی امی کو یہاں بھیج دینا۔ بیٹے ——"

زبیدہ نے آنے میں دیر نہیں لگائی —— وہ بہت خوش نظر آرہی تھیں مگر جیسے ہی اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ یکبارگی ٹھٹک کر رہ گئیں —— اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور سارا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔

"علی ——" وہ جھپٹ کر اس کے پاس آئیں۔

"ہاں باجی —— میری طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے" —— اس نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیا اور بری طرح گڑگڑایا —— "اگر میں باہر کی کھلی ہوا میں نہیں گیا تو بیہوش ہو جاؤں گا —— مجھے کسی طرح باہر پہنچا دیجئے باجی —— میں کھانا ابھی نہیں کھاؤں گا —— معلوم نہیں مجھے کیا ہو رہا ہے"

ان سے یہ سب کہنا غضب ہو گیا —— باہر وہ کیا جانے دیتیں —— آوازیں دیکر ناصرہ خاتون اور آمنہ بیگم کو بھی یہیں بلوا لیا۔ مقتدر بے بس اور گم صم سا سر تھام کر کرسی پر گر پڑا ——

خدا کی پناہ —— اب کوئی راہ فرار کی نہیں! —— پسینے کی لکیریں اس کے بدن پر رینگ رہی تھیں۔ ناصرہ خاتون نے نبض تھامی —— آمنہ بیگم آنچل سے پنکھا جھلنے لگیں —— زبیدہ کوئی مفرح شربت لینے بھاگیں غرضکہ پندرہ منٹ کے عرصہ میں وہ ہڑبونگ مچا کہ کھانا گلپوشی گانا وانا سب موقوف ہوا —— سرفراز اور یونس اندر آئے —— اسے ہاتھوں ہاتھ لیجا کر اندر دالان میں ایک پلنگ پر لٹا دیا اور ایک محترمہ پنکھا سنبھال کر اس کے

پہلو میں بیٹھ گئیں! یہ سارا تماشہ عجیب تھا۔۔۔ اس نے اسی میں عافیت دیکھی کہ آنکھیں بند کیے پڑا رہے! مونس نے کسی کو دوڑایا کہ ڈاکٹر کو لے آئے۔

عشرت دعوت کے انتظام میں بری طرح مصروف تھیں وہ بھی جھپٹ کر آئیں اور اس کے سرہانے جم گئیں۔ اسے ان سب کی بے پناہ محبتوں کا اندازہ ہوا۔۔۔ اور اپنی اس حرکت پر اسے بے حد شرم آئی۔۔۔

پھر ڈاکٹر آیا اور ایک انجکشن دے کر رخصت ہوا تب وہ سب بڑی امید وبیم میں اسے تکنے لگے۔۔۔ اس نے جان پر کھیل کر آنکھیں کھول دیں۔ ان کے چہرے خوشی سے کھل گئے۔۔۔

"کیا ہوا تھا۔ بیٹا۔۔۔ چکر آگیا تھا تمھیں؟" سرفراز نے اس لہجے میں پوچھا کہ اسے بے ساختہ مقتدر حسین صاحب یاد آگئے۔۔۔ ان کا لہجہ ایسا ہی بزرگانہ اور پر محبت ہوتا تھا۔۔۔

"کیا تم شور وغل سے گھبرا گئے علی۔۔۔؟" مونس پوچھ رہے تھے۔

عشرت اپنے آنچل سے اس کا پسینہ پونچھنے لگیں وہ اب بھی گم صم تھا۔ بولتا بھی تو کیا بولتا۔۔۔

"معلوم نہیں مجھے کیا ہوا بھابی۔۔۔" اس نے مدھم لہجے میں کہا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔۔۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔۔۔ سوچتے بہت ہو۔۔۔" مونس نے کہا "عشرت انھیں ایک پیالی دودھ پلا دو۔ پھر یہ آرام کریں۔۔۔ انشاء اللہ اگلے سال فائنل رزلٹ کے بعد جی بھر کے خوشیاں منائیں گے۔ بھائی صاحب کیا خیال ہے ہم سب جلدی کھانے سے فراغت کرلیں۔۔۔!"

عشرت لپک کر دودھ لے آئیں اور اپنے ہاتھ سے اسے پلایا۔ اسے

ٹھیک دیکھ کر ایک ایک کر کے سب چلے گئے تب اس نے عشرت کا آنچل تھام لیا۔

"بھابی — میں بہت شرمندہ ہوں — میں نے آپ کی تمام سرتیں ملیامیٹ کر دیں —"

"وہ تو کوئی بات نہیں — مگر سرفراز بھائی پریشان تھے۔ انھوں نے سوچا تھا کہ کھانے کے بعد تمھاری رسم کا اعلان کر دیں گے —" عشرت نے کہا "خیر پھر سہی — اب کچھ طبیعت سنبھلی تمھاری —"

"بھابی —! میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں —" اس نے سر جھکا کر کہا — "اگر آپ کو تھوڑی سی فرصت ملے تو سن لیجئے گا! جائیے پہلے آپ کھانا کھا لیجئے —!"

وہ دالان سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا —

سرفراز کی چھوٹی بہن نازنین اندر آئی — "علی بھیا! آپا پوچھ رہی ہیں اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" وہ معنی خیز انداز سے مسکرا رہی تھی۔ علی کے پہچاننے میں دیر نہیں لگی — یہ پرسش سلمیٰ کی طرف سے تھی۔ اور جواب دینے سے پہلے اس کے ذہن میں ایک بجلی سی چمکی — اس میں اور سلمیٰ میں یقیناً ٹیلی پیتھی چلتی ہے کوئی کچھ زبان سے کہے یا نہ کہے مخاطب سب کچھ سمجھ جاتا ہے۔

"کیا کر رہی ہیں تمھاری آپا —؟ تم نے ان سے ہمارا سلام کہا کہ نہیں کہا —"

"منو کو کھانا کھلا رہی تھیں — چپکے سے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے آپ کسی سے کہہ نہ دیجئے گا کہ میں آپ کے پاس آئی تھی —" وہ بڑی رازداری سے بولی — "آپ کا سلام ان تک ابھی پہنچاتی ہوں —"

"صرف سلام نہیں ایک پیغام بھی ـــــ!" مقتدر نے دھڑکتے دل سے کہا ـــــ "کسی کے سامنے نہ کہنا کہ آپ سے وہ ملنا چاہتے ہیں ـــــ!" پھر وہ بے حد گھبرا گیا ـــــ

"ملنا چاہتے ہیں؟" نازنین نے حیرت سے دہرایا ـ دس بارہ سال کی بچی تھی مگر اسے تو معلوم ہی تھا ابھی دونوں دولھا دلہن نہیں بنے ـ پھر باتیں کرنا اور ملنا کیسا؟"

مقتدر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر مسکرایا ـــــ "بس اسی قدر کہہ دینا مگر ان پر زبردستی نہ کرنا ـــــ نہ ملنا چاہیں تو میری یہ جسارت معاف کر دیں"

نازنین کے جانے کے بعد وہ پھر دیوانوں کی طرح سوچنے لگا ـــــ

میں بدبخت ظالم ـــــ ایک بھولی بھالی معصوم لڑکی کو اس کی ناکامی محبت کا پیغام سناؤں گا ـــــ! پھر سلمیٰ کے متبسم چہرے کے ساتھ ساتھ اسے اپنی دور افتادہ مینا کا اشک آلود چہرہ یاد آیا ـــــ

سلمیٰ کی محبت سطحی ہے ـــــ جذباتی ـــــ وہ اسے جانتی پہچانتی نہیں ـــــ

مینا کی محبت گہری ہے ـــــ آفاقی ـــــ وہ اس کی ہستی میں جذب ہو چکی ہے ـــــ

اس نے کمرے کی روشنی گل کر دی اور بستر پر آ کر لیٹ گیا ـــــ اب اس کے دل و دماغ میں سکون تھا ـ

تھوڑی دیر بعد عشرت آئیں ـــــ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا ـــــ

عشرت نے روشنی جلائی اور مسکرائیں ـــــ "میں سب سمجھتی ہوں ـ یہ ڈھونگ تمہارا کیوں ہے ـ ابھی نازنین نے مجھ سے کہا کہ تم دغا باز

اکیلے میں سلمٰی سے ملنا چاہتے ہو۔۔۔ کیوں جی۔۔۔ اگر یہ بات سرفراز بھائی کو معلوم ہو جاتی۔ تب؟ کھال نہ کھینچتے وہ تمھاری؟!"

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پل بھر تو وہ یوں خاموش ہوا کہ بول ہی نہ سکا عشرت ہنسنے لگیں۔۔۔

"دل کے معاملہ میں ایک رازدار کی ضرورت تو ہوتی ہے۔۔۔ میں ہی سہی ہاں تو کیا پیغام پہنچاؤں سلمٰی کو۔۔۔ یقین کرو کہ تقدیر کے بڑے سے ٹکڑے کو بہت کر کے کہوں گی۔ نمک مرچ لگا کر۔۔۔"

"وہ پیغام۔ کچھ ایسا دل خوش کن نہیں ہے۔۔۔ بھابی!" مقصد نے جان پر کھیل کر کہا۔۔۔

"کیا مطلب؟" عشرت یکبارگی سنجیدہ ہو گئیں۔۔۔

"بھابی۔۔۔ میں نے آپ سے کچھ چھپایا نہیں۔۔۔ چھپانے کی بات ہی کون سی ہے۔۔۔ مگر۔۔۔!"

"رک کیوں گئے۔۔۔؟"

"سمجھ میں نہیں آیا۔۔۔ آپ سے کیا کہوں۔ کس پیرایہ میں کہوں کہ آپ سب کی دلشکنی نہ ہو اور آپ لوگ مجھے احسان فراموش خودغرض اور مطلب پرست نہ کہیں۔۔۔!"

"اگر تمھیں ایسا ہی سب کا خیال ہے تو ایثار کرو۔۔۔ علی۔ کیا زندگی کو صرف اپنی ہی زندگی کہہ گزارا جاتا ہے۔ اس میں دوسروں کا حصہ بالکل نہیں ہے اور وہ زندگی جس میں کوئی ناکامی، خلش اور الجھن رچی بھی ہو۔۔۔ وہ تو بڑی دلکش اور حسین ہو جاتی ہے۔۔۔ اپنے لئے جینا کوئی جینا نہیں ہے۔۔۔ اتنا سوچو کہ بہت سی امیدیں تم سے سب

نے لگا رکھی ہیں ——— سلمیٰ کے کانوں میں تمہارا نام پڑ چکا ہے - وہ بھولی بھالی لڑکی تم کو بے حد چاہتی ہے ——— اس کی گفتار سے - انداز سے سب پتہ چلتا ہے ——— اگر تم نے اپنی کسی حماقت کی بنا پر اسے ٹھکرا دیا تو بہتیرے دلوں کی تکلیف کا باعث ہو گے ——— !"

مقتدر کے کہنے سننے کی اب کوئی گنجائش ہی نہیں رہ گئی تھی! وہ سب کچھ سمجھ گئیں تھیں، چلتے چلتے ایک اور زخم لگا گئیں ———

"یہ ٹھیک ہے علی کہ سیٹھ صاحب تمہارے قریبی عزیز ہیں لیکن ان میں اور تم میں زمین آسمان کا فرق ہے ——— ان کی لڑکی سے تمہاری دلچسپی غلط معنوں میں لی جائے گی ——— لوگ طعنے دیں گے کہ تم ان کی دولت پر ریجھ گئے ——— آگے تم جانو ———"

صبح کی ڈاک ملازمہ پہنچا گئی ——— کوٹھی میں سناٹا پڑا تھا سیٹھ صاحب اپنے کسی کام سے چلے گئے تھے ——— ان دنوں کوئی خاص فکر اور خلش انہیں بے چین رکھتی ——— مینا نے ان کے اضطراب کی وجہ پوچھی بھی مگر وہ خاموش ہی رہے تھے - یا تو پھر خواہ مخواہ چیخنے چلانے لگتے - مینا نے بھی خاموشی ہی میں عافیت دیکھی ——— اس کے سر سے خطرہ ٹلا تھا اسے اندازہ تھا کہ سیٹھ صاحب اوصاف کے تذکرے سے کچھ بدکنے لگے تھے ——— ایک مرتبہ دیوان صاحب بھی آئے تھے مگر انہوں نے گھر پر ہوتے ہوئے بھی کہلوا دیا گھر پر نہیں ہیں ——— !

باغ میں بڑی اچھی ہوائیں چل رہی تھیں ۔۔۔ مالی بنرے کو پہنچ گیا تھا۔ درختوں سے میٹھی میٹھی مہک پھوٹ رہی تھی ۔ موگرے کی کچی کلیوں سے ہوا اٹکھیلیاں کرتی اور ان کی اچھوتی خوشبو بکھیرتی کسی اور سے چھیڑ چھاڑ کرنے گزر جاتی! مینا خطوں کا پلندہ لئے اپنی پسندیدہ کوچ پر آ بیٹھی ۔۔۔ ماحول پرسکون تھا ۔۔۔

وہ خود بھی پرسکون ہی تھی ۔۔۔ کچھ دیر قبل عبید اس سے فون پر ملا تھا اور اس نے اس سے بڑی دلچسپ گفتگو کی تھی ۔۔۔

"تمھارا خیال تھا تمھیں تلاش گمشدہ کا اشتہار دینا پڑے گا! کیوں؟" عبید ہنس رہا تھا ۔

"کچھ پتہ چلا ۔ عبید بھائی ۔۔۔؟"

"بہت کچھ" وہ ہنس کر بولا ۔۔۔ "موصوف کا تفصیلی مکتوب کل شام کو مجھے ملا ہے ۔۔۔ بے کہے سنے اسے اس کے عزیز اپنے وطن پکڑے گئے وہ بے چارے ایسی چھوئی موئی دوشیزہ بن گئے کہ جانے سے انکار بھی نہ کرسکے! اب مجھ سے معذرت چاہی ہے! اچھا یہ بتاؤ میں تم سے کب ملوں؟ اس کا خط دینا ہے تمھیں ۔۔۔ الگ تمھارے نام بھی ایک پرچہ لکھا ہے اس لئے تم کو براہ راست نہیں بھیجا کہ معلوم نہیں تمھارے والد محترم کیا سوچیں ۔۔۔ یہ بھی ڈر لگا ہوا ہوگا کہ کہیں بالکل ہی براہ راست بلکہ تیر کی طرح تمھارے ڈیڈی ہی تک نہ پہنچ جائے ۔۔۔ ہے نا؟ ۔۔۔ تم اب اس بھولے بھالے بچے کو معاف کردو ۔۔۔"

مینا ہنسنے لگی ۔۔۔ "تو آپ آ جائیے نا ۔ آپ کے آنے پر یہاں کس نے پابندی بٹھا رکھی ہے ۔۔۔"

"ڈرتا ہوں!" وہ بولا ——— "قبلہ کعبہ پھانسی پر نہ چڑھا دیں ——— دھمکی تو دے ہی چکے ہیں ———"

"کچھ نہیں آج شام کو آپ ضرور آئیے ———!"

"ارے تم کہیں کلب وغیرہ نہیں جاتیں ——— عجیب دقیانوسی ہو کہیں گھومنے دومنے نہیں نکلتیں گھر سے ———؟"

"جی نہیں ——— یہ گھومنا پھرنا ——— کلب وغیرہ جانا بالکل پسند نہیں کرتی ——— کیوں؟"

"وہیں ملاقات ہو جاتی تم سے ———!"

"اور پھر اسکنڈل بنتے ———!"

"ایسی کی تیسی ——— اس کی پرواہ کون کرتا ہے ———"

"اچھا اب بس ——— میں شام کو آپ کا انتظار کروں گی ——— چائے یہیں پیجئے گا ———!"

"سناؤں تمہیں اس اُلو کا خط ؟؟ ———"

"عبید بھائی ———؟؟"

"اچھی بات ہے ——— میں شام کو آ رہا ہوں ——— جان ہتھیلی پر رکھ کر ——— مگر سنو ——— میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا تو میری لاش کی وارث تم ہی ہو گی ——— مطلب یہ کہ کفن دفن ———!"

وہ بکتا رہا ——— بینا نے سلسلہ منقطع کر دیا ———

اور اب کوچ کی پشت گاہ سے سر ٹیکے وہ سوچ رہی تھی کہ خواہ مخواہ مقتدر سے بدگمان رہی تھی ——— وہ تو مجبور تھا ——— سیٹھ صاحب سے خائف کہ خط تک بھجوانے کا رسک نہیں لیا ———! پھر اسے پچھلی یادیں کسی اور ہی جہان میں اڑا لے گئیں جہاں وہ تھی اور مقتدر تھا اور بس ———

دفعتہً ہوا ایک خط اڑا لے گئی اور وہ چونک پڑی۔

رومانہ کے ارو گرام تھے ـــــ ایک ایکسپریس ڈیلیوری سے آیا ہوا لفافہ تھا جس میں اس کے پرنسپل نے اس کی کامیابی کی اطلاع دی تھی ـــــ ایک خط اس کی کسی سہیلی کا تھا۔

"صاحبزادی ـــــ" یکایک تارہ نے اطلاع دی ـــــ "وہ صاحب آج پھر آئے ہیں ـــــ"

"عبید بھیا" وہ دفعتہً خوش ہو گئی۔

"جی نہیں ـــــ وہ جو بہت ساری انگوٹھیاں پہنے رہتے ہیں وہ ـــــ!"

"اوصاف ـــــ؟" مینا کا دل دھڑک اٹھا ـــــ کوٹھی میں وہ اکیلی تھی ملازمین اپنا کام ختم کر کے غلام گردش کی طرف جا چکے تھے ـــــ عورتیں آوٹ ہاوزیز میں تھیں ـــــ

"ان سے کہدو تارہ ـــــ ڈیڈی گھر پر نہیں ہیں ـــــ" مینا نے کہا۔

"مگر میں آپ کے ڈیڈی سے ملنے کب آیا ہوں ـــــ؟" اچانک مینا نے اوصاف کی آواز اپنے پیچھے سنی اور یکبارگی لرز کر رہ گئی۔ تارہ سر جھکا کر بھاگنے والی تھی کہ مینا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا ـــــ اس کی اس حرکت سے اوصاف نے اندازہ لگایا کہ وہ اس سے ڈر رہی تھی ـــــ اس احساس نے اسے دلیر بنا دیا ـــــ وہ آپ ہی آپ مسکرایا اور کنکھیوں سے مینا کو دیکھتا ہوا کوچ پر بیٹھ گیا۔

"میں نے کہلوا دیا تھا مسٹر اوصاف۔ ڈیڈی گھر پر نہیں ہیں اور میں آپ سے ملنا پسند نہیں کرتی ـــــ" مینا نے گھبراتی آواز میں کہا ـــــ"

"میں اپنی پچھلی گستاخی کی معافی مانگنے آیا ہوں مس اسمٰعیل ——" اس نے بڑی شرافت سے کہا —— "ادر ظاہر ہے کہ آپ کے ڈیڈی کے سامنے نہیں مانگ سکتا! بہتر ہو کہ ہم میں سمجھوتہ ہو جائے ——!"

"کیسا سمجھوتہ ——؟" اس نے نفرت و بے رخی سے کہا —— "کیا مجھے آپ سے کوئی بزنس کرنا ہے ——"

"ساتھ زندگی گزارنا اگر بزنس کرنا نہیں ہے تو پھر آپ اسے کوئی اور نام دے لیجئے ——" ادھاف نے ڈھٹائی سے کہا —— "بہر حال یہ بھی طے ہے کہ مفاہمت ہر حال میں اچھی چیز ہے —— میں نے آپ کو معاف کر دیا۔"

"ڈیوان صاحب بہتر ہو کہ آپ اس غلط فہمی کو دل سے دور کیجئے" مینا نے کہا —— وہ بمشکل اپنا غصہ ضبط کر رہی تھی —— "ڈیڈی نے مجھے اپنے پسندیدہ طور پر زندگی گزارنے کا اختیار دیا ہے اور مجھے اس کا افسوس ہے کہ میں آپ کے ساتھ زندگی گزارنا نہیں چاہتی —— آپ تشریف لے جائیے تو اچھا ہے ——"

"آپ اتنی ضدی کب سے ہو گئیں ——" اس نے بدستور نرم لہجے میں کہا "میں آپ کو وہ لائحہ عمل بتاتا ہوں جو ایک خوشگوار پُر مسرت اور مطمئن زندگی کو جنم دے گا مس درانی —— جو ماحول آپ کا ہے کم و بیش ویسا ہی میرا بھی ہے —— میں آپ کو وہ آرام دے سکتا ہوں جس کی آپ مستحق ہیں مس اسمٰعیل —— اکثر طفلانہ جذبات اور ہنگامی احساسات انسان کو ایک خوشرنگ مستقبل کا خواب دکھاتے ہیں لیکن بہرکیف وہ تو خواب ہی ہوتے ہیں۔ محض پرچھائیاں جو گرفت میں نہیں آتیں —— آنکھ حقیقی دنیا میں کھلتی ہے جہاں انسانی ضروریات کے لئے کھانا پڑتا اور عیش عشرت کا سامان بھی ضروری ہے

خالی خولی محبت کسی کی شکم پری نہیں کر سکتی! مجھے پتہ ہے آپ کیا چاہتی ہیں
میں آپ کو فی الحال ایک دوست کی حیثیت سے سمجھانے آیا ہوں کہ اپنی ضد
چھوڑ دیئے اور مجھ سے تعاون کیجئے تو میں آپ کی ہر اس خواہش کی تکمیل
کروں گا — جو آپ کے دل میں پوشیدہ ہے! آپ سمجھیں نا مجترمہ؟"
"آپ کی نصیحت کا شکریہ! مگر میں نہیں سمجھتی کہ مجھے اس کی کوئی
ضرورت ہے —!"
یکبارگی اوصاف کا رویہ بدل گیا — "خیر — میں ٹیڑھی انگلیوں
سے بھی گھی نکالنا جانتا ہوں — تم پچھتاؤ گی — دیکھ لینا —!"
یہ کہہ کر وہ مڑا اور باغ ہی کے گیٹ سے سڑک پر نکل آیا —
"فتح —" یکایک ایک موڑ سے صدیقی بھی نکل آیا —
جواب میں اوصاف نے سیٹھ صاحب کی شان میں گستاخی کرتے
ہوئے جواب دیا — "بندوبست!
ٹھیک ہے —"
"میں — وقت — اور تاریخ کا تعین — فون پر کروں گا —!
اپنے ساتھیوں کو بھی تیار رکھنا! خرچ کی پرواہ نہ کرنا —
"میں تو ہرگز نہیں کروں گا — مگر وہ تمھارے لالچی دوست!"
اوصاف نے اپنے پرس سے کچھ نکال کر صدیقی کو تھما دیا — "ابھی جاؤ
اور پروگرام سے آگاہ کر دو —"
پھر وہ اپنی راہ پر ہو لئے —
بینا تھوڑی دیر تک دم بخود کھڑی رہی — پھر خوفزدہ لہجے میں بولی
"تارہ پھاٹک بند کر دو —"

پھر اسے سامنے شاہراہ پر سیٹھ صاحب کی کار آتی نظر آئی۔ وہ بھاگ کر اندر آگئی! چند لمحوں بعد جب وہ اوپر آئے تو مینا کا خائف چہرہ دیکھ کر سخت لہجہ میں پوچھا ——— "کیا بات ہے؟"

اس نے بے کم و کاست سب کچھ کہدیا۔ سیٹھ صاحب کا چہرہ بگڑ گیا "میں دیکھوں گا ——— اس کی ٹیڑھی انگلیاں ——— اچھی بات ہے۔ اس کی یہ ہمت وہ مجھے چیلنج کر رہا ہے! مگر تم۔ گھر سے باہر نہ نکلنا ———" یہ کہکر وہ اپنی خواب گاہ میں چلے گئے اور دیر تک کسی سے فون پر باتیں کرتے رہے ———

مینا اپنے کمرے میں آئی اور رومانہ کو خط لکھنے بیٹھ گئی ———! اسے شدت سے حبیب کا انتظار تھا۔ لیکن سیٹھ صاحب کی شدید ہدایت پر صدر دروازہ بند تھا! اور ملازموں کو تاکید کردی گئی تھی کہ نہ کسی کو اندر آنے دیا جائے نہ کوئی باہر جائے ——— وہ خود دالان میں کرسی ڈالے بیٹھے اپنا حساب کتاب جانچ رہے تھے! مینا مایوس ہونے لگی ——— ایسے کڑے پہرے میں پرندہ پر نہیں مار سکتا بھلا حبیب کیسے آسکے گا ———؟

پھر شام ڈھلنے لگی! ——— وہ بے جان ہستی کی طرح اپنے بستر پر آ لیٹی اور بازوؤں میں منھ چھپا لیا ——— یک بیک ہلکی آواز میں فون کا بزر گنگنانے لگا ——— وہ دیوانہ وار جھپٹی اور ریسیور کان سے لگا لیا۔

"ہیلو ——— سیٹھ درانی صاحب ———" ادھر سے کوئی بول رہا تھا۔

"ایک منٹ ٹھہریئے ——— میں ابھی اطلاع دیتی ہوں ———"

"یہ تم ہو مینا ———!" دفعتاً ادھر سے حبیب چہکا ——— "شکر ہے کہ تم ہی ملیں۔ سیٹھ صاحب کو اس لئے مخاطب کیا تھا کہ اگر خدا نخواستہ وہی لائن پر آگئے

تو ان سے معافی ــــ!"

"آپ آئے نہیں ــــ؟" اس نے بات کاٹ کر پوچھا

"پانچ بجے سے اب تک تمہارے در دولت کے اتنے چکر لگائے ہیں کہ اب خود گھن چکر بن کر رہ گیا ہوں ــــ ایک مرتبہ دربان صاحب سے گھگھیا کر استدعا کی تھی کہ مجھے اندر پہنچا دیں۔ انھوں نے ڈنڈے پر ہاتھ رکھ کر جو گھورا ہے مجھے تو ــــ میں انھیں جلدی سے سلام کر کے کھسک گیا ــــ یہ کیا قصہ ہے؟"

مینا نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا اور رک رک کر اس سے سب کچھ کہدیا

"نہ کوئی اندر جا سکتا ہے نہ باہر آسکتا ہے ــــ" مینا نے ٹھنڈی سانس بھر کر دوہرایا ــــ "اچھا مینا تو پھر میں شادی کر لوں اس کے بعد کوئی بات کروں گا ــــ!"

مینا جھنجلائی ــــ جمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا ــــ "میرا مطلب ہے کہ غالباً میری بیوی تو عورت ہی ہوگی ــــ اس پر تو اندر آنے باہر جانے کی کوئی پابندی نہیں ہوگی ــــ!"

"آپ مذاق کر رہے ہیں ــ ادھر میری جان نکلی جا رہی ہے ــ"

"بڑی کو اسے روکو ــــ میرے ذہن میں ایک بہترین ترکیب آرہی ہے اب تم سو جاؤ ــــ ہاں سنو ــــ ان بیوقوف صاحب کا خط میں نے تمھیں پوسٹ کر دیا ہے ــ کل مل جائے گا ــ اچھا ــ خدا حافظ ــــ!" اس نے مینا کا جواب سے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا ــــ وہ ریسیور تھامے کھڑی ہی رہ گئی ــــ

سیٹھ صاحب نے اپنا وطیرہ بنا لیا تھا وہ ناشتے کے بعد دالان ہی میں آ بیٹھتے! پتہ نہیں اس قدر محتاط کیوں ہو گئے تھے ــــ مینا گھر میں قید

ہو کر رہ گئی تھی! دن بھر لمبے لمبے خط رومانہ کو لکھا کرتی۔ اور باقی وقت
میں سوچا کرتی یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا ــــ؟

تیسرے دن اسے عبید کا مرسلہ مقتدر کا خط مل گیا ــــ ساتھ ہی
سیٹھ صاحب کو ملازم نے اوصاف کی آمد کی خبر سنائی۔ انھوں نے گھوم
کر دیکھا مبینا اپنے کمرے میں تھی۔ بڑی کرخت آواز میں انھوں نے
ملازم سے کہا کہ اسے یہیں بھیجدے ــــ مبینا دروازہ بند کر کے دراز
سے کان لگا کر کھڑی ہو گئی ــــ اوصاف اندر آیا اور رسمی علیک سلیک
کے بعد سیٹھ صاحب نے بے رخی سے پوچھا۔

"اب مجھ سے کیا کام ہے ــــ؟"

اوصاف کا چہرہ کسی اندرونی جذبہ سے سرخ ہو رہا تھا! اس نے
انھیں گھورتے ہوئے کسی قدر گستاخ لہجے میں پوچھا ــــ

"سیٹھ صاحب ــ جو اطلاع آپ نے کل شام مجھے دی تھی۔
کیا وہ سچ تھی ــــ؟"

"کیسی اطلاع ــــ تم اپنے حواس میں تو ہو؟ میں نے کل شام
تم سے کب بات کی تھی ــــ؟"

"میں اندازہ لگا رہا تھا کہ آپ سرے سے مکر جائیں گے۔ لیکن یہ طریقہ
اوچھا ہے جو آپ نے اختیار کیا ہے ــــ میں آپ کا ہم پلہ ہوں
اگر آپ سوسائٹی میں اپنا بھانجہ ظاہر کرتے تو لوگوں کو الجھن بھی آتا
لیکن اس دو ٹکے کے ماسٹر کو آپ نے اپنا بھانجہ کہہ کر نہ صرف اپنی
پوزیشن گرائی ہے بلکہ میرا وقار بھی خطرے میں ڈال دیا ہے ــــ میں
جانتا تھا یہ لمبا کھیل ہے ــــ

اوصاف — تم اپنے ہوش میں تو ہو؟ —" سیٹھ صاحب کی گرج تھی کہ دالان گونج اٹھا —

"میں اپنے ہوش میں ہوں —" وہ خوں فشاں لہجے میں بولا۔" اور آپ سے کہے دیتا ہوں کہ اس گھر میں میرا رشتہ ہو یا نہ ہو — لیکن میں آپ کے بھانجے سے اس بات کا انتقام ضرور لوں گا —"

وہ مڑا اور نکلا چلا گیا —

سیٹھ صاحب کے غیظ وغضب کا کیا پوچھنا — ہزار باتیں انھوں نے اوصاف کو سنائیں — دس ہزار گالیاں مقتدر کو دیں اور مینا کو بھی بے نقط نوازا — پھر طوفان میل بنے دالان ہی میں ٹہلنے لگے —!

مینا خائف تھی کہ کہیں ان کا زلزلہ اس پر نہ گرے۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ اپنی لائبریری میں چلے گئے ہیں تب اطمینان کی سانس لی کمرہ بند کر کے پردہ برابر کیا اور پلنگ پر آبیٹھی — اتنی احتیاط کے باوجود مقتدر کا خط پڑھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ترمرے ناچنے لگے اور ہاتھ کانپ رہے تھے —

"مینا مجھے احساس ہے کہ میرے اس طرح فرار پر تمھارا دل دکھا ہوگا۔ لیکن مجھے مجبور سمجھ کر معاف کر دینا — مجھے بھی اندازہ ہے مینا کہ جب تم میرے گھر آئی ہوگی اور دروازے پر قفل پڑا دیکھا ہوگا تو تمھیں کتنا صدمہ پہنچا ہوگا —! یہ ایک مختصر سی کہانی ہے واپسی پر سناؤں گا کہ مجھ پر کیا گزری تھی —! میں یہاں سے جلد تر آنے کی کوشش کر رہا ہوں — میں یہاں کچھ خوش نہیں حالانکہ اچھے لوگ ہیں — محبت ہے — خلوص ہے — مگر —

یہاں تم نہیں ہو مینا — ! مجھے جواب ضرور دینا — تفصیلی دینا
زیادہ لکھ نہیں سکتا — ! رومی کو خط لکھنا تو میری دعائیں
اسے پہنچانا — سیٹھ صاحب کے حال احوال کیا ہیں — ؟
مینا — حالات کی ناسازگاری سے گھبراؤ نہیں — !
مجھے یقین ہے کہ اچھا وقت بڑی دور نہیں ہے — !
جلد ملنے کی آرزو میں جدا ہوتا ہوں — "
تمہارا مقتدر

مینا نے بےحد آزردگی سے سوچا — اگر وہ لکھنا چاہتا تو پتہ نہیں کیا کیا کچھ لکھ سکتا تھا! لیکن اس نے مجبوری کی آڑ لی ہے! ذہن پر بوجھ سا لئے وہ سوچنے لگی — حالات کیسے اور کیونکر اچھے رخ اختیار کریں گے؟ اوصاف کی دھمکی بھی اسے یاد تھی — یہ بھی معلوم تھا کہ اس نے ہمیشہ مقتدر کی راہ کاٹی تھی! اب وہ کیا کرے گا؟ —

اس نے دروازہ کھولا — باہر نکلی — گھر میں سناٹا پڑا تھا۔ ویرانی اسے ڈسنے لگی۔ یہ کوئی زندگی میں زندگی ہے — اپنا کوئی نہیں — اس کی نظریں اس سازوسامان پر پڑیں جو گرد وپیش سجا ہوا تھا پھر جیسے یہ سب چیزیں اس پر کھلکھلا کر ہنس پڑیں — مینا ہم تو محض دیکھنے اور محسوس کرنے کے ہیں۔ اگر تمہاری آنکھوں میں آنسو آئے تو ہم انھیں اپنے آنچل میں سمیٹ نہیں سکتے — تمہارے دکھے دل کی پکار نہیں سن سکتے — تمہاری تنہائی ہم بڑھاتے ہیں — گھٹا نہیں سکتے۔

"صاحبزادی — ٹیلر ماسٹر ٹرائیل لینے آیا ہے" سوسن نے کہا۔
"یہ سب فضول ہے — بکواس بڑے آدمیوں کی چھوٹی چھوٹی

حرکتیں ——" بینا نے یکبارگی چیخ کر کہا —— "بھگا دو اسے ——!"
اور خود بڑی بے جان سی ہو کر دیوان پر گر گئی —— "کوئی دلکشی اس نام نہاد بڑائی میں نہیں رہ گئی ——!" اس نے زانو پر سر اوندھا لیا۔

•

عشرت سے مقتدر کی جو گفتگو ہوئی تھی اس کے بعد سے وہ اس سے کچھ کھنچی کھنچی رہنے لگیں —— پہلے تو اس نے کوئی خیال نہیں کیا لیکن جب ان کے سلوک میں غیر معمولی فرق دیکھا تو مقتدر کا ماتھا ٹھنکا۔ سلمیٰ اور اس کی امی ابھی تک یہیں تھیں۔ سرفراز نے انھیں اپنے یہاں روک لیا تھا۔ غالباً ان کا منشا یہ بھی تھا کہ مقتدر اور سلمیٰ ایک دوسرے کو پہچان لیں۔ سلمیٰ بھی ایک آدھ مرتبہ رواداری میں اس کے سامنے آئی تھی۔ جب بھی آئی اکیلی آئی لیکن مقتدر کی ہمت نہیں پڑی کہ اس سے کچھ کہتا سنتا —— سرفراز کی تفریحوں کے پروگرام طویل تھے وہ جی بھر کے انجوائے کرنا چاہتے تھے —— زبیدہ بھی پیش پیش رہتی۔ مگر عشرت کے سنجیدہ موڈ نے سب کو یکبارگی چونکا دیا! مقتدر کو بخوبی احساس تھا کہ اگر ان کی زبان اس کے خلاف کھل گئی تو پھر سارے گھر میں کوئی بھی ہمدرد نہ رہ جائے گا —— وہ بڑی مشکل میں تھا۔ اگر اپنے دل کا حال کہے تو اتنے سارے لوگوں کی دلشکنی اور احسان فراموشی کا سبب بنے اور اگر نہ کہے تو بینا کا مجرم ٹھہرے ؟! آمنہ بیگم سے قطعی ہمدردی کی امید نہیں تھی کہ وہ اس کا ساتھ دیں گی۔ کسی حد تک وہ بھی مقتدر سے خفا

تھیں — اگر کوئی بات کرتا تو بڑی بے رخی سے جواب دیتیں۔ ان کا منشاء تھا کہ وہ ہر حال میں سرفراز اور یونس کا کہا مانے جو اس کے محسن اور سچے بہی خواہ تھے — مگر نقشہ قرض و محبت کی دو نوں چکّی کے دونوں پتھروں کے بیچ ایسا دبا تھا کہ سانس بھی لینا اس کے لئے مشکل تھا۔

ایک دن جب ناشتہ کے بعد سرفراز نے اجنتا گیوز دیکھنے کا پروگرام بنایا تب عشرت بڑی روٹھی ہوئی سی باورچی خانے میں جا بیٹھیں۔

"بھئی کھانے پینے کی ایسی تیاریاں نہ کرو —" یونس بھائی دروازے میں آ کھڑے ہوئے — "وہاں سب کچھ ملتا ہے۔ خرید لیں گے —!"

"جی نہیں — میں نہیں جا رہی —" وہ خشک لہجے میں بولیں۔

"کیوں — کیوں —؟"

ادھر سرفراز اور زبیدہ بھی آ گئے۔ سرفراز نے کہا "بھائی۔ میاں ایسی بھی کیا تنہا خوری کہ سب تو جانے کی جلدی میں لگے ہیں اور آپ یہاں بیگم کے ساتھ مزیدار چیزیں اڑا رہے ہیں —!"

"خاک اڑ رہی ہے بھائی صاحب وہ تو کچھ خفا ہیں! جانے پر آمادہ ہیں" یونس بولے —

"تمہاری کوئی بدمعاشی ہوگی —؟" سرفراز نے آنکھیں نکالیں۔

"ارے توبہ — قسم لے لیجئے — میں کچھ بولا بھی نہیں —" یونس نے جلدی سے کہا۔

"عشرت — کیا بات ہے؟" سرفراز نے پوچھا

عشرت نے مناسب نہیں سمجھا کہ ان دونوں کے سامنے نقشہ کی بے رخی کا ذکر کریں۔ یک بیک مسکرا کر اٹھ گئیں — "چلئے۔ چلتی ہوں —"

سلمیٰ اور اس کی امی بھی تھیں ــــ مقتدر اپنے بھانجوں کے درمیان بیٹھا بظاہر ان کی بکواس میں ہنس ہنس کر حصہ لے رہا تھا لیکن اس کے کان ادھر ہی تھے جدھر سلمیٰ زبیدہ سے اپنی مترنم آواز میں کچھ کہہ رہی تھی۔ جان بوجھ کر اس نے آواز تیکھی بنائی تھی اور بناوٹی خود فراموشی کا انداز اختیار کیئے مقتدر کے سامنے ہی سامنے چل پھر رہی تھی ــــ

پھر مقتدر نے سوچا کہ اسے کم از کم سلمیٰ کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہیئے ــــ اس کی بزدلانہ خاموشی خود اس کے حق میں تباہ کن ثابت ہوگی! بٹیا مجبور ہو جائے گی اوصاف سے شادی کرنے پر۔ وہ ساری عمر سلمیٰ کے ساتھ ہر قسم کی ریاکاری اور منافقت برتتا رہے گا! ــ سلمیٰ کی محبت ابھی بے تہہ ہے اس میں سنجیدگی اور گہرائی نہیں ــــ کچھ تو اس کا دل ضرور ٹوٹے گا لیکن اس کی اذیت اتنی شدید ہرگز نہ ہوگی جتنی اس کے ساتھ شادی کر کے زندگی بھر مقتدر کو ہوتی رہے گی ــــ

"چلئے اٹھیے ماموں جان۔ بابا تیار ہو گئے ــــ" دفعتہً شاہنواز بولا اور وہ چونک کر کھڑا ہو گیا ــــ

سب بڑے خوشگوار موڈ میں گھر سے روانہ ہوئے ــــ ملازم ساتھ تھے انھوں نے بچوں کو سنبھال رکھا تھا۔ کیوز پہنچ کر وہ سب بکھر گئے۔ سرفراز اور مونس ٹی اسٹال کی طرف بڑھ گئے ــــ! زبیدہ ملازموں کو ہدایت دینے لگیں ــ عشرت جان بوجھ کر مقتدر کے پاس آ بیٹھیں ــــ

"تمہارا فیصلہ میں بھائی صاحب کو سنا دوں۔ مقتدر؟" انھوں نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیا آپ ان دنوں میں یہی سوچتی رہی ہیں بھابی ــــ؟" مقتدر نے

ان کی گرم نگاہوں سے بچنے کو سر جھکا لیا ـــ

"ہاں ـــ علی ـــ میں یہی سوچتی ہوں کہ جب تمہارے اور عزیزوں کو تمہارے فیصلے کی خبر ملے گی تو وہ بھی شاید ایسے ہی رنجیدہ اور مغموم ہو جائیں گے ـ جیسے میں ہوئی تھی! ـ کیا تم نے خالہ (ماں) سے بھی کہہ دیا ہے؟"

"میں نے تو آپ سے بھی نہیں کہا ــــــ" مقتدر نے جواب دیا ــــ "میں کسی سے کہنا بھی نہیں چاہتا ـ مگر سلمیٰ سے فقط اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے زندگی کے اس ساتھی کو فراخدلی سے برداشت بھی کرے گی جو اس سے رسمی سی محبت بھی نہ کر سکے گا ــــ کاش دل و دماغ پر انسان کا بس چلتا بھابی۔"

عشرت اس کھلی گفتگو پر اس کا منھ تکنے لگیں!

"باجی نے بڑی دیر کے بعد میری قسمت کا ساتھی چنا ہے ــــ!" اس نے ہر چہ بادا باد کہہ کر مزید اظہار کیا ــــ "مگر میں سوچتا ہوں کہ میری تباہی نے مجھے بہت پہلے ہی سے آواز دی تھی! اگر مجھے پتہ ہوتا کہ آپ سب میرے لئے کیا کچھ سوچتے رہے ہیں تو میں قسم کھاتا ہوں کہ وہی کرتا جو آپ لوگوں کی خوشی ہوئی ـ بھابی ـ آپ نے مجھے اپنا بھائی کہا ہے ـ خدا کے واسطے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیئے ــــ جب آپ کالج میں لیکچرر تھیں اور مونس بھائی آپ سے ملے تھے ــــ تب ــــ تب کیا کہا تھا آپ کے دل نے آپ سے بھابی"

اس کا سر بدستور جھکا ہوا تھا ــــ اس کا لہجہ بھی گرم اور تلخ نہیں تھا لیکن عشرت کے دل پر تو برچھیاں سی چل گئیں ــــ آدمی اپنی کسی کمزوری کا اعادہ کرنا نہیں چاہتا! ــــ ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا ـ

"میں سلمیٰ کو اپنی بہن کی طرح ضرور چاہتا ہوں ـ لیکن ـ اس طرح نہیں جو آپ سب چاہتے ہیں ـ" مقتدر نے کہا اور سر جھکا کر گھانس نوچ نوچ کر پھینکنے لگا!

"تو پھر یہ سب لوگ ــــ !" عشرت نے ہونٹ کاٹ کر پوچھا۔

"ایک دن مونس بھائی نے میرا سہارا لیا تھا۔ آج میں آپ کا سہارا لیتا ہوں ــــ !" اس نے بے اختیار عشرت کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے ! ــــ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے ! " بھابی۔ آپ پر مجھے بھروسہ ہے نہ کسی اور کا دل ٹوٹے نہ میرا ــــ کچھ ایسا ہی سوچیئے کہ ــــ !"

"چپ رہو۔ بھائی صاحب آ رہے ہیں ــــ" عشرت نے کہا۔ مونس اور سرفراز آ گئے تھے ــــ وہ سب ایک رہبر کی ہمراہی میں غاروں کی سیر کے لئے چل پڑے ــــ

غار کے اندر بڑا پراسرار اندھیرا تھا! خواتین ایک ایک نقش کو بڑی حیرت سے دیکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں ــــ درمیان میں گائیڈ تھا اور پیچھے سرفراز وغیرہ مقتدر بڑی بے دلی سے دیواروں پر نظریں دوڑا رہا تھا کچھ جھنجھلاہٹ تھی کچھ بیزاری ــــ

پھر اس نے اپنے پہلو سے سلمیٰ کی آواز سنی ــــ شرم اور اکتاہٹ بھرے لہجے میں وہ کہہ رہی تھی ــــ

"اللہ توبہ ــــ مجھے پتہ ہوتا یہاں یہ عریاں فن دیکھنے کو ملے گا تو ہرگز نہ آتی ! ــــ"

وہ چونک کر مسکرایا ــــ " تو پھر چلیئے باہر چلیں ــــ میرا بھی دل نہیں لگ رہا ! ــــ"

اس سرخ و سرمئی تاریکی میں بھی مقتدر نے اس کے رخسار تمتماتے ہوئے دیکھے ــــ پلکیں ہولے سے اٹھیں اور پھر جھک گئیں ــــ وہ اس کے ساتھ باہر جانے پر آمادہ تو نہیں ہوئی مگر ساتھیوں کے ہمراہ آگے بھی نہیں بڑھی

زبیدہ عشرت اور دوسرے لوگ ٹورسٹ گروپ میں گھلے ملے آگے بڑھتے گئے اور پھر چند لمحوں بعد ادھر سناٹا چھا گیا جہاں مقتدر اور سلمیٰ تھے!۔۔۔ جب تنہائی گمبھیر ہوئی تو مقتدر نے اپنی بے ترتیب دھڑکنوں پر بمشکل قابو پاتے ہوئے کہا۔۔۔

"میں تو سمجھا تھا کہ آپ یہاں کئی بار آ چکی ہوں گی۔ تعجب ہے کہ آپ میری طرح پہلی بار آئیں۔۔۔"

"جی ہاں۔۔۔" وہ ہولے سے ہنسی "مجھے پسند نہیں ہیں ایسی بیباک تصویریں۔۔۔!"

"معاف کیجئے۔۔۔ آپ کی تعلیم کہاں تک ہے؟"

"بی اے میں فیل ہو گئی تھی۔۔۔" اس کی آواز میں ندامت تھی۔۔۔ "امی نے گھر بٹھال لیا۔۔۔"

کچھ دیر کے لئے پھر خاموشی چھا گئی۔۔۔ سلمیٰ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اگر مقتدر اپنے خیالوں میں غرق نہ ہوتا تو آسانی سے اس کی دھڑکنوں کو گن سکتا۔۔۔!

پھر اچانک سلمیٰ ہی نے کہا۔۔۔ "اس دن آپ نے شنو سے مجھے بلوایا تھا۔۔۔ مگر۔۔۔ میں۔۔۔ مجھے شرم آئی۔ پتہ نہیں آپ نے کیا سوچا ہوگا۔۔۔ امی کچھ کہنا چاہتے تھے آپ۔۔۔!"

"ہاں سلمیٰ۔۔۔" ایک ہلکی سی آہ بھر کر مقتدر نے کہا۔۔۔ "کہنا تو بہت کچھ چاہتا ہوں۔۔۔ مگر کہنے کا پیرایہ مجھے نہیں ملتا۔۔۔ آپ پہلی مرتبہ مجھ سے ملی ہیں۔۔۔ پہلی مرتبہ باتیں کر رہی ہیں مجھے معلوم نہیں کہ میری ذات کے متعلق آپ نے کیا کیا سوچا ہے۔ مجھے شرم آئے گی اگر میں خود کو محسن کش بے وفا اور خود غرض پیش کر دوں گا۔۔۔! احسان کا بدلہ احسان اور نفس کشی

ضرور ہے مگر خودکشی نہیں !۔۔۔۔"

سلمیٰ حیرت سے اس کا چہرہ تکنے لگی اور پہلی بار مقتدر کی نظریں اس کی نظروں سے ملیں ۔۔۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی نمی تیر رہی تھی وہ بسورنے کے انداز میں مسکرایا ۔۔۔

"آپ کو تو سب کچھ پتہ ہو گا ۔۔۔ کتنا رحم و کرم میرے بزرگوں نے مجھ پر کیا ہے ۔۔۔ کتنا چاہتے ہیں وہ مجھے ۔۔۔ مگر وہ سب مجھ سے بڑے ہیں اور جو چھوٹے ہیں ان کا کیا شمار ہے اپنے احساسات کی ترجمانی تو میں کسی کے سامنے بھی نہیں کر سکتا اتنے بہت سے چاہنے والوں کو رکھتا ہوں لیکن اتنا بدنصیب ہوں کہ پھر بھی اکیلا ہوں !۔۔"

"اپنے چاہنے والوں میں سے آپ نے مجھے نکال دیا ۔۔۔ ؟" سلمیٰ نے کہا اور نظریں جھکا کر فرش کو تکنے لگی ۔۔۔ "کیا میں آپ کی کوئی دشواری دور نہیں کر سکتی ۔۔۔ !"

"معلوم نہیں ۔۔۔" مقتدر نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا ۔۔۔! "میری دشواری آپ کی کتنی دلشکنی کا باعث بنے ۔۔۔ لیکن جو کچھ میں کہنا چاہتا تھا وہ صرف آپ ہی سے متعلق ہے ۔۔۔"

"مجھ سے ۔۔۔ ؟" نجانے سلمیٰ نے کیا سوچا یک لخت اس کے رخسار گلابی ہو گئے اور آنکھوں میں عجیب سے ناقابل فہم جذبات مچلنے لگے ۔

"ایک چھوٹی سی کہانی ہے سلمیٰ ۔۔۔" مقتدر نے اس کی طرف سے رخ پھیر لیا ۔۔۔ "اس کے صرف دو کردار تھے مگر خواہ مخواہ جس میں آپ کی ہستی بھی شامل ہو گئی اور یہ کہانی میرے لئے بہت زیادہ المیہ بن کر رہ گئی ہے ۔۔۔"

وہ اتنی احمق تو نہیں تھی کہ مقتدر کی زبان سے اتنی تلخ بات سنتی اور

اس کی تہہ تک نہ پہنچ جاتی ——! اپنی اہانت اور زبردستی کی موجودگی پر سلمیٰ کے دل میں آگ پھیلنے لگی! اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ مقتدر نہ تو اس کی طرف ملتفت ہے اور نہ اس میں دلچسپی لے سکتا ہے —— شاید وہ کسی اور سے منسوب ہو چکا —— کہانی کے دو کردار کون ہو سکتے ہیں —— مقتدر اور کوئی دوسری لڑکی! خواہ مخواہ لوگوں نے اسے بھی اس کہانی میں ٹھونس دیا۔ بھرتی کے کردار کی طرح ——

خواہ مخواہ اسے مقتدر کا ناقابلِ بیان حد تک تلخ اور خشک لہجہ یاد آیا اور ایک زہر سا اس کے رگ و پے میں تیر گیا ——

"مجھے آپ سے ہمدردی ہے سلمیٰ —— " مقتدر نے اسے خاموش دیکھ کر پھر کہا —— "میں نہیں چاہتا کہ میری خاموشی۔ احسان مندی کا جذبہ۔ بزدلی اور نام نہاد شرافت مجھے ہمیشہ کے لئے جبر و کرب کی صلیب پر مصلوب کر دے —— معلوم نہیں کہ میں کتنا مجبور ہو کر رہ جاؤں گا —— مگر میں آپ کو بھی کوئی خوشی کوئی مسرت نہیں دے سکتا —— مجھے سنگدل بے رحم خود غرض نہ بنایئے گا —— آپ میری مجبوریاں نہیں جانتیں! اگر جانتی ہوتیں تو آپ کو مجھ سے ہمدردی ہوتی۔"

"بڑی دیر ہو رہی تھی۔ خیال تھا کہ سب لوگ آتے ہوں گے ——" مقتدر نے بے حد مختصر انداز میں وہ سب کچھ کہہ دیا جو وہ کہنا چاہتا تھا! یہ بھی کہہ دیا کہ اگر مقتدر نے مینا کو سہارا نہ دیا تو وہ ایک لالچی اور بیدرد انسان کے متھے چڑھ جائے گی۔ معلوم نہیں کہ پھر کیا کر گزرے گی!!

سلمیٰ گم صم اور دم بخود تھی۔

اچانک ایک موڑ پر مقتدر کو سرفراز دکھائی دیئے —— وہ خاموشی کے ساتھ وہاں سے ہٹ گیا —— اس نے پھر یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس سب میں کیا گھبراہٹ

کر سلمیٰ کب باہر آئی! —— وہ ان سب سے بڑی دور سبزے پر لیٹا آسمان کی وسعتوں میں محو پرواز طائروں کو دیکھتا رہا۔ وہ سوچ سوچ کر پاگل ہوتا رہا کہ اگر ناسمجھ اور جذباتی سی لڑکی نے اس کا سارا کہا سنا دوسروں کو بھی سنا دیا تب ان لوگوں کا کیا سلوک ہو گا؟

پھر اس کے خیالات اس سے بڑی دور پہنچ گئے جہاں مینا تھی —— اس کی اپنی بہن —— اس کی زندگی اس کے شباب کی تمامتر رعنائیوں کا مرکز —— اپنے باپ کے ظلم و استبداد کا شکار —— اکیلی اور اداس —— وہ لمحے یاد آئے جب دونوں ساتھ رہتے تھے! اس کی آنسو بھری آنکھیں افقِ تصورات پر جھپکیں —— وہ جانگسل لہجہ یاد آیا۔ جب مینا نے اس کی محبت کا ڈھکا چھپا اعتراف کیا تھا! پھر اسے مینا کے سوا کچھ بھی یاد نہ رہا ——

شاہنواز کھانے پینے کا سامان اٹھائے اس کے پاس آ بیٹھا۔ اسے مجبوراً مسکرانا پڑا —— وہ اسے اپنا مہمان سمجھ کر بڑی فراخدلی سے اس کی تواضع کر رہا تھا لیکن مقتدر کے لئے یہ سب کچھ بہت گرانبار تھا یہ تبسم، یہ قہقہے یہ ہمہمے سب بیکار —— زندگی اگر انسان کے لئے الجھن بن جائے تو پھر اس حیات کا مقصد ہی کیا ہے جس کے لئے لوگ مر مر کے جیتے ہیں —— ! وہ نہایت قنوطی انداز میں سوچتا اور سرد و بدمزہ کافی کے گھونٹ لیتا رہا ——

سرِ شام وہ واپس ہوئے۔ بزرگ اپنی محفل سجائے بیٹھ گئے! اور مقتدر باہر جا کے لیٹ گیا سرفراز نے اپنی بہن سے کہا تھا کہ وہ فی الحال منگنی کر دیں —— شادی ایک سال بعد ہوتی رہے گی —— وہ راضی ہو گئیں تھیں۔ شاہنواز اسے خوش خبری سنا گیا تھا کہ پھوپھی اماں گھر جانے سے

پہلے اسے انگوٹھی پہنا دیں گی! اسی شام سلمیٰ اور اس کی امی اپنے گھر چلی گئی تھیں ــــ

پھر وہی انگوٹھی ــــ اس نے کچکچا کر اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ لئے۔

جانے کیا بات تھی کہ سرفراز اور یونس اس سے کچھ الگ الگ تھے۔ یا یہ اس کا وہم تھا ــــ بہر حال جب ان دونوں نے اس سے اس ناگوار معاملہ میں مزید کہا سنا نہیں تو وہ بھی خاموش ہی رہا۔ عشرت اور سلمیٰ پر اس کی گفتگو کا کیا ردعمل ہوا تھا۔ وہ یہ بھی نہ جان سکا!

آخر کار روانگی کا دن آپہنچا۔ زبیدہ اصرار کرتی رہ گئیں۔ سرفراز بھی بضد تھے کہ آمنہ بیگم ابھی اور قیام کریں۔ مقتدر بھی راضی تھا اس کے سوا وہ اور کرتا بھی کیا ناصرہ خاتون نے ایک شام کو اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ جانے سے پہلے منگنی کر دی جائے لیکن ایک انہونی ہو گئی۔ سرفراز نے بڑی شرم اور ندامت کے ساتھ پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"خالہ اماں۔ آدمی سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ اور ہے۔ یہی تمنا میری بھی تھی کہ ایک خوشی میرے گھر میں بھی ہو جاتی! آپا پر مجھے پورا بھروسہ تھا! انھوں نے بھی وعدہ کیا تھا کہ میں اپنی خاص ذمہ داری پر جس لڑکے کی نشاندہی کر دوں گا وہ معترض نہ ہوں گی ــــ لیکن خدا ہی کو بہتر معلوم ہے کہ اندر اندر کون سی کھچڑی پکی ــــ آپا نے دبی زبان میں یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ سلمیٰ کا ارادہ مزید تعلیم حاصل کرنے کا ہے۔ میں نے انھیں بہت سمجھایا کہ شادی کے بعد بھی وہ پڑھ سکتی ہے۔ آپ یا مقتدر اس کی پڑھائی میں حارج نہیں ہوں گے۔ لیکن انھوں نے کہا کہ سلمیٰ نہیں چاہتی۔ کیا عرض کروں۔ معاملہ میری بھانجی کا ہے ورنہ وہی زمانہ انسانیت اور شرافت و پاسداری کا اچھا تھا۔ جب لڑکیاں اپنے مستقبل

کے بارے میں زبان بھی ہلانے کی طاقت نہیں رکھتی تھیں ۔۔۔ آپ نہیں جانتیں خالہ اماں ۔۔۔ کیسا صدمہ مجھے پہنچا تھا ۔ خیر بہر حال ۔ اس قصہ کو اب کالعدم سمجھئے ۔۔۔"

سرفراز تو یہ کہہ کر چلے گئے لیکن ایک سکتہ سا مقتدر پر چھا گیا ۔ یقیناً سلمیٰ نے اپنی امی سے کہا ہوگا ۔۔۔ معلوم نہیں خود اس کے دل پر کیا گزری ہوگی وہ سارے خاندان میں خود سر اور سرکش کہلائی ۔۔۔ لیکن اس نے مقتدر اور مینا کی راہوں میں آنا پسند نہیں کیا ۔

جس کسی کو کسی سے محبت ہوتی ہے وہی تو ایسا ایثار کرتا ہے ۔۔۔ اپنی راہوں کے چراغ بجھا کر دوسروں کا جادۂ حیات روشن کرنا آسان کام نہیں ہے ۔ کتنی ایثار پسند مخلص اور بلند ہے سلمیٰ ۔

مقتدر اس کے مقابلے میں خود کو بہت کمزور پست اور خود غرض محسوس کرتا تھا ؛

ناصرہ خاتون نئی روشنی نئے زمانے اور لڑکیوں کی دیدہ دلیری کو تلخ الفاظ میں برا بھلا کہہ رہی تھیں ۔ سرفراز اور مونس مقتدر سے شرمندہ تھے ! زبیدہ جیسے چور بن کر رہ گئی تھیں ۔۔۔ سب ہی سلمیٰ کو مرکزِ طنز و تعریض بنا رہے تھے ۔ مقتدر پر شرم کے تازیانے برسنے لگے ۔ اس نے عشرت کو دیکھا جنہوں نے اسے برا بھلا کہا تھا ۔۔ جیسے وہ بھی پشیمان تھیں ۔ سبھی کی نظروں میں مقتدر کی توہین ہوئی تھی ۔۔۔ اسے یہ بات ناقابلِ برداشت لگی کہ خواہ مخواہ سلمیٰ موردِ الزام گردانی جائے ۔۔۔ ! اس نے بھی ایک فیصلہ کیا اور عشرت سے بولا ۔۔

"بھابی ۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں سلمیٰ صاحبہ سے ایک بار مل سکوں ؟"

"ارے کہاں کی صاحبہ؟ میں اسے ایسا ہوائی دیدہ نہیں سمجھی تھی! کیا کرو گے مل کے — مجھے بہت افسوس ہے علی — سلمیٰ کی تائید میں جانے کیا کچھ میں نے تمہیں سنا دیا تھا! تم نے برا مانا ہوگا - کچھ خیال نہ کرنا بھیا—" عشرت نے کہا وہ شرمندہ تھیں —

اس کے کلیجے پر پھر ایک گھونسہ پڑا — "میں ان سے مل کر سمجھاؤں گا بھابی کہ —"

"کیا سمجھے گی بھلا وہ — ویسے ملنا چاہو تو مل آؤ — مجھے کیا اعتراض ہے؟"

"آپ کسی سے اس کا تذکرہ نہ کیجئے گا —"

"نہیں بھیا - کیا کہہ کے تذکرہ کروں گی —"

مغرب کے بعد وہ پتہ ڈھونڈھتا ہوا اس کے گھر پہنچ گیا —

سلمیٰ اس کے سامنے نہیں آئی لیکن اس کی امی نے بجھی ہوئی خوشی اور پژمردہ دلی کے ساتھ اس کی تقدیم کی! کچھ دیر کی رسمی گفتگو کے بعد مقتدر نے بڑی عاجزی اور لجاجت سے کہا —

"کل شام کو میں چلا جاؤں گا اور شاید سال بھر تک یہاں نہ آسکوں — کیا میں محترمہ سلمیٰ سے نہیں مل سکتا؟ —"

بڑی بی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور نیچے سے اوپر تک مقتدر کو دیکھ کر بولیں — "تم مجھے بہت اچھے لگتے تھے - کیا کچھ میں نے نہیں سوچا تھا میرے گھر میں کوئی صورت مرد کی نہیں! سلمیٰ کے ابا اور اس کے دو بھائی ختم ہو چکے - میں نے سوچا تھا کہ شادی کے بعد تمہاری امی سے التجا کر کے میں تمہیں اپنے گھر میں تھوڑے دن کے لئے رکھوں گی مگر اللہ کی مرضی نہیں تھی جہاں اتنے زخم میرے اپنوں نے مجھے مرکر دیئے وہاں ایک گہرا زخم اس ناسمجھ

پاگل اور دیوانی لڑکی نے بھی لگا دیا ـــــ رو کی التجا کی ہاتھ جوڑے میرے سامنے کہ ابھی اس کی شادی نہ کروں ۔ میں اس کی تباہ حالی برداشت نہ کر سکی ـــ وہی تو ایک رہ گئی ہے میری اندھی آنکھوں کی روشنی ـــ میں کیسے اس کی گریہ وزاری دیکھتی ـــ بیٹا ـــ اسی لئے میں نے سرفراز سے انکار کہلوا دیا ۔ تم میرے اپنے بچے ہو ۔ خدارا کچھ خیال نہ کرنا ـــــ !"

اس وقت مقتدر کا دل چاہنے لگا کہ وہ ان سے سب کچھ کہدے اس میں سلمیٰ کا کوئی قصور نہیں ۔ مگر آدمی کی بزدلی ـــــ وہ سارے خاندان کی انگشت نمائی سے ڈر گیا ـــــ اور دم بخود بیٹھا رہا ـــــ

بڑی بی اٹھ گئیں ـــ " میں کچھ لے آؤں تمھارے لئے ۔ کیا کیا ارمان تھے تمھاری خاطر تواضع کے ـــ اب کچھ نہ رہا ـــ وہی پھیکا سیٹھا کانی کا پانی " اور آہ بھر کر اٹھیں اندر چلی گئیں ـــــ اس نے اپنی جھنجھنی ہوئی کنپٹیاں جکڑ لیں میرے پروردگار ـــــ سلمیٰ کے آنسوؤں اور اس کی آہوں پر میری تمناؤں کا جو محل بنے گا ـــ وہ کب تک کھڑا رہے گا ـــ یہ میں نے کیا کیا ـــ ؟"

معلوم نہیں کتنا وقت گزرا تھا ۔ شام گہری ہو گئی تھی ۔ کمرے کے باہر برآمدے میں تاریکیوں کے ڈیرے لگے تھے ! وہ اپنے وجود سے بے خبر بیٹھا سوچ رہا تھا ـــ بلیا اور سلمیٰ ـــ آندھی اور بگولوں کی طرح اس کی ذات سے ٹکرا رہی تھیں ـــــ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا ! اور قوت فیصلہ جواب دے رہی تھی ۔

احمق آدمی ۔ یہ کیا کرتا پھر رہا تھا ! اگر سلمیٰ آ گئی تو وہ اس سے معافی مانگ کر درخواست کرے گا کہ وہ اس کی زندگی میں ہمیشہ کے لئے چلی آئے ۔ ایک پچھتاوے کا یہ تاوان دے گا کہ زندگی بھر پچھتاتا رہے گا !ـــ

بیٹیا — جو ظلموں میں گھری ہوئی ہے — اس کی اپنی بہن — ستم رسیدہ
سی — اس کی منتظر — وہ اسے کیا جواب دے گا ؟ کیا ایک کی دلجوئی کی
خاطر وہ دوسری کی دل آزاری کر سکے گا ؟

پھر اس کے دل نے صدا دی — یا اللہ — تجھے میری تقدیر پر اختیار ہے
کیا تو مجھے موت نہیں دے سکتا ؟

آہستگی سے پھولدار پردہ ہٹا — اور کسی نے کمرے میں قدم رکھے — مقتدر کو
پتہ بھی نہ چلا — پھر جب کسی نے میز پر ٹرے رکھی اور ایک مترنم سا جھناکا ہوا
تب مقتدر نے اپنے تکلیف دہ خیالوں سے چونک کر سر اٹھایا۔

وہ سلمیٰ تھی — بے داغ سفید لباس میں ملبوس ! پشت پر خشک بال بکھرے
ہوئے تھے ! سر جھکائے وہ بڑی توجہ سے اپنے ناخن دیکھ رہی تھی —

"سلمیٰ — ؟" مقتدر نے بھرائی ہوئی آواز میں پکارا۔

"جی — !" اس نے بہت چپکے سے جواب دیا اور سر کچھ اور
جھکا لیا۔

"سلمیٰ — !" اس نے اپنا ہونٹ دانتوں سے جکڑ لیا۔

اور جواب میں اس کی محجوب و متحیر آنکھیں مقتدر کی طرف اٹھ گئیں
کیسی عجیب بے کسی — حسرت اور بےچارگی ان آنکھوں میں بسی تھی کہ مقتدر
کا دل دہل گیا — اس کے رخسار ستے ہوئے تھے — لبوں پر سوکھی سوکھی
پپڑیاں بندھی ہوئی تھیں — مقتدر نے اندازہ لگا لیا وہ روتی رہی تھی

کچھ دیر تک ان کے درمیان صرف خاموشی بولتی رہی پھر بڑی ہمت
کر کے مقتدر نے کہا۔

"میں آپ سے کچھ کہنے کے لئے آیا تھا — اگر آپ کو فرصت ہو — !"

یک بیک سلمیٰ ہولے سے ہنس دی۔ عجیب سی دل کو پگھلا دینے والی ہنسی تھی۔
"مجھے معلوم ہے ۔۔ " وہ گریہ آلود تبسم میں گھلی ملی آواز میں بولی۔ "آپ مجھ سے معافی مانگنے آئے ہیں ۔۔ آپ کو یہ احساس ستا رہا ہے کہ آپ نے مجھے ٹھکرا دیا ہے اور اپنے رشتہ داروں میں مجھے برا بھلا کہا جا رہا ہے ۔۔ امی بھی ہزاروں صلواتیں سنا چکی ہیں۔ مقتدر صاحب۔ کیا مجھے یاد نہیں ہے کہ کس طرح اپنائیت سے آپ نے اپنا رازِ دل مجھ سے کہا تھا جو شاید کسی سے بھی نہیں کہا۔ کوئی انوکھا خلوص ۔۔ انجانا سا بھرم ہی تو ہوگا جس نے وہ سب کچھ آپ کی زبان سے کہلوایا تھا ۔۔ تو پھر میں ۔۔ "
"سلمیٰ۔۔ مجھے بہت شرمندگی ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ انکار آپ کے لئے موجبِ رسوائی بن جائے گا ۔ میں نے تو آپ کو دردِ دل سنایا تھا ۔۔! کوئی راہ نکالنے کی ترکیب پوچھی تھی مگر آپ نے اپنی بدنامی کیوں مول لی۔ آپ مجھے بدمعاش آوارہ اور ناپسندیدہ شخص قرار دے سکتی تھیں ۔۔"
وہ بڑی کھنکھناتی ہوئی آواز میں ہنسنے لگی ۔۔ "کاش آپ جانتے ہوتے مقتدر صاحب ۔۔ کیسی کشمکش مجھے تھی! خواب بڑے اچھے ساتھی ہوتے ہیں امید ایک ریشمی اور سنہری ڈوری ہے جس میں آدمی بندھے ہیں۔ لاکھ بار کی ناکامیوں ہزار بار کی ہار کے بعد بھی آدمی امید کی یہ پر فریب ڈوری توڑنا نہیں چاہتا اگر آس و آرزو کا دامن بھی ہاتھ سے چلا جائے تو پھر انسان کے پاس کون سا سرمایہ باقی بچے گا بتائیے اب میرے پاس کیا رہ گیا ہے؟ کس برتے پر میں آپ کا ہاتھ تھامتی آپ کا سہارا لیتی جب کہ میں جانتی تھی کہ اگر آپ بڑی مجبوری سے میرے ہو بھی جاتے تو بھی عمر بھر میرے اپنے نہ ہو سکتے! اگر آپ نے مجھے اندھیرے میں رکھا ہوتا تو شاید میں آپ کے جھوٹے پیار اور بناوٹی محبت پر بھی بہل جاتی! اب آپ کی معافی

بعد از وقت - آپ کی پشیمانی بیکار ہے - میں آپ سے دست بستہ التجا کرتی ہوں کہ خدا کے واسطے آپ اپنی راہ پر جائیے اور مجھے میری راہ پر چھوڑ دیجیے ـــــ "

"مجھے زیادہ شرمندہ نہ کرو - سلمیٰ ـــــ" مقتدر نے بے تاب ہو کر کہا "خدا کی قسم میں بہت پریشان ہوں - تمہاری دلشکنی کا احساس میرا جگر کھرچ رہا ہے ـــــ میں اسی لئے آیا تھا کہ تم سے منت کہوں - مجھے معاف کر دو اور میری ہو جاؤ ! ـــــ "

سلمیٰ نے ہنس کر اس کی طرف دیکھا ـــــ "مقتدر صاحب - گلاب کو شاخ سے جدا کر کے پھر اسے شاخ میں لگانا ایک بیکار سی کوشش ہے نا ؟ ـــــ اب تو اس کی تقدیر میں مرجھانا اور برباد ہونا لکھا ہے ـــــ اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں یہ تو قسمت کا لکھا ہوتا ہے ـــــ "

"مگر میں ـــــ"

"کچھ نہیں ـــــ" اس نے ہاتھ ہلا کر بات کاٹ دی ـــــ "آپ کو خدا کا واسطہ اب اس تذکرے کو یہیں ختم کر دیجیے ـــــ مجھے زیادہ پریشان نہ کیجیے آپ کی کوئی تاویل اور محبت مجھے اپنے فیصلے سے ہٹا نہیں سکتی ـــــ میں خوش ہوں - کچھ محسوس نہیں کرتی ـــــ براہ کرم اب جائیے ـــــ اور کچھ نہ سوچئے زندگی میں ایسے نشیب و فراز تو آتے ہی رہتے ہیں ـــــ !"

"معلوم نہیں ـــــ جب کبھی تم میرے متعلق سوچو گی تو کیا سوچو گی سلمیٰ ـــــ" مقتدر نے مدہم لہجے میں کہا ـــــ "بہر حال مجھے اتنا کہنا تھا کہ اگر معاف کر سکو تو معاف کر دو اپنی ندامت اور حماقت کی تلافی میں تمہارا ہاتھ تھامنے میں آیا تھا مگر تم نے قبول نہیں کیا ـــــ "

آپ کی ہنگامی تلافی میری ابدی لعنت بن کر رہ جائے گی ـــــ !" سلمیٰ نے کہا اور پھر یکبارگی بالکل غیر جذباتی ہو کر بولی ـــــ " اپنی بجو اس میں مجھے خیال ہی نہیں رہا - چائے تو بالکل برف ہو گئی ـــــ میں دوسری لئے آتی ہوں ـــــ "

"شکریہ، سلمیٰ — اب جی نہیں چاہتا —!"

پھر دفعتہً اندر سے کسی نے سلمیٰ کو آواز دی - اس نے اجازت طلب نظروں سے مقتدر کو دیکھا اس کی نظروں سے تفاخر، تمکنت اور طمانیت کے احساس ہویدا تھے جب کہ مقتدر عجیب شکست خوردہ، تباہ اور برباد لگ رہا تھا!

جب گھر پہنچا تو آمنہ بیگم نے معنی خیز نگاہیں اس پر ڈالیں - وہ اپنی دانست میں یہ سمجھیں کہ اسے اپنی توہین کا غم ہے لیکن کچھ بولیں نہیں!

شام کو وہ سب سے رخصت ہوئے - ناصرہ خاتون بھی ساتھ واپس آئیں پھر وہی کنج قفس پھر وہی تنہائی تھی — جانے کیا بات تھی - اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ مینا سے بھی ملنے جائے مگر یہاں واپس آتے ہی آمنہ بیگم کا عجیب حال ہوا وہ سیٹھ صاحب سے ملنے کے لئے بے تاب نظر آنے لگیں۔

"امی — آپ انہیں نہیں جانتیں —" مقتدر نے دل ہی دل میں جھنجھلا کر انہیں سمجھایا — "میں ان کی غیبت نہیں کرتا — حقیقت کا اظہار کر رہا ہوں — وہ کسی سے سیدھے منہ نہیں بولتے اور پھر اس صورت میں جب کہ مجھے اپنے یہاں دیکھنا پسند نہیں کرتے — آپ سے اور بھی خار کھائیں گے —"

"ایسے بھلا کیا جانور ہوں گے —؟" ناصرہ خاتون نے تعجب سے لقمہ دیا — "یہ کہو کہ تم ہی پسند نہیں کرتے تمہاری اماں وہاں جائیں —"

مقتدر خاموش ہو گیا —

دیوان صاحب کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ سیٹھ صاحب ان کے بیٹے کا پیغام مسترد بھی کر سکتے ہیں۔ انھوں نے اوصاف کے لئے ایک گرانقدر رقم بھی بخشی تھی۔ پھر اب ——!

اوصاف زخمی ناگ کی طرح بل کھا رہا تھا ——

"کیا گھٹنے اپنے پیٹ کی طرف مڑ گئے ڈیڈی ——؟" اس نے نہایت درشت اور سخت لہجے میں اپنے باپ سے پوچھا —— "تمام میں اس مکار بڈھے نے میرے جانی دشمن کو اپنا بھانجہ ظاہر کیا ہے اور خود اس لفنگے کو شاید کہیں روپوش کر دیا مجھے ابھی تک اپنی کمزوری پر غصہ آتا ہے —— اگر میں نے ایک کرارا ہاتھ دیا ہوتا تو وہ چوہے کا بچہ ہسپتال ہی میں ٹھکانے لگتا ——! مجھے بتائیے ڈیڈی میں کیا کروں؟ —— وہ دولت جو بینا کے ذریعہ مجھے ملے گی ——! کیا اب اس کا کوئی امکان نہیں رہ گیا؟ آپ اندر اندر کھوکھلے ہو چکے ہیں ڈیڈی —— اسے ہمیشہ یاد رکھیے —— جب تک مینا کی دولت ہمیں نہیں ملے گی ہم اپنے ڈوبے ہوئے کاروبار سے ابھر نہیں سکیں گے ——!"

"فی الحال وہی ساٹھ ہزار کا چیک کیش کرا لو۔ پھر دیکھا جائے گا ——"

دیوان صاحب نے مشورہ دیا۔ یکبارگی اوصاف کا چہرہ تانبے کی طرح سرخ ہو گیا اس نے دانت پر دانت جکڑ لیے۔

"وہ چیک ——" اس نے خونخوار نظروں سے اپنے باپ کو دیکھتے ہوئے کہا —— چیک لوز کر دیا گیا —— بینک کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ چیک کیش

نہ کیا جائے ۔۔۔ ؟ اب بتایئے ۔۔۔"

دیوان صاحب کے ہونٹوں سے سگار چھوٹ گیا۔

"ہاں ڈیڈی ۔۔۔" اوصاف زہریلی ہنسی ہنس کر بولا ۔۔۔ "اب میں سیٹھ صاحب کو اور ان کے بھانجے سلمہ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ آپ اگر مجھے روک نہ دیتے تو میں کب کا ان کا جھگڑا ختم کر چکا ہوتا ۔۔۔ اپنے ساتھیوں کو میں نے تیار کر لیا ہے ۔۔۔ یہاں سیٹھ صاحب کا پرسان حال کون ہے ؟ اور وہ مفلس بھکاری جو سیٹھ صاحب کی دولت کی خاطر ان کا مفروضہ بھانجہ بن بیٹھا ہے اس کی بھی رونمائی آج ہی کل میں ہو گی ۔۔۔ تعلیمی سال شروع ہو گیا ہے جہاں کہیں بھی ہوگا۔ آجائے گا ۔۔۔"

"مگر بیٹیا ۔۔۔ اپنے ہاتھ پیر بچا کر ۔۔۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں الٹی آنیتیں ۔۔۔"

دیوان صاحب کچھ کہنے چلے تھے کہ اوصاف نے بات کاٹ دی ۔۔۔

"بدشگونی نہ کیجئے ۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ۔۔۔ دولت سب کا منھ بند کر دے گی ۔۔۔ سیٹھ صاحب کے جہنم واصل ہونے کے بعد میں ۔۔۔" یک بیک وہ ہانپنے لگا ! ۔۔۔ میں ۔ بنیا کو مزہ چکھاؤں گا ۔ اسے بتاؤں گا کہ اوصاف کے گال پر تھپڑ مارنے کا انجام کیا ہے ؟"

"اور ۔ رومانہ ۔۔۔" دیوان صاحب نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

اوصاف نے قہقہہ لگایا ۔۔۔ "آپ کو بھی کیسے وقت رومانہ یاد آئی ۔ وہ سات سمندر پار ہے جب سنے گی کہ سیٹھ صاحب ایک ایکسیڈنٹ میں ختم ہو گئے اور بہن کی شادی ہو گئی ہے تو وہ خود ہی نہیں آئے گی ۔ اس کی فکر مت کیجئے آپ اس کا حق کالعدم قرار دیا جا سکتا ہے ۔۔۔"

دولت کے حصول کی مجنونانہ خواہش نے اوصاف کے حواس خمسہ ہی سلب کر دیے تھے سوچنا سمجھنا

کیسے ۔ باپ کے جانے کے بعد اس نے فون کر کے اپنے دوستوں کو بلوایا اور
دیر تک ان سے سرگوشیاں کرتا رہا ۔۔! انہی میں سے ایک نے یہ اطلاع دی
کہ مقتدر جہاں کہیں گیا تھا ۔۔ واپس آ گیا ہے !
"کیا وہ درحقیقت سیٹھ صاحب کا بھانجہ ہے ۔۔ ؟" اوصاف نے بڑی
حیرت سے پوچھا ۔
"وہ ملکہ وکٹوریہ کا نواسہ بھی ہو سکتا ہے کیا تم یا میں تحقیق کرنے جاتے
ہیں ۔۔" یونس بولا ۔
"ٹھیک ہے ۔۔ پہلے اسی کو اس کی نانی تک پہنچانا چاہیئے ۔ پھر ان
کے خالو کو دیکھیں گے ۔۔۔" اوصاف نے کہا ۔ حاشیہ نشینوں نے جی حضوری
میں قہقہے لگائے ۔۔۔
میرا خیال ہے کہ جو گڑ سے مرے اسے زہر نہیں دینا چاہیئے ۔۔!" ہاشم نے
کہا ۔۔ "اپنے ہاتھ خون سے رنگنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ سیٹھ صاحب کے
قتل کا الزام مقتدر پر رکھ دو ۔۔۔"
"کیا مطلب ۔۔۔ ؟" اوصاف نے تعجب سے پوچھا
"مطلب صاف ہے ۔۔ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ حضرت بندھے بندھے
پھریں کچھ تو تمہیں بھی انتقام لینا ہے ۔۔۔" ہاشم نے سفاک مسکراہٹ
سے کہا ۔۔ "اوصاف ۔۔ موت تو سارے جھگڑے چکا دیتی ہے مقتدر
سے ایسا بدلہ لو کہ وہ چیخ چیخ کر موت کو آوازیں دے ۔۔۔!"
"یار یہ تو بڑی قاتل تدبیر ہے ۔۔۔" اوصاف خوش ہو کر بولا ۔ "تو تم
ہی کوئی پلان بناؤ ۔۔۔"
"پلان میرے ذہن میں ہے ۔۔!" ہاشم نے کہا ۔۔ "صرف میں اور تم

ہر طرح تیار ہو کر سیٹھ صاحب کی کوٹھی پر پہنچیں گے اور ایسے وقت پہنچیں گے
جب سیٹھ صاحب بھی موجود ہوں —— راستے میں سیٹھ صاحب کی طرف سے
آپ کے حریف کو فون کریں گے —— ظاہر ہے وہ سیٹھ صاحب کی طلبی پر سر کے
بل دوڑا آئے گا۔ تب تک ہم سیٹھ صاحب کا کام تمام کر کے اپنی راہ لیں گے
جب مقتدر ان کے کمرے میں پہنچے گا تب اسے سیٹھ صاحب کی خون آلود لاش
سے سابقہ پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ بوکھلانے اور بدحواس ہو کر راہ فرار
ڈھونڈھنے میں اسے کم از کم پندرہ بیس منٹ تو ضرور لگیں گے۔ اسی اثنا
میں ہم پولیس کو فون کر کے قتل کی خبر دے دیں گے —— سیٹھ صاحب اس شہر
کی ناک ہیں۔ ان کا قتل ہنگامہ مچا دے گا۔ کیا سمجھے —— پولیس والوں
کو حشر تک پتہ نہ چلے گا کہ اسے خون کس نے کیا تھا ——!"

"مانتا ہوں —— تم ماہر فن ہو یار ——" اوصاف مسکرا کر بولا۔ "تو پھر
کب ——؟"

"ایک آدھ دن تو پلان پر سوچنا پڑے گا۔ کس رخ سے کس انداز سے
اور کب ہم کوٹھی میں داخل ہوں کہ کسی ملازم کی نظر نہ پڑے اور مینیا کو بھی نہ معلوم
ہو ورنہ سارا پروگرام ہی چوپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ سیٹھ صاحب مدظلہ کے
اوقات پر بھی نظر رکھنی ہے —— وہ حضرت اچھے خاصے گھر پر آرام کرتے
کرتے یکبارگی ہوائی جہاز میں نظر آتے ہیں ——!"

"میں سب کچھ کر لوں گا ——" صدیقی بولا —— اسے بھی کارکردگی
کے صلے میں ہاتھ گرم ہونے کی توقع تھی ——

"مگر جو کچھ کرو جلدی کرو میرے یار —— فی الحال تو ہم پھکڑ ہیں ——"
اوصاف بولا —— اس کے پیٹ میں چوہے قلابازیاں کھا رہے تھے

کب اسے دولت ملے اور عورت بھی — اس کی بے چینی چہرے سے مترشح تھی۔

ہاشم اور ساتھی سدھارے — اوصاف اٹھ کر ٹہلنے لگا! وہ سوچ رہا تھا کہ جب یکبارگی وہ کروڑوں کی دولت کا واحد مالک ہو جائے گا تو کیا کرے گا —؟

ہاشم نے راستے میں اپنے ساتھیوں سے الوداع کہی اور چند منٹ کھڑا دیکھتا رہا پھر ایک ٹیکسی کے لئے ہاتھ اٹھا دیا — سہ پہر خوشگوار تھی جب وہ مقتدر کے مکان پر پہنچا —

عبید اور مقتدر اپنے دیوانخانے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کسی کی دستک سن کر عبید نے در کھولا۔

"اوہو —" بے ساختہ ہاشم کی زبان سے نکلا — "عبید صاحب آپ یہاں —!"

"ہاں —" عبید ہنسنے لگا — "خیریت تو ہے۔ رزلٹ کیا رہا؟"

"بس پاس ہو گیا —" ہاشم نے مسکرا کر کہا۔ پھر جب وہ اندر آ کر بیٹھا تو مقتدر سے بھی پر تکلف علیک سلیک ہوئی — مقتدر اسے اوصاف کے ساتھیوں میں سے ایک دیکھتا رہا تھا — وہ محتاط ہو گیا — ہاشم کو پیرایہ گفتگو نہیں سوجھ رہا تھا — وہ پرخیال انداز میں کچھ سوچتا اور انگلیاں چٹخاتا رہا — اتنے میں مقتدر اٹھنے لگا —

"میں کافی لاتا ہوں —"

"نہیں نہیں آپ بیٹھئے —" ہاشم نے مضطربانہ لہجے میں کہا "میں بہت ضروری بات آپ سے کہنے آیا ہوں — عبید صاحب آپ واقعی مقتدر صاحب کے مخلص دوست ہیں نا —؟"

اپنی دانست میں تو میں یہی سمجھتا ہوں ۔۔۔!" عبید نے فخر یہ انداز میں کہا
اور اسٹارچ کی زیادتی سے اکڑے ہوئے کالر کو ٹھیک کرنے لگا!

"تو پھر آج سے ۔۔۔ بلکہ ابھی اور اسی وقت سے آپ دونوں مجھے بھی اپنا
مخلص دوست سمجھئے ۔۔۔" ہاشم نے کہا ۔ اور اٹھ کر دروازہ بولٹ کر دیا۔

"حالات انسان کو دوست بناتے ہیں ۔۔۔" مقتدر نے خشک لہجے میں کہا
"یہ سمجھنے اور سمجھانے کی چیز نہیں ہے ۔۔۔" ہاشم کے چہرے پر ایک پل کے لئے
پرتفکر مسکراہٹ ابھری پھر اس نے اپنے حیران اور مضطرب ساتھیوں سے
من وعن ساری باتیں کہہ دیں جو اوصاف کے سامنے ہوئی تھیں! ایک بات بھی
نہیں چھپائی ۔۔۔

عبید دم بخود تھا اور مقتدر مضطرب ۔

پھر کمرے کے گہرے سناٹے کو عبید کی بھرائی ہوئی آواز نے توڑا ۔" ہاشم صاحب
برا ماننے کی بات نہیں ہے ۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اپنے گہرے دوست
اور راز دار کا یہ خاص پروگرام آپ نے ہم دونوں کے سامنے کیوں دوہرایا ۔۔۔؟
گستاخی اور بے اعتمادی معاف ۔۔۔ کیا یہ بھی کوئی جل ہے ۔۔۔"

"میں سوچ رہا تھا کہ آپ یہ سوال ضرور کریں گے!" ہاشم نے کہا ۔ "مسٹر عبید
کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے میں آپ کو اپنی نیک نیتی اور سچائی کا یقین دلا
سکوں ۔ بہرحال میں نے آپ پر واضح کر دیا ہے ۔۔۔ یقین کیجئے کہ میں نہ جھوٹ
بول رہا ہوں نہ کوئی جل کر رہا ہوں میں بچانا چاہتا ہوں ۔۔۔ مقتدر ۔ بینا بہن
اور سیٹھ صاحب کو ۔۔۔ اگر آپ خدا کو مانتے ہیں تو اس کی ذات کے واسطے
سے یقین کر لیجئے کہ یہ جو کچھ میں نے کہا ہے سب سچ ہے ۔ اگر میں اوصاف کو
بہ درایا نہ سمجھاتا تو وہ دوسروں کی مدد سے لیتا اور پھر آپ سب کی تباہی یقینی تھی ۔

اب تو اوصاف مجھ پر بھروسہ کئے بیٹھا ہے اور ظاہر ہے کہ میں اس کی مدد کرکے ایک
ناکردہ کار انسان کو جیل کی راہ نہیں دکھا سکتا۔ ایک بے خبر بوڑھے کی موت
کا باعث نہیں بن سکتا ایک بیکس و مظلوم لڑکی کو تباہیوں کے اندھیرے غار میں
نہیں ڈھکیل سکتا —— مسٹر مقتدر میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ اب مانیں، یا نہ مانیں یہ
آپ کو اختیار ہے —— میں جا رہا ہوں ——!"

"تو پھر ہم اس سلسلے میں کیا کریں؟ ——" بے ضبط ہوکر عبید نے پوچھا۔

"میں جلد ہی پھر ملوں گا ——" یہ کہکر ہاشم اٹھ گیا۔ دونوں اس قدر مبہوت
تھے کہ اس کا شکریہ تک نہ ادا کرسکے۔

بڑی دیر تک عبید بیٹھا متحیرانہ انداز میں اوصاف کے کردار پر تبصرے کرتا رہا!
مقتدر کو کسی چیز سے دلچسپی نہیں رہی تھی۔ نہ زندگی سے پیار رہا تھا نہ موت کا کھٹکا۔
"ایک نہ ایک دن تو مرنا ہی ہے۔ لاکھ دونوں ہاتھوں سے زندگانی کو دبوچے
جاؤ۔ وہ ختم ہونے والی ہے ——" اس نے بیزار لہجے میں کہا۔ "جو تے اپنی
نہ ہو اس کی محبت کیا عبید ——؟"

"ٹھیک ہے تو پھر لاؤ میں ہی شہادت کا جام تمہارے لبوں سے لگا دوں۔؟"
عبید نے جل کر کہا —— "احمق آدمی۔ تم ہی جیسے دیوانوں نے دنیا میں قنوطیت اور
بیزاری کو جنم دیا ہے۔ ورنہ خدا کی دنیا میں ایسا بھی ویرانہ نہیں جہاں چند دن آرام
سے بیٹھ کر ہنسنے بولنے کو جی نہ چاہے ——"

پھر بہت کچھ فضیحت فضیحت کرکے وہ اٹھا تو مقتدر کی طرف رخ کرکے للکارا۔
باہر جانے میں احتیاط برتنا۔۔!" مقتدر کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"بہت اچھا دادی اماں —— آپ مطمئن رہیئے ——" وہ بھی ہنس کر اٹھ گیا۔
اندر پہنچا تو دیکھا کہ آمنہ بیگم کہیں جانے کے لئے تیار ہیں! مقتدر کی سوالیہ

نظریں ان پر پڑیں تو مسکرا کر بولیں۔

"اے۔ میں کہتی ہوں۔ میاں۔ کچھ بھی ہو آخر سیٹھ صاحب ہیں تو میرے بہنوئی۔ ایک دفعہ مل آنے میں کیا حرج ہے۔ مجھ عورت ذات سے تو وہ کوئی بدتمیزی نہیں کر سکتے —— چلو مجھے بھی پہنچا آؤ ——"

"امّی! میں پھر کہتا ہوں کہ ——" مقتدر جھلّا گیا۔

"بڑے بدگمان ہو گئے ہو اپنے خالو سے۔ مسلمان آدمی دل میں کینہ نہیں پالتے۔ جاؤ جہاں تمھاری امی کہتی ہیں ——" ناصرہ خاتون بولیں۔

بڑی ردّ و قدح کے بعد وہ آمادہ ہوا۔ آمنہ بیگم بہت خوش تھیں۔ مگر مقتدر خائف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو امی کی دل شکنی اور ذلّت ہو! بہرکیف ان کی ضد کے آگے اس کی ایک نہ چلی —— اسے ان کے ساتھ جانا ہی پڑا۔ ہمیشہ کی طرح کوٹھی میں اب بھی سناٹا پڑا تھا! دربان نے مقتدر سے کوئی تعرض نہیں کیا آمنہ بیگم کے قدم کانپ رہے تھے! مقتدر کے ساتھ کھنچی جا رہی تھیں ——

دالان میں مینا کی خاص ملازمہ ستارہ بی اور مقتدر کو دیکھ کر چہکی۔

"ماسٹر صاحب —— ہائے اللہ آپ؟ کہاں تھے اتنے دنوں سے ——؟" پھر وہ پلٹ کر چیخی —— "صاحبزادی باہر آیئے۔ دیکھئے کون آیا ہے ——" پھر وہ مینا کے کمرے کی طرف دوڑی گئی ——

لمحہ بھر بعد مینا اندر سے نکلی اور مقتدر کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔

"میری بچی ——!" آمنہ بیگم نے گلوگیر آواز میں پکارا —— اور وہ موم کی گڑیا کی طرح ان کی باہوں میں سما گئی ——

"امی —— آپ ——" وہ گریہ آلود آواز میں بولی —— "کہاں چلی گئی تھیں امی ——؟"

آمنہ بیگم اسے لئے ہوئے آتشدان کے قریب صوفہ پر بیٹھ گئیں اور رک رک کر بیتے دنوں کی داستان سنانے لگیں — مقتدر ایک الگ تھلگ صوفہ پر ٹکا ہوا بے معنی نظریں کمرے میں دوڑا رہا تھا!

"یہاں تمھاری امی کی تصویر نہیں ہے بیٹی —!" آمنہ بیگم نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا — وہ میری حقیقی چھوٹی بہن ہے — خدا کے لئے ایک نظر دکھا دو۔ بڑی مدت ہوئی اس سے جدا ہوئے —" ان کے آنسو گالوں پر ڈھلک آئے مینا اٹھ کھڑی ہوئی —

"آئیے میرے کمرے میں چل کے آرام سے بیٹھئے - میں آپ کو ممی کی تصویروں سے بھرا ہوا البم دکھاؤں گی امی —" وہ انھیں لئے ہوئے اپنے کمرے میں آئی الماری کھول کر دو ایک بڑے البم نکالے اور آمنہ بیگم کے سامنے رکھ دیئے۔ انھیں آرام سے بٹھا کر بولی —

"آپ جب تک دیکھئے میں چائے لے آؤں —! آہ - امی مجھے تو گمان بھی نہیں تھا آپ یہاں آئیں گی —"

"تمھارا ہمارا ناطہ زمین آسمان کا رشتہ ہے بیٹی —" وہ آنسو پونچھتی ہوئی بولیں — "دونوں ازل سے ساتھ ہیں مگر ایک دوسرے سے کتنی دور ہیں قیامت آئے تب ہی دونوں ملیں گے —"

"نہیں امی — یوں نہ کہیئے —" وہ بجھی ہوئی ہنسی ہنس دی - "میں تو آپ ہی کی ہوں —"

وہ باہر نکلی اور پھر دالان میں مقتدر کا سامنا ہوا۔

"مینا!" ہولے سے مقتدر نے پکارا - وہ تھم گئی مگر مڑی نہیں۔!

"تم مجھ سے خفا ہو مینا!" وہ اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا اور جھینپی ہوئی ہنسی

ہنس دیا۔

"جس کسی سے لگاؤ ہوتا ہے لاگ بھی اسی سے ہوتا ہے۔ ماسٹر صاحب جہاں کچھ بھی نہ ہو وہاں میں خواہ مخواہ دھوکا کیوں کھاؤں ـــــ" مینا بولی اس کی آواز سے ناراضگی برس رہی تھی! پھر وہ آگے بڑھی تھی کہ مقتدر نے اس کی بانہہ تھام لی اور چپکے سے اپنی طرف پھیر لیا۔ ـــ مینا اپنا بازو چھڑانے کی ناکام کوشش کرتی ہوئی بولی۔

"چھوڑیئے مجھے جانے دیجئے ـــ! میں نے دل کو بہلا لیا کہ میرا کوئی نہیں میں اکیلی ہوں ـــ"

اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر مقتدر کی پلکیں بھی بھیگنے لگیں ـــ" مجبوریوں کو بھا کرو ـــ مینا! تم نہیں جانتیں ـــ یوں تم سے اچانک جدا ہونا میرے لئے بھی کیسا شاق تھا مگر میں مجبور ہو گیا ـــ ایک طویل کہانی ہے تم سے کہنے کی! خدا جانے تم یقین کرو کہ نہ کرو ـــ! مینا تمھارے قرب میں کیسی عجیب سی ٹھنڈک ہے ـــ کیسا لذت انگیز انبساط ـــ اللہ اللہ ـــ اگر میں با اختیار ہوتا! تو تمھیں اپنی باہوں میں سمیٹ کر کسی تنہا اور خنک پھولوں بھرے کنج میں لیجاتا اور پھر ـــ یہ مکر و فریب کی دنیا ہم سے بہت پیچھے رہ جاتی! جہاں تم ہوتیں اور میں ہوتا ـــ"

"آیئے امی کے لئے چائے بنائیں ـــ" وہ اس کی گرفت سے چھوٹ کر مترنم سی ننھی سی ہنسی ہنس پڑی ـــ

پھر چائے بناتے ہوئے مقتدر نے مختصر سی اپنی کہانی کہہ دی ـــ لیکن اوصاف کی ریشہ دوانیوں کی تازہ بتازہ خبریں نہیں سنائیں وہ بے کار پریشان ہوتی ـــ

"آپ کو پتہ نہیں چلا — کس نے آپ کو زخمی کیا تھا؟" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا — مقتدر نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"اد صاف صاحب نے پرانی دشمنی نکالی ہوگی — " مینا بولی۔

"جب میں نے انھیں دیکھا نہیں تو ان کا نام کیسے لے سکتا ہوں —"

چائے تیار ہوگئی تھی — مینا نے بہت سارے لوازمات ٹرے میں سجائے اور ملازمہ سے کہا کہ وہ کشتی اٹھا کر لے چلے — اتنے میں بانو نے خبر سنائی —

"صاحبزادی۔ سرکار آرہے ہیں —!"

مقتدر اپنی ماں کی موجودگی کے خیال سے فکر مند ہوگیا۔ اور مینا بےحد سہم گئی — شائد کسی طرح ان کی آمد کی خبر آمنہ بیگم کو بھی ہوئی تھی وہ کمرے سے باہر نکلیں اور سر پہ آنچل اوڑھ کر بڑی اپنائیت سے سیٹھ صاحب کو سلام کیا۔ ابھی ان کی نظریں متحیرانہ انداز میں آمنہ بیگم کے سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں کہ کچن سے آتی ہوئی مینا پر نظر پڑی — پھر مقتدر دکھائی دیا اور ایکبارگی جیسے بارود کے ڈھیر میں کسی نے آگ دکھا دی۔ وہ اپنی ڈراونی آواز میں دہاڑے —

"یہ کیا ڈرامہ ہو رہا ہے میری آنکھوں کے سامنے پھر وہ لفنگا ماسٹر یہاں دکھائی دیا۔ اور یہ عورت — یہ کون ہے؟"

"ڈیڈی — " مینا ڈرتی ڈرتی بولی — "یہ مقتدر صاحب کی امی اور میری ممی کی حقیقی بہن ہیں — مجھ سے ملنے آئی ہیں۔ ڈیڈی۔ ابھی چلی جائیں گی — " اس نے خوشامد سے ہاتھ جوڑ دیئے مگر سیٹھ صاحب کا غیظ و غضب کم نہیں ہوا — مینا تاویلیں پیش کرتی رہی۔ آمنہ بیگم اتنی شرمندہ تھیں کہ ان کا سر جو جھکا تو پھر نہیں اٹھا۔ مقتدر نے ماں کا ہاتھ تھاما

اور باہر چلا آیا — تنہائی میں بھی سیٹھ صاحب مبینا پر گرجتے برستے رہے۔

اور چلتے چلتے راستے میں مقتدر نے سوچا کہ اگر اوصاف اس ننگ انسانیت بڈھے کا خاتمہ کر دے تو یقیناً ایک نیک کام کرے۔

رات کو دیوان صاحب پھر اتمام حجت کے لئے آئے انھیں بھی پھٹکار کر سیٹھ صاحب نے کوٹھی سے باہر نکال دیا۔ مبینا کو اپنی زندگی میں ایک بھیانک خلا نظر آرہا تھا ساری رات وہ کھڑکی میں بیٹھی سوچتی رہی کہ اس کا کیا حشر ہونے والا ہے؟

دفعتہً دو ڈھائی بجے رات کو لائبریری کے پاس والے کمرے سے ایک غل سا اٹھا — ملازم چیخ رہے تھے — عورتیں شور مچا رہی تھیں پھر بانو دوڑتی ہوئی آئی اور متوحش ہو کر مبینا کو خبر سنائی کہ کسی نے سیٹھ صاحب پر حملہ کر کے انھیں زخمی کر دیا —

"کس نے؟" مبینا نے دل تھام لیا اور لڑکھڑا کر دیوار سے جا ٹکرائی —

"صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا — مگر وہ بھاگ گیا —" بانو نے کہا اور پھر باہر دوڑ گئی — مبینا بیماروں کی طرح چلتی باپ کے کمرے میں آئی سیٹھ صاحب بے شک زخمی ہو گئے تھے — ان کا بایاں کندھا گاڑھے خون سے تر بتر ہو رہا تھا! چادر پر بھی خون ہی خون تھا — مگر وہ پوری طرح اپنے ہوش میں تھے —

"ڈیڈی —" مبینا سسک کر بولی —

"تم ڈاکٹر رفعت کو فون کر دو —" انھوں نے کراری آواز میں کہا جس میں کمزوری اور نقاہت کا شائبہ بھی نہیں تھا! پھر ہاتھ ہلا کر بولے "آؤ مبینا بیٹھ جاؤ — کمزور دل لڑکیوں کی طرح آنسو نہ بہاؤ — مجھے یہ سخت ناپسند ہے مجھے ہو کیا گیا ہے — وہ تو ناشدنی — خیر میں اس فقیر بچے کو دیکھوں گا —"

"فقیر بچہ؟" مبینا کے رونگٹے کھڑے ہو گئے — یہ خطاب، تو مقتدر کے لئے

مخصوص تھا۔ کیا اس نے آج کی اہانت کا بدلہ لیا؟ وہ ٹھنڈی ہونے لگی! مگر مقتدر کا نام اس کی زبان پر نہ آسکا!

پھر ڈاکٹر آیا اس نے بڑی خاموشی سے زخم کا معائنہ کیا اور اسے صاف کر کے بنیڈیج کر دیا۔

سیٹھ صاحب ــــ یہ کس کی دشمنی کا نتیجہ ہے؟" ڈاکٹر نے تولیہ سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بڑی گہری سنجیدگی سے دریافت کیا۔ سیٹھ صاحب پر اب غنودگی چھانے لگی تھی۔ بند ہوتی ہوئی آواز کو بمشکل ابھار کر بولے۔

"کک ــ کمرے میں روشنی ناکافی تھی ــ میں ــ اس ــ اس ناہنجار کو دیکھ نہیں سکا۔"

پھر ایک دلدوز آہ بھر کر بولے ــــ "تجوری تو شاید صاف ہو گئی" اور ان پر غشی طاری ہو گئی ــــ

صبح کو اخبارات میں سیٹھ صاحب پر قاتلانہ حملہ کی خبریں چھپیں۔ مقتدر کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ہاشم نے انھیں الو بنا کر اپنا کام پورا کیا۔ مینا سوچ رہی تھی مقتدر نے اپنا انتقام لیا۔ وہ اس کے کردار کی کمزوری پر اتنی مغموم تھی جیسے یہ فعل اسی سے سرزد ہوا ہو۔

عبید بھی مقتدر کے پاس بھاگا آیا۔ دونوں تفتیش حال کے لئے باہر نکلے تھے کہ انھیں ہاشم مل گیا۔

"کیوں دوست؟" عبید نے طنزیہ پوچھا ــ "اتنے جیالے ہو کہ ایک بھاری جرم کر کے سینہ تانے پھر رہے ہو! کیا او صاف کا پیسہ تمھیں تختۂ دار سے بھی اتار لائے گا ــــ!"

"مجھ سے پھر کبھی اس لہجے میں بولے تو خدا کی قسم ہاتھ چھوڑ دوں گا ــــ"

ہاشم نے سرخ ہو کر کہا ——— "تم سمجھے نہیں ——— رات کو مجھے پتہ چلا تھا کہ ادھاف صاحب کے ارادے نیک نہیں ہیں۔ لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی جلدی خیر آؤ چلیں۔ کوٹھی چلیں ——— "

"میں کیا صورت لے کر جاؤں گا! تم لوگ جاؤ ——— !" مقتدر نے کہا۔

"تمھارے سوا مینا بہن کی دلدہی کون کر سکے گا ؟" عبید نے چپکے سے کہا مقتدر برا سا منھ بنا کر رہ گیا۔

کوٹھی میں سناٹا تھا! ایک ملازم سے پتہ چلا کہ پولیس والے اپنی کارروائی کر کے جا چکے ——— اب اوپر سیٹھ صاحب کے خاص خاص دوست ہیں ———

عبید اور ہاشم سیٹھ صاحب کی مزاج پرسی کے لئے چلے گئے اور مقتدر اندرونی کمروں کی طرف بڑھ گیا۔

اپنے کمرے میں مینا تھی۔ عجیب سی لٹی ہوئی لگ رہی تھی۔ ملگجا سا پر شکن لباس بکھرے اور الجھے ہوئے بال تھکی ہاری فاقہ زدہ سی ——— آج وہ مقتدر کو دیکھ کر آگے نہیں بڑھی ——— ایک طنز بھری پر تحقیر مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھری اور وہ اٹھ کر دریچے میں جا کھڑی ہوئی ———

"مینا۔ ڈاکٹروں نے تو اطمینان دلایا ہے ——— وہ اچھے ہو جائیں گے۔۔ پریشان نہ ہو ——— " مقتدر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

یقیناً آپ کو بہت زیادہ صدمہ پہنچا ہو گا ! ——— " مینا نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"قدرتی بات ہے ——— مقتدر اس کے لہجے کی تلخی کو پہچان نہ سکا !

"میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ——— "

"سچ مچ آپ تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ آپ کا حملہ ناکام ہو جائے گا ——— " مینا نے کہا۔ مقتدر دھک سے رہ گیا ———

"مگر آپ مجھے مار ڈالتے —" اب کی وہ سسک پڑی۔ "میرا انتقام آپ نے ان سے کیوں لیا؟" —

"مجھے حیرت ہے — کیا خیالات اس طرح بھی بدل سکتے ہیں —!" مقتدر نے کہا اور پھر رنجیدہ لہجے میں بولا —" کاش۔ ساری دنیا مجھے قاتل ٹھہراتی۔ مگر تم مجھے قاتل نہ سمجھتیں! اب تمام دنیا مجھے بے قصور سمجھے گی لیکن تم مجھے اپنے باپ کا قاتل کہو گی — میری تقدیر میں یہ بھی تھا! میں اتنا کمینہ، ذلیل، پست اور کم ظرف ہوگیا ہوں کہ اپنی اور اپنی ماں کی توہین کا بدلہ تمھارے باپ کے خون سے لینا چاہتا ہوں — اچھا مینا تم دیکھ لوگی کہ ایک بے قصور قاتل نے خود کو پھانسی کے لئے پیش کردیا —" یہ کہہ کر وہ مڑا اور کمرے سے نکل گیا! مینا اس کے پیچھے دوڑی لیکن وہ دالان سے گزر چکا تھا! وہ سیٹھ صاحب کے پاس دوڑی گئی۔ لیکن پتہ چلا کہ سیٹھ صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے —۔ ان سے کوئی مل نہیں سکتا!" وہ یک بیک چکرا کر فرش پر ڈھیر ہوگئی! —

پتہ نہیں اسے کب ہوش آیا۔ اپنی دھندلی آنکھیں کھول کر اس نے چاروں طرف دیکھا۔ کمرے میں دھواں سا پھیلا ہوا تھا اور اس دھوئیں میں ننھے ننھے جگنو اڑ رہے تھے اس نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔

"مینا بہن! ہوش میں آؤ! —" اس نے عبید کی آواز پہچان کر پھر آنکھیں کھول دیں۔ عبید نے سگریٹ باغ میں اچھال دیا اور اس پر جھکا۔

"ڈیڈی —؟" اس نے لب بمشکل لبوں کو جنبش دی۔

"ٹھیک ہیں — تمھیں کیا ہوگیا ہے —" عبید اس کے بال پیشانی پر سے سمیٹتا ہوا کہہ رہا تھا! "آج تیسرے دن ہوش میں آئی ہو خدا کا شکر

ہے کہ اب تمھیں بخار بھی نہیں۔ اس عرصہ میں کئی مرتبہ سیٹھ صاحب تمھیں پوچھ چکے ہیں — کچھ کھا پی لو تو پھر چلو —"

"عبید بھیا — آپ کے دوست —" مینا نے مرتعش آواز میں کہا — "میں بڑی بے ضبط ہوگئی تھی — انھیں خفا کر دیا تھا — وہ کہاں ہیں — خدا کے لئے بتائیے —!"

"لمبی کہانی ہے مینا — پھر سناؤں گا! — تم خود کو صحت مند محسوس کر رہی ہو تو اٹھو — باہر چلیں —"

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد جب وہ باہر پہنچی تو دیکھا کہ سیٹھ صاحب تنہا اپنے بستر پر پڑے چھت کو تک رہے تھے — ان کے پاس کوئی نہ تھا۔

مینا کو دیکھ کر وہ مسکرائے اور اشارے سے کہا کہ ان کے پہلو میں بیٹھ جائے —

"ستارہ نے کہا تھا کہ تمھاری طبیعت اچھی نہیں ہے —" وہ بولے لہجہ بڑا نرم تھا آواز عجیب سادہ سی تھی — "زندگی میں ایسے حادثات ہوتے ہی رہتے ہیں ان سے ایسا اثر نہیں لینا چاہئے —"

"کچھ پتہ چلا ڈیڈی — وہ حرکت کس کی تھی۔ کس نے ڈاکہ ڈالا کس نے آپ پر حملہ کیا؟" مینا نے کہا اور اس کی نظروں میں منقذ پھر گیا۔ بے بس مظلوم سا آدمی جس پر شک کر کے مینا نے خود پر ظلم کیا تھا —

"ڈاکو —؟" دفعتہً سیٹھ صاحب ہنسے — "کون ڈالتا ہے؟ ایسے ڈاکے غریب نہیں ڈالتے بیٹی — انھیں غربت چور بناتی ہے لیکن دولت مند دوسرے دولت مند پر ڈاکے ڈالتا ہے۔ اس کی دولت پر، عزت پر۔ آبرو پر حق پر اور جان پر —!! مجھے ڈاکے کا کوئی افسوس نہیں، ہوسکتا ہے کہ اس

میں ناپاک کمائی بھی شامل رہی ہو۔۔ افسوس مجھے اس کا ہے۔ میں نے ایک بڑا قیمتی ہیرا۔۔ کوہ نور۔ کھو دیا۔۔ اس کی قدر و قیمت سے جب واقف نہیں تھا۔۔"

"وہ کہاں رکھا تھا؟ ڈیڈی؟"

"گودڑ کا لال تھا۔ بیٹی۔۔" وہ بولے۔ مینا ان کا چہرہ تکنے لگی۔ وہ پھر ہنسے۔۔ جیسے پرمعنی انداز میں کچھ سوچ کر ہنسے ہوں!۔

مینا نے الجھ کر گفتگو کا رخ پھیر دیا۔۔ "اب آپ کے زخم میں زیادہ تکلیف تو نہیں ہے۔۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔۔" انھوں نے کہا۔

اتنے میں ملازم نے دیوان صاحب کی آمد آمد کی خبر سنائی۔ مینا کو زبردستی سیٹھ صاحب نے روک لیا دوسرے لمحے دیوان صاحب اور اوصاف نے کمرے میں قدم رکھے ان پر نظر پڑتے ہی سیٹھ صاحب کا چہرہ کھل گیا۔ بڑے پرمسرت لہجے میں ان کی تقدیم کی! ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ مجبور ہو کر بستر پر پڑے نہ ہوتے تو شاید راہوں میں بچھ جاتے۔

"اب کیا حال ہے جناب؟" دیوان صاحب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بھاری آواز میں پوچھا۔

"آپ کے دیکھنے سے جو تھوڑی سی رونق میرے منھ پر آئی ہے اس سے یہ نہ سمجھیے گا کہ میرا حال اچھا ہے۔۔" سیٹھ صاحب نے ہنس کر کہا۔ "بس یہ سمجھیے اندر اندر کھینچا جا رہا ہوں۔۔"

"اب کیا ہے۔ اس بدمعاش کے خلاف قانونی کارروائی کیجیے۔۔"

اوصاف نے لقمہ دیا۔۔ "میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یونیورسٹی کا

ذہین ہونہار اور شریف طالب علم ایسی اوچھی اور گری ہوئی حرکت بھی کرے گا صرف چار پیسے کی خاطر ــــ"

بینا نے بستر پر پڑا ہوا کمبل مٹھی میں جکڑ لیا ــــ وہ سمجھ گئی کہ منصور پکڑا گیا ــــ

"دیکھئے روپئے یا اسے کیسا مزہ چکھاتا ہوں ــــ" سیٹھ صاحب نے پھنکار کر کہا ــــ "ڈاکہ ــــ اقدام قتل ــــ دھاندلی ــــ میری لڑکی سے نسبت دینے کی جسارت ــــ اف اف ــــ آدمی وہ دو ٹکے کا ہے مگر مجال اتنی ہے ــــ!" وہ ہانپنے لگے ــــ

"کتنی رقم گئی ــــ" دیوان صاحب نے پوچھا۔

سیٹھ صاحب نے بے ہنگم سا قہقہہ لگایا ــــ "رقم؟ ساٹھ ستر ہزار سے زیادہ نہیں گئی ــــ" پھر بڑے جاہلانہ انداز میں بولے ــــ "ارے کیا وہ میری ملوں کو اکھاڑ لے جائے گا۔ فیکٹریوں کو نوچ لے گا ــــ زیورات کو نگل جائیگا ہشت ــــ وہ تو کنکر پتھر تھا جو گیا۔ اصلی چیز تو خدا نے محفوظ ہی رکھی ــــ"

ان کا انداز اس قدر اجڈ تھا کہ شرم کے مارے مینا پسینے میں نہا گئی ــــ

"ماشاء اللہ ــــ" اچانک دیوان صاحب کے منہ سے نکلا "اس قیمتی چیز کی زیارت نہیں کرائی آپ نے ــــ بھئی دیکھئے بالکل محفوظ رکھیئے۔ اس بدبخت کا ہاتھ پھیل چکا ہے ایسا نہ ہو کہ کہیں ــــ" اور ان کے چہرے پر ناقابل بیان مسرت کے سائے رقصاں تھے۔ آنکھیں چمک رہی تھیں لب مسکرا رہے تھے۔ وہ نہایت فاتحانہ انداز میں بینا کو دیکھ رہا تھا جس کا چہرہ زرد تھا اور دل مایوسیوں کے اندھے کنوئیں میں گر رہا تھا۔

"میں کچھ اچھا ہو جاؤں تو پھر دکھاؤں گا آپ کو ــــ" سیٹھ صاحب نے کہا

تھوڑی دیر بعد وہ رخصت ہوئے! اور انھوں نے ملازم سے کہہ کر عبید کو بلوایا۔

"میاں۔ اسے کوئی تکلیف تو نہیں ہے ——؟" سیٹھ صاحب نے پوچھا

"جی نہیں۔ قطعی نہیں ——" عبید نے سر جھکا کر کہا۔

"میں نے جس سے ملنے کو کہا تھا — تم اس سے ملے تھے —؟"

"جی ہاں ——!"

"پھر کیا ہوا ——؟"

"انھوں نے فرمایا کہ آپ جب کبھی اور جس دن ارشاد فرمائیں — معاملہ اسی وقت ختم کر دیا جائے ——"

سیٹھ صاحب نے کچھ سوچ کر کہا —— "تو پھر —— پرسوں کے دن رکھو۔ اتوار بھی ہے —— اور میں شاید چلنے پھرنے کے قابل بھی ہو جاؤں — کیا خیال ہے ——!"

"آپ جیسا فرمایئے جناب ——" عبید نے بڑے ادب سے کہا۔

"اچھا بیٹے اب جاؤ — خدا تمھیں خوش رکھے۔ میرا بڑا کام کیا"

انھوں نے کہا اور مینا کی طرف دیکھے بغیر عبید انھیں رخصتی سلام کر کے کمرے سے نکل گیا۔

ضمیر کی ملامت نے مینا کو چین لینے نہیں دیا۔ وہ جانتی تھی کہ مقتدر غصے و جنون میں کوئی قدم ایسا ضرور اٹھائے گا جو خود اس کے لئے ہلاکت آفرین

ہو گا ---! اب وہ اس قدر پشیمان تھی کہ کوئی مداوا اس سے بن نہیں پڑ رہا تھا کیسے اور کیونکر مقتدر کو راضی کرے! ان دنوں عبیدہ بھی بڑا سرد مہر ہو رہا تھا۔ مینا کو معلوم ہونے لگا تھا کہ رفتہ رفتہ جلد یا بدیر آہستہ آہستہ تمام اپنے لوگ اس سے جدا ہونے والے ہیں۔ رومانہ تو اس کے لئے حاضر غائب برابر تھی! سیٹھ صاحب کا زخم سرجن نے خطرناک بتایا تھا وہ بھی کسی وقت ہمیشہ کے لئے بچھڑ سکتے تھے! اور مقتدر جو اس کے لئے سب سے زیادہ اپنا ہو سکتا تھا اسے خود مینا نے مفارقت پر مجبور کر دیا تھا ---

ناامیدی، مایوسی اور غم نے اسے تباہ کر رکھا تھا! ایک پورا ہفتہ اسے روندتا کچلتا نکل گیا --- وہ تھی اور اس کے جاں گسل خیالات ---!

بھری برسات کے دن تھے! ساری رات تیز بارش کے بعد صبح کے وقت آفتاب نے اپنا دھلا ہوا نکھرا ستھرا چہرہ ابر کے نقاب سے نکالا اور بھیگے ہوئے در و بام پر رنگتی ہوئی ٹھنڈی ٹھنڈی کرنوں کا سنہرا اور پیلا جال بکھرنے لگا ---

ساری رات سیٹھ صاحب کے کمرے میں ڈاکٹروں کا جمگھٹا لگا رہا تھا! ستارہ نے ایک ادھوری خبر مینا کو پہنچائی تھی کہ یکایک سیٹھ صاحب کا زخم بگڑنے لگا تھا اور انھیں بخار بھی بہت زیادہ تھا۔

یہ خوشگوار صبح مینا کو بڑی بھیانک لگی! وہ گرتی پڑتی باہر آئی! اور دیوار سے لگ کر ہانپنے لگی۔ دفعتہً کمپاؤنڈ سے ایک کار کا اجنبی سا ہارن گونجا اور ساتھ ہی کسی نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔

مینا سول سرجن کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر سہم گئی ---

ڈاکٹر خود مس درانی کو دیکھ کر قدرے مودب ہو گیا اور آہستہ سے بولا۔

"گھبرانے یا تشویش کرنے کی کوئی بات نہیں ہے مس درانی۔ زخم خراب

ہو گیا ہے ۔۔ اس وقت ہم لوگ سیٹھ صاحب کو ہسپتال لے جا رہے ہیں

کیونکہ ـــــ !" وہ رک گیا ۔

"ورنہ ۔ پھر کیا ہوگا ـــــ ؟" مینا نے نیم بیہوشی کے سے عالم میں

پوچھا ۔

"ورنہ اس کا قوی اندیشہ ہے خاتون کہ زخم کا سارا زہر جسم میں پھیل جائے گا

اور پھر کوئی تدبیر بن نہ پڑے گی لہٰذا ہم میں یہی طے پایا ہے کہ مریض کا ہاتھ شانے

پر سے کاٹ دیا جائے ـــــ یقیناً ایک جان کے بدلے میں صرف ہاتھ زیادہ

قیمتی نہیں ہے ـــ"

پھر وہ کب گیا ـــ لوگ ایک زندہ جنازے کی طرح سیٹھ صاحب کو کب

گھر سے لے گئے اسے کچھ پتہ نہ چلا ۔ اس کا اپنا یہاں کون تھا جو اسے سنبھالتا

تسلی دیتا ـــ دکھے دل پہ ہاتھ رکھتا ـــ لوگ بھاری قدموں کی دھمک پیدا

کرتے اس کے قریب سے نکلے چلے گئے تھے ۔ اب وہاں کوئی نہ تھا! سناٹا

ویرانی ۔ سوگواری ۔ تنہائی ـــ

وہ تباہ حال لٹی ہوئی دیوار کے سہارے بیٹھی کھلی ہوئی مگر بے نور

آنکھوں سے اندھیرے خلاؤں میں گھورتی رہی ـــ

اس کی خادمائیں اس کی خوشامدیں کر کے تھک گئیں مگر نہ تو وہاں سے

وہ اٹھی نہ اس نے کچھ کھایا پیا ۔ اگر وہ اکیلی نہ ہوتی تو اتنی ہراساں اور

پریشان نہ ہوتی ! لیکن اب تو گوناگوں خیالات تھے ـــ وحشت انگیز ۔ جگر خراش

ہولناک ۔ بھیانک ـــ ورنہ بڑے سے بڑا غم زیادہ تر عورتوں ہی پر

پڑتا ہے ۔

پھر سہ پہر کے قریب بادلوں نے سورج کو اپنے دامن میں چھپا لیا

سرد ناگوار ہوائیں چلنے لگیں اور جگہ جگہ چراغ جل اٹھے۔

"صاحبزادی ــــ خدا کا واسطہ آپ کو۔ اب تو اٹھ جائیے ــ رحم کیجئے اپنے حال پر ــــ!"

ستارہ اس کے قدموں کے پاس آ بیٹھی ــ

"بس ــــ میرے اپنے ــــ تم ہی لوگ ــ رہ گئے۔ ستارہ ہا ــ" وہ یک بیک بڑے درد سے رو پڑی ــــ" ڈیڈی ــــ مقتدر ــ عبید بھیا ــ سب مجھے چھوڑ گئے ــــ ہولناک دیکر ان اداسی کے سپرد کر کے ــــ ستارہ ــــ پھر آخر میں بھی کیوں نہ مر جاؤں!! ــــ"

"کیوں اتنی پریشان ہو گئی ہو۔ مینا ــــ" اچانک اس نے عبید کی آواز سنی اور آنسو بھری آنکھیں اٹھائیں ــــ

"خدا کی پناہ ــــ" عبید نے سہارا دے کر اسے فرش سے اٹھایا اور ملامت خیز لہجے میں بولا ــ "صبح سے اب تک۔ شاید تم یہیں بیٹھی رہی ہو اتنا بھی خود کو وحشتوں کے حوالے نہیں کرنا چاہئیے ــــ" پھر وہ ملازمہ سے چائے اور لوازمات لانے کی تاکید کر کے مینا کو اندر لے گیا ــــ

"ڈیڈی کیسے ہیں ــــ؟" مینا نے پوچھا۔ عبید کی آمد سے اسے بڑا سہارا ملا تھا۔ ملازمہ چائے لے آئی۔ پھر چائے ہی دوران میں عبید نے کہا ــــ "میں ان ہی کی طلبی پر آیا تھا۔ یہاں سے روانگی کے وقت وہ بیہوش تھے مگر ہسپتال پہنچ کر انھیں ہوش آ گیا۔ اب وہ اچھے ہیں! تمھیں یاد کر رہے تھے ــــ!"

"ہاتھ کا زخم ــــ" مینا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"خدا کی مرضی پر شاکر رہو۔ بہن ــــ" عبید نے نظریں جھکا کر کہا۔" وہ افسوسناک فیصلہ ڈاکٹروں کو بڑی مجبوری سے کرنا پڑا اس کے بغیر چارہ نہیں تھا

سیٹھ صاحب کا بایاں ہاتھ شانے سے الگ کر دیا گیا۔ ہاتھ تو گیا مگر زندگی بچ گئی بڑی ہمت کا ثبوت دیا انھوں نے ۔۔۔ اُف تک نہ کی ۔۔۔ چہرے تک سے تکلیف کا اظہار نہیں ہوتا ۔۔۔"

"عبید بھائی یہ حرکت کس نے کی ہے ۔۔۔؟"

"معلوم نہیں ۔۔۔ بہر حال فیصلہ جلد ہی ہو جائے گا۔ مجرم کون ہے؟"

"جی ۔۔۔؟" وہ نا سمجھی میں اس کی صورت تکنے لگی ۔۔۔

عبید مسکرایا ۔۔۔ عجیب سی تکان زدہ مسکراہٹ تھی ۔۔۔ اس نے کرسی پیچھے کھسکائی اور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا ۔۔۔ "تم نے غالباً اپنی بدحواسی میں مقتدر پر شبہ ظاہر کیا تھا ۔۔۔ وہ احمق درجہ اول پولیس اسٹیشن پہنچ گیا اور خود کو بحیثیت ایک قاتل کے پیش کر دیا۔ اگر بروقت ضروری کارروائی نہ ہو جاتی تو خدا ہی جانے کیا تشدد اس بیوقوف پر کیا جاتا! سیٹھ صاحب نے پہچان لیا تھا کہ حملہ آور کون تھا؟ وہ ابھی خاموش ہیں۔ اگر ان کی زبان کھل جائے گی تو مجرم اپنی پناہ گاہ سے نکل بھاگے گا ۔۔۔ اب تو وہ آزاد پھر رہا ہے۔ کیونکہ اسے پتہ ہے کہ مقتدر بحیثیت حملہ آور کے حوالات میں ہے ۔۔۔"

"نہیں ۔۔۔" مینا کے ہاتھ سے بسکٹ چھوٹ گیا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے عبید کو دیکھنے لگی ۔۔۔

"کہنے کو حوالات ہے ۔۔۔ لیکن آرام گھر سے بڑھ کر میسر ہے ۔۔۔ تم نہ گھبراؤ۔ یہ بھی بہت اچھا ہوا کہ از غیبی یہ صورت نکل آئی ۔ ورنہ حملہ آور تو قیامت تک نہ ملتا ۔۔۔ خیر ۔۔۔ بہر حال جو ہونا تھا وہ ہوا ۔۔۔ تم تیار ہو جاؤ تو پھر چلیں ایسا نہ ہو کہ کہیں بارش پھر آ لے ۔۔۔"

مینا نے بڑی عجلت میں لباس بدلا اور عبید کے ساتھ چلی گئی ۔۔۔

ایک اردلی نے اسپشل وارڈ تک رہبری کی ۔

آہٹ سن کر سیٹھ صاحب نے گردن پھیری اور بڑی شفقت سے مسکرائے مبنیا ان کی مسکراہٹ سے بیتاب ہو کر جھپٹی اور ان کے سینے پر سر رکھ دیا پھر اسے خود پر قابو پانا دشوار ہو گیا ــــ دیر تک سیٹھ صاحب نے کچھ نہیں کہا ان کا چوڑا چکلا سینہ فرط جذبات و جوش سے ڈوبتا ابھرتا رہا ــــ

"ڈیڈی ــــ آپ کو کتنی تکلیف ہوئی ہو گی ــــ ڈیڈی ۔ آپ کی طرف مجھ سے دیکھا نہیں جاتا ــــ

"سزا قدرتی ہے مبنیا بیٹی ــ" انھوں نے بڑی پست اور مضمحل آواز میں کہا ــــ" اللہ نے پھر بھی کرم کیا ۔ دونوں ہاتھ نہیں کٹ گئے کیا کچھ میں نے اپنی ناپاک زندگی میں نہیں کیا ــــ آہ ۔ تمھاری صابر اور مظلوم غریب ماں کیسے ستم ان پر میں نے نہیں ڈھائے تھے ــــ رلایا تھا، ستایا تھا ــ دل جلا کر ہنسا تھا ــــ مارا تھا! ــــ اف فوہ ــــ!" وہ خاموش ہو گئے ۔

مبنیا نے ان کے سینے سے سر اٹھایا اور یہ دیکھ کر سکتے میں رہ گئی کہ سیٹھ صاحب رو رہے تھے ۔ ان کی بند آنکھوں کے کناروں سے آنسو ابل ابل کر ڈھلک رہے تھے ۔ مبنیا کے لئے یہ منظر بالکل نیا تھا وہ اتنی مبہوت اور دم بخود تھی کہ پاس کھسک کر ان کے آنسو بھی نہ پونچھ سکی ۔

"جناب ۔ یہ تو آپ کے لئے نقصان دہ ہے ــ" دفعتہً عبید نے دخل دیا ــ" اب تک آپ نے بڑی ہمت کی ۔ اب بھی دل کمزور نہ کیجیے ۔"

سیٹھ صاحب اس طرح مسکرائے کہ بچوں کی طرح ان کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے ۔ اور وہ مسکرانے پر مجبور کر دیئے گئے؛ بڑے پیار سے مبنیا کو دیکھتے ہوئے بولے ــــ

"ہاں سچ ہے ۔۔ میں کیوں روتا ہوں ۔ خدا نے وہ ہاتھ سلامت رکھا جس سے مجھے اپنی بچی کی مانگ میں افشاں بھرنی ہے ۔۔۔ خدا کا شکر ہے خدا کا شکر ہے ۔۔۔!" پھر وہ عبید سے بولے ۔۔ "بیٹے کچھ معلوم ہوا مجھے یہاں سے کب رخصت کیا جائے گا!"

"انشاء اللہ بہت جلد جناب ۔۔۔" عبید نے کہا

"اچھا خیر ۔۔۔" انھوں نے کہا ۔۔ "تم اگر میرا ایک کام کر دو تو بڑا شکر گزار ہوں گا!"

"واہ جناب ۔ حکم دیجئے ۔۔۔" عبید نے کہا ۔۔۔

"میاں ۔ مجھ سے بیحد غلطی ہوئی ۔ میں اپنوں کو پہچانتا نہیں ۔۔۔ اگر ہو سکے تو ابھی اور اسی وقت جاؤ اور آمنہ بہن کو میرا سلام پہنچا کر یہ پیغام دو کہ خدارا مجھ سے جلد از جلد ملیں ۔۔۔ آدمی کب ہے اور کب نہیں ۔۔۔ کچھ پتہ نہیں ۔۔۔"

یک بیک مینا کے دل میں آتشبازی سی چھٹ گئی ۔ کیا ڈیڈی کا دل پسیج گیا؟ عبید کے چہرے سے مسرت عیاں تھی ۔۔۔ فوراً اٹھ کر چلا گیا ۔۔۔

کیا معلوم خالہ اماں کے ساتھ مقتدر بھی چلا آئے ۔۔۔ وہ تمام ناخوشگوار خیالات سے بے نیاز ۔ پتہ نہیں کیا کچھ سوچنے لگی! سیٹھ صاحب بغور اسے دیکھ رہے تھے! مگر وہ کچھ نہ بولے ۔ اس عرصہ میں ایک ڈاکٹر آیا اور انھیں انجکشن دے کر چلا گیا ۔۔۔ ایک نرس آئی جس نے کچھ ان کے منھ میں انڈیل دیا! مینا گم صم بیٹھی رہی ۔

وقت پر لگائے اڑا ۔۔۔ شام کا دھندلکا تاریک رات میں بدلنے لگا ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی! اسپتال کے نیچے سڑک پر بڑا اژدھام اور

شور وغل تھا! غالباً آنے والی بارش کے خوف سے راہگیروں نے اپنے قدم تیز کر دیئے تھے۔!

پھر راہداری میں بلند آواز سے دیوار گیر کلاک نے آٹھ بجائے اور جبید نے وارڈ کا پردہ سرکایا۔ بینا نے اپنے تصورات سے چونک کر سر اٹھایا اور عبید کے پاس آمنہ بیگم کو دیکھ کر بے اختیار کھڑی ہو گئی۔

"آیئے بہن آیئے"، سیٹھ صاحب کے لبوں سے نکلا۔۔"زہے قسمت خدا مہربان ہے۔"

آمنہ بیگم چپ چاپ آئیں اور سلام کر کے پاس والی کرسی پر ٹک گئیں۔ معلوم نہیں ندامت تھی کہ حجاب ۔۔۔ سیٹھ صاحب نے ان سے نظریں چار کرنے کی ہمت نہیں کی ۔۔۔ مضطرب لہجے میں بولے۔۔

"اگر اس وقت آپ نہ آئیں تو میں خود کو کبھی معاف نہ کرتا۔ میں اپنے پچھلے سلوک پر بہت شرمندہ ہوں۔ خدا کے لئے مجھے ۔۔۔۔"

آمنہ بیگم نے ہاتھ اٹھا کے انھیں روک دیا۔۔"بھائی صاحب۔ خدا گواہ۔ میرے دل میں کوئی کدورت آپ کی طرف سے نہیں ہے جب سے معلوم ہوا ہے کہ آپ پر نصیب دشمناں یہ وقت پڑا ہے کسی صورت چین نہیں۔ اٹھتے بیٹھتے دعائیں مانگ رہی ہوں۔ پروردگار عالم آپ کو اپنی بچی کے سر پر سالہا سال تک سلامت رکھے۔!"

وہ ہنسے۔" اب نہ رہنے کا بھی کوئی غم نہیں رہا۔۔ آپ اس کی ماں سے کیا کم ہیں۔۔۔"

"نہیں نہیں ۔۔۔ یہ کبھی نہ کہیئے۔ آپ کا دم بسا غنیمت ہے۔"

نرس نے انھیں تاکید کی کہ زیادہ باتیں نہ کریں مگر یک بیک سیٹھ صاحب نے

اپنے پرانے لہجے میں اسے ڈانٹ دیا اور بدستور بہت پرانی پرانی باتیں آمنہ بیگم سے کرتے رہے ——— سچ مچ یوں معلوم ہو رہا تھا انھیں نہ تو اپنے ہاتھ کا غم تھا نہ اذیت ———

عبید اور مینا برآمدے میں کھڑے گفتگو کر رہے تھے — مینا میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ مقتدر کا حال پوچھتی۔ نہ ہی عبید نے کچھ کہا —

لگ بھگ سوا نو بجے سیٹھ صاحب نے آمنہ بیگم کو رخصت کیا چلتے چلتے وہ مینا کے پاس آئیں — وہ ڈر رہی تھی نجانے کیا کچھ اسے سننا پڑے۔ مگر آمنہ بیگم نے اسے سینے سے چمٹا کر چوم لیا اور بڑی دلدہی کی باتیں کیں —

تینوں ساتھ ہی واپس ہوئے! آمنہ بیگم ہمیشہ کی طرح متبسم اور پرمحبت تھیں۔ مینا کے دل سے خوف دور ہو گیا ——— عبید آمنہ بیگم کو گھر پر ڈراپ کر کے مینا کے ساتھ چلا گیا —

"عبید بھائی!" اس نے کچھ سوچ کر کہا ——— "ڈیڈی کے مزاج میں حیرت انگیز تغیر ہوا ہے۔ کیا تو ایک وہ وقت تھا جب مقتدر صاحب نے فون پر اطلاع دی تھی کہ وہ ڈیڈی کے بھانجے ہیں تب تو انھوں نے اتنا ہنگامہ مچایا تھا کہ بس"

"کہاں کے مقتدر صاحب ....." عبید نے کہا — "وہ تو میں تھا جس نے سیٹھ صاحب کو بھی فون کیا تھا اور اوصاف حسین صاحب کو بھی ——— انھیں مطلع کرنا ضروری تھا تاکہ وہ یہ نہ باور کر لیتے کہ ان کا راستہ صاف تھا۔

"تو کیا انھوں نے یہ دشمنی نکالی ہے ——— وہ تو دوستوں کی طرح ڈیڈی کی مزاج پرسی کرنے آتے ہیں ——— ؟"

"تمھارا کیا خیال ہے ———"

"میں کچھ سوچ نہیں سکتی ——— ان دنوں اتنی پریشان رہی ہوں کہ اظہار

کی طاقت نہیں رکھتی ـــ"

"لعنت بھیجو اس بدبخت پر جس نے اتنا رکیک اور انسانیت سوز جرم کیا۔ تم اپنے دماغ کو زیادہ نہ تھکاؤ۔ اچھا، خدا حافظ۔ میں ہسپتال ہی جاؤں گا فکر نہ کرنا ـــ"

آپ نے میرا اتنا ساتھ دیا ہے کہ میں کس طرح آپ کا شکریہ ـــ"

عبید نے اسے بات پوری نہیں کرنے دی۔ الوداع کہہ کر گاڑی موڑلی پورچ میں کھڑی وہ بڑی دیر تک اس کی اوجھل ہوتی ہوئی عقبی سرخ روشنی کو دیکھتی رہی ـــ

اس رات وہ پچھلی راتوں کی سی بیقرار اور مضطرب نہیں تھی! تفکر تو اب بھی تھی مگر اس کی فکروں میں وہ التہاب نہیں رہا تھا! سیٹھ صاحب کی تکلیف سے اسے قلبی تکلیف پہنچی تھی کیسے بھی تھے اس کے باپ تھے۔ اور اب ہسپتال میں جس طرح وہ پڑے تھے اسے یاد کر کر کے مینا بھی روئی تھی۔

خدا خدا کر کے تیسرے چوتھے روز سیٹھ صاحب کو ضروری چیک اپ کے بعد گھر جانے کی اجازت ملی۔ وہ ہسپتال میں زیادہ رہنے پر ہرگز آمادہ نہیں تھے بڑی مشکل سے ڈاکٹروں نے اس شرط پر اجازت دی کہ انھیں پٹیاں باندھنے کے لئے کوٹھی پر آنے دیا جائے گا ـــ

مینا بے حد مسرور تھی! ایک طرف سے باپ کو سہارا دئے وہ وارڈ سے باہر لائی۔ آج وہ پھر پہلے کی سے پرغرور سخت گیر اور برہم نظر آرہے تھے۔ جیسے نرم دلی اور رقیق القلبی کا دور محض عارضی اور عبوری رہا ہو۔

گاڑی عبید چلا رہا تھا! اسے کرخت آواز میں حکم دیا۔" رخ موڑ دو میں کوٹھی نہیں جارہا ہوں ـــ معتمد کے گھر لے چلو۔ آج اس کا بھی فیصلہ

ہو جائے ۔۔۔۔۔

عبید نے بے چوں وچرا کار موڑ دی اور دیکھتے ہی دیکھتے مقتدر کے گھر پر روک دی۔ ہارن کی آواز سن کر آمنہ بیگم باہر نکلیں ۔۔۔۔ اور یک بیک خوش ہو گئیں ۔۔۔۔

"اللہ نے یہ دن کیا ۔۔۔۔ آئیے بھائی صاحب ۔۔۔۔ آہستہ آہستہ آیئے۔ سچ ہے ۔ دل ضرور بدلتے ہیں ۔۔۔۔" اور آنے والوں کے لئے راستہ دے دیا۔ پھر ہاتھوں ہاتھ مینا کو اتارا ۔۔۔۔

سیٹھ صاحب نے گھر پر اور ماحول پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ اوسط درجے کے مکینوں کا مکان تھا لیکن صاف ستھرا پرسکون سلیقے سے سجا ہوا ۔۔۔۔ عبید کا سہارا لے کر وہ خود ہی ایک پلنگ پر جا لیٹے اور کراہ کر مینا سے بولے ۔۔۔۔

"خوب گرم اور تلخ کافی بنا لاؤ ۔۔۔۔"

وہ کچن کی طرف لپکی ۔۔۔۔ سیٹھ صاحب نے آمنہ بیگم کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور نجانے عبید کو کہاں بھیجا ۔۔۔۔ جب مینا کافی کی ٹرے لئے ہوئے آئی تو پردے کے پیچھے ٹھٹک گئی ۔۔۔۔

"بہن ۔۔۔۔ دیر بس میرے بستر سے اٹھنے کی تھی ۔۔۔۔" سیٹھ صاحب کہہ رہے تھے ۔۔۔۔ "آپ یقین کیجئے کہ میں نے جی جان سے اپنے آپ کو صحت مند کیا ہے ورنہ تکلیف اذیت اور کرب مجھے اب بھی کم نہیں ۔ خدا میرے حال پر رحم کرے یہ مجھے معلوم ہے کہ میں اب زیادہ جینے والا نہیں ۔۔۔۔ اللہ زندگی میں مینا کو اس کے گھر بار کا کر دے ۔۔۔۔ تقدیر نے رومی کو اپنے گھر کا کر دیا ۔۔۔۔ پتہ نہیں ۔ کب آئے گی ۔۔۔۔ کیا دیکھے گی ۔۔۔۔ بڑی دور چلی گئی ۔۔۔۔ بڑی دور ۔۔۔۔"

خاموشی چھا گئی ——

مبینا چپکے سے اندر گئی اور کافی بنانے لگی! کچھ دیر کے لئے ماحول بدل گیا۔

دن کے گیارہ بجے تھے! موسم اب بھی اداس تھا — رہ رہ کر پانی سے بھری تیز ہوائیں چلتیں اور سردی کی لہر چھوڑ جاتیں! تینوں اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے سوچ رہے تھے کہ دالان میں عبید کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ دو تین آدمی اور تھے! جب وہ سامنے آئے تو مبینا حیرت سے سن رہ گئی۔ بھلا یہاں اوصاف، اس کے والد اور اوصاف کے خاص ساتھیوں کا کیا کام تھا۔

اوصاف کے جسم پر بڑا قیمتی سوٹ تھا — ہمیشہ کی طرح سونے کی موٹی موٹی انگوٹھیاں اس کی انگلیوں میں چمک رہی تھیں۔

رسمی علیک سلیک کے بعد دیوان صاحب نے پوچھا — "جناب کوٹھی نہیں گئے — میں نے تو صبح کو بھی ایک چکر وہاں کا لگایا تھا — یہاں آپ کیسے آ گئے —"

"ہاں —" سیٹھ صاحب نے ایک دزدیدہ نظر اوصاف پر ڈالی اور سرد آواز میں بولے — "مجھے خود تعجب ہے کون سی طاقت مجھے یہاں لائی ہے؟ حالانکہ یہ تو ایک ایسے آدمی کا گھر ہے جس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ میں جانتا ہوں —!"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ بھائی صاحب؟ —" آمنہ بیگم نے چیخ کر کہا۔

"وہ غلاظت اور گندگی کا ڈھیر میرے سامنے ہے —!" وہ ان کی چیخ کی پروا کیے بغیر بولے — "ابھی پاگل لال پولیس کی حراست میں آنا ہوگا

• آج میں حق ناحق کا فیصلہ کروں گا! جس کا میں نے کچھ بھی نہیں بگاڑا۔ میں پوچھوں گا۔ اس نے میرا سب کچھ بگاڑنے کی کوشش کیوں کی تھی۔ آج کس کی وجہ سے میں نے اپنا ایک ہاتھ گنوایا ہے ——"

"یقیناً ——" دیوان صاحب نے پر تنفر ایک نگاہ آمنہ بیگم پر ڈالی۔ اور کراہت سے بولے —— " ایسے عناصر سے معاشرے کو پاک رہنا چاہیئے آپ کا فیصلہ بہترین ہے۔ قاتل کو آپ اس کے گھر سے گرفتار کریں گے۔ وہ بہت اچھے ——" وہ خاموش ہو کر بینا کو دیکھنے لگے جو تقریباً نیم بیہوش تھی۔ اومات اور اس کے دوست مسکرا رہے تھے ——

یکایک ایک زوردار ہارن گونجا —— عبید باہر لپکا۔ چند لمحوں بعد پولیس کے سپاہیوں کے ہمراہ مقتدر آتا ہوا دکھائی دیا۔ آمنہ بیگم نے اپنا چہرہ چھپا لیا اور کرسی کی پشت نگاہ پر ڈھلک گئیں —— بینا نے دیکھا کہ مقتدر کو پولیس کے ایک سپاہی نے سیٹھ صاحب کے پہلو والی کرسی پر بٹھا دیا تھا۔ اس نے ایک نظر سب پر ڈالی اور سر جھکا لیا۔

"کاش۔ میں یہ سب نہ دیکھتی ——" آمنہ بیگم کی حالت تباہ تھی۔" ہائے میں تو مر جاتی علی —— تیرا ہاتھ —— اپنے باپ کے برابر۔ خالو پر کیسے اٹھا —— علی —— یہ تو نے کیا کیا ——؟"

ایک انسپکٹر نے دروازہ بند کر دیا اور وہیں جم گیا۔

"صاحبزادے ——" دیوان صاحب نے کہا اور نفرت بھری نگاہ مقتدر پر ڈال کر بولے —— " سیٹھ صاحب پر وار کرنے سے پہلے تم نے یہ نہیں سوچا کہ تم اپنے مستقبل کے گلے پر چھری پھیر رہے ہو۔ آخر تمھیں کون سی انگلی شیطان نے دکھائی تھی۔ تعلیم کا نام ڈبو دیا تم نے۔ لعنت ہے تم پر ——"

"دولت کی ہوس ـــــ انتقام کا جنون ـــــ شکست کا احساس ـــــ اپنی شخصیت کا بھرم ـــ انسان کو ہمیشہ غلط راستوں پر لے جاتا ہے ـــ" سیٹھ صاحب نے کہا۔" جیسے مجھے لے گیا اور آج میں نامکمل سا آپ کے سامنے بیٹھا ہوں ـــــ اسی طرح یہ لڑکا ہے جس نے میری دولت پر بری نگاہ رکھی تھی ـــــ میرے خاندان میں رشتہ کرنا چاہا تھا ـــ مجھ سے ٹکرایا تھا نتیجہ سامنے ہے کہ آج وہ گردن جھکائے ہوئے ہے ـــــ اور آپ میاں اوصاف ـــــ!"

وہ یکایک اوصاف سے مخاطب ہو گئے ـــــ" آپ سے میں بہت خوش ہوں ـ اپنے خاندان کا نام آپ نے اونچا کر دیا ـ تعلیم میں آپ فرد ہیں ـــــ تربیت آپ کی اعلیٰ ہے ـــ دوست آپ کے معزز ہیں ـــــ آپ کو بزرگوں سے بات کرنی آتی ہے ـ کیا کہنے ـــــ! میں نے آپ کو مع آپ کے دوستوں کے اسی لئے اس غریب خانہ پر زحمت دی ہے کہ ان دوستوں کے سامنے آپ کی عزت افزائی کروں ـ شامل کروں آپ کو اپنے خاندان میں ـ کیا خیال ہے دیوان صاحب ـــــ"

"شکریہ سیٹھ صاحب ـــــ مگر اتنی جلدی ـــــ اور اس جگہ ـــــ؟"

دیوان صاحب کچھ متذبذب تھے ـــــ

"کیا حرج ہے ـــــ" دفعتہً اوصاف کا دوست بول اٹھا۔" جیسی سیٹھ صاحب کی مرضی ـــــ!"

اوصاف کے چہرے پر عجیب سا رنگ تھا ـــ وہ دل ہی دل میں مسرور تھا کہ خائف ـــــ اس کا تجزیہ کرنا دشوار تھا ـــ

عبید ہاشم اور مقتدر ـ شروع ہی سے مہر بہ لب تھے! وہ صرف دیکھ

رہے تھے ــ

بینا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا تماشہ تھا ــ ؟ وہ تو مقتدر کو بھی نہیں دیکھ رہی تھی اس کی نظریں کسی ایک مرکز پر نہیں تھیں ــ

" اوصاف میاں قریب آیئے ــ گھبرایئے یا شرمایئے نہیں ــ " سیٹھ صاحب نے کہا ــ " ابھی قاضی صاحب تشریف لائیں گے ۔ آپ کی دیرینہ درخواست کی تکمیل ہو جائے گی ــ "

" ڈیڈی ــ " دفعتہً بینا گلوگیر آواز میں بولی ۔

" بیٹی ــ میں تمھارے حق میں ناانصافی نہیں کروں گا ــ "

اوصاف کو اس کے دوستوں نے گھیر کر کھڑا کر دیا اور وہ افتاں خیزاں سیٹھ صاحب کے سامنے والی کرسی پر جا بیٹھا ۔

" اوصاف ــ ! " یکایک سیٹھ صاحب گرج اٹھے ــ " یاد رکھو ۔ میرا ہاتھ میرے جسم سے جدا کرنا آسان ہے ــ مگر میری بچی کو مجھ سے جدا کرنا آسان کام نہیں ہے ــ دیکھو ۔ پہچانو یہ کیا ہے ــ ؟ "

انھوں نے بجانے کہاں سے ایک کف اسٹڈ برآمد کیا اور اسے ہتھیلی پر رکھ کر اوصاف کو دکھایا ۔ اچانک ایسا لگا جیسے اوصاف اٹھ کر بھاگ جائے گا ــ

" تم نے میری آنکھوں کے سامنے تجوری صاف کی ــ اور پھر مجھ پر حملہ کر کے فرار ہونا چاہتے تھے کہ تمھاری کلائی میرے ہاتھ میں آگئی ۔ حملہ کرنے میں تم کامیاب رہے لیکن اپنا یہ اسٹڈ میری مٹھی میں چھوڑ گئے ــ کیا تم انکار کر سکتے ہو کہ یہ تمھارا نہیں ہے ؟ جب کہ اس کے پیچھے تمھارا نام کندہ ہے ــ "

" سیٹھ صاحب ــ یہ کیا بکواس ہے ــ " دیوان صاحب اپنی نشست

سے اٹھ کر دہاڑے — "بند کیجئے یہ ناٹک — میں یہ مہمل مذاق برداشت نہیں کر سکتا — !"

"نہ یہ ناٹک ہے نہ مذاق ہے — یہ حقیقت ہے مجھ پر قاتلانہ حملہ اوصاف نے کیا تھا —" سیٹھ صاحب نے کہا اور پولیس انسپکٹر سے بولے "اس لڑکے کے ہاتھوں سے ہتھکڑی کھولو اور اس بدنہاد کے لگا دو!"

"یہ ظلم ہے —" دیوان صاحب کی گھن گرج کا کیا پوچھنا مارے طیش کے ناچنے لگے — "اس وقت ہم کو بے بس سمجھ کر من مانی کر لو۔ یاد رکھنا کہ اس توہین کا بدلہ میں سخت اور جلد لوں گا —"

"اب بھی وقت ہے۔ اپنا انتقام کسی اور وقت کے لئے اٹھا نہ رکھیے۔" سیٹھ صاحب نے کہا — "کیا خبر ہے تب تک آپ نہ رہیں یا میں نہ رہوں دیوان صاحب آپ کے صاجزادے سامنے ہیں پوچھیئے وہ انکار کی ہمت نہیں کر سکتے! اگر میرا الزام غلط ہے تو وہ نشانات ثبوت مہیا کریں گے جو وہ میری مجبوری پر چھوڑ آئے ہیں۔ ان کے ساتھی اقرار کریں گے کہ وہ اوصاف کے ساتھ تھے — ! ہاشم! کیا تمھارے سامنے میرے قتل کا منصوبہ اوصاف اور اس کے دوستوں نے نہیں رکھا تھا —"

"نہ صرف آپ کا بلکہ منفتدر کا بھی —" ہاشم نے کہا

اوصاف کا رنگ پریدہ جسم پسینے میں شرابور تھا۔ اس کے ساتھیوں کا یہ حال تھا جیسے پھانسی کے تختے پر کھڑے ہوں! بالآخر صدیقی بول ہی پڑا۔

"ہمیں اس جرم پر اوصاف ہی نے اکسایا تھا جناب — ہم سے کسی کی دشمنی نہیں ہے۔ براہ کرم ہمیں جانے کی اجازت دیجئے۔"

"یہ سارا ڈرامہ ہمیں ذلیل کرنے کے لئے کھیلا گیا ہے۔" دیوان صاحب بھڑک کے

"اگر اوصاف مجرم ہے تو تم نے اس پر پہلے ہی کیوں نہیں ہاتھ ڈالا تھا ۔ مجرم تو وہ ہے۔"

اگر یہ فرضی مجرم بن کر حوالات میں نہ پہنچتا تو اصل مجرم کب ہاتھ آتا ۔ ؟ اوصاف کو کھلی آزادی ملی تھی ! وہ سمجھتے رہے تھے کہ میں دھوکا کھا گیا ہوں ۔ " سیٹھ صاحب نے کہا ۔ حالانکہ یہ میرا ہی پلان تھا ۔ میں اپنی صحت یابی کا منتظر تھا ۔ اور بقول آپ کے اس تماشے کو ہاشم اور عبید کی مدد سے ترتیب دے رہا تھا ۔"

"اوصاف ۔ بزدل بیٹے ۔ تیری زبان کیا ہوئی ؟ کہتا کیوں نہیں ۔ یہ تجھ پر ظلم ہے ۔ زیادتی ہے ۔ تیری توہین ہے ۔" دیوان صاحب یکبارگی بیٹے پر برس پڑے ۔

"ڈیڈی ۔" دفعتہً دہاڑ کر اوصاف کھڑا ہو گیا اور خونخوار نگاہوں سے دیوان صاحب کو گھورتا ہوا بولا ۔ " اگر یہ واقعی ظلم ہے زیادتی ہے اور میری توہین ہے تو اس کے سو فیصدی ذمہ دار آپ ہیں ۔ آپ نے میری کسی ناواجب حرکت پر گرفت نہیں کی ۔ مجھے کسی بھی بدمعاشی سے باز نہیں رکھا ۔ ڈیڈی ۔ یہ ہتھکڑی جو مجھے پہنا پڑی ۔ دراصل وہ آپ کے ہاتھوں میں ہونا چاہیئے تھی ۔ اگر میں اس مقدمہ سے بچ نکلا تو خدا کی قسم اپنی شخصیت کی بربادی کا مقدمہ آپ سے لڑوں گا ۔"

ہتھکڑیاں مقتدر کی کلائیوں سے نکلیں اور اوصاف کی کلائیوں میں پہنچ گئیں ۔ دروازہ کھلا ۔ پولیس نے بھیڑ بکریوں کی طرح سب کو وین میں بٹھایا اور سیٹھ صاحب کو رخصتی سلام کر کے چل دی ۔

"مجھے افسوس ہے ۔" سیٹھ صاحب نے کہا ۔ " آدمی اپنا معاشرہ آپ جنم دیتا ہے اسے خراب کرتا ہے ۔ اسی میں رہنا پسند کرتا ہے ۔ اسے بدنام بھی کرتا ہے اور پھر برے انجام کی طرف بڑھ جاتا ہے ۔"

عبید ہاشم اور مقتدر پاس پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے ــــ

"آمنہ بہن مجھے آپ سے بھی معافی مانگنی ہے ـ اگر میں یہ ڈرامہ نہ کرتا تو شاید اوصاف کو سزا نہ ملتی ـ اگر اسے سزا نہ ملتی تو معلوم نہیں اس کی ذات سے کتنے اور بے گناہ آدمیوں کو ہتھکڑیاں پہنی پڑتیں ــــ کتنے اور مقتدر اس کے ظلم وستم اور دل آزاری کا نشانہ بنتے ـ کتنے بڈھوں کو وہ موت کے گھاٹ اتارتا، کتنی معصوم لڑکیوں کی تباہی کا باعث بنتا ــــ"

"مگر یہ ہوا کیسے ــــ" آمنہ بیگم کے حواس ابھی تک درست نہیں ہوئے تھے ــــ

"مجھے خود بھی معلوم نہیں کہ کس جذبے کے زیر اثر خود کو گرفتار کرانے پہنچا تھا وہ پیارے بیٹے ــــ" شاید اس لئے کہ وہ اپنے دیرینہ دشمن کو صاف بچا کر ایثار، بلندیٔ کردار اور اعلیٰ ظرفی کی مثال قائم کر سکتا ـ یکایک میرے ذہن میں ایک اسکیم آگئی ــــ عبید اور ہاشم میرے تیمار دار تھے ـ میں نے ان سے کہا کہ اسی سلسلے کو میری صحت تک طول دے دو ـ بڑا سرمایہ اس تماشے میں خرچ ہوگیا ــــ پولیس دو ہفتوں سے مسلسل اوصاف کی نگرانی کرتی رہی ہے ـ بہر حال آج یہ تماشہ ختم ہوگیا ــــ"

"اللہ کی پناہ ــــ میری تو جان ہی نکل جاتی ــــ" آمنہ بیگم نے کہا "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ سچ مچ یہ برا کام علی نے کیا ہے ــــ عبید نے مجھ سے کہا تھا کہ بڑی جلدی میں اسے ضروری کتابوں کی فراہمی کے لئے اگپور جانا پڑا ورنہ میں تو مر ہی جاتی ــــ"

مقتدر ــــ اب بھی خاموش تھا ـ ایک مرتبہ سرسری سی نظر بنیا کی کاغذی تصویر پر پڑی اور اس نے آہ بھر کر سر جھکا لیا ــــ

"اب ہمیں اجازت دیجئے جناب —" ہاشم نے بڑی لجاجت سے کہا۔

"جی ہاں۔ میں بھی اجازت چاہتا ہوں — شام کو پھر حاضر ہوں گا —"

عبید بولا — "والدین نمیلے سے آئے ہیں میں ان سے اچھی طرح ملا بھی نہیں"

"شام کو تم دونوں ضرور آنا —" سیٹھ صاحب نے کہا — "جو بات میری

زبان سے نکلی ہے وہ انشاء اللہ عملی جامہ پہنے گی! خدا مبارک کرے —"

"جی؟ کیا فرمایا —؟" عبید نے پوچھا۔

"بھئی — اپنی کوتاہیوں کا کوئی تاوان دینا ہے مجھے —" وہ پھر ہنسے

اور اس طرح مسکرا کر بینا کو دیکھا کہ اس نے بیحد محجوب ہو کر سر جھکا لیا —

مقتدر اپنے دوستوں کو رخصت کرنے باہر نکلا — ہاشم نے ہنس کر اس

کے کندھے پر ہاتھ مارا اور ہنس کر کہا —

"بھئی بڑے ڈرامائی انداز میں سیٹھ صاحب نے اس المیہ کو اختتام

تک پہنچایا —" پھر اس نے قہقہہ لگایا — "اوصاف اپنی دانست میں

نوشہ بن کر آئے تھے —

"سسرال چلے گئے — لوہے کے گہنے پہن کر —" عبید نے ٹکڑہ لگایا!

"مجھے بہت افسوس ہے —" مقتدر نے کہا — "جو کچھ ہوا اسے

ہرگز نہیں ہونا چاہیئے تھا — معلوم نہیں اس ناسمجھ اوصاف نے کیوں شروع

ہی سے مجھ سے دشمنی باندھ رکھی تھی — میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔

میں کبھی اس کی راہ میں نہیں آیا۔ اگر وہ سیٹھ صاحب کی ٹکر کا تھا تو جائز

طریقے سے ان کے خاندان میں شامل ہو جاتا۔ میں تب بھی اس کا راستہ

نہ کاٹتا۔ یہ کہکر اپنے دل کو بہلا لیتا کہ جہاں اتنے بہت سے دکھ میری

زندگی میں ہیں وہاں ایک اور سہی —"

"حوالات میں کیسی گزری ۔۔۔؟" ہاشم نے اس کی بات اڑا کر مضحکہ خیز لہجے میں پوچھا ۔۔۔

"حوالات سے باہر کی دنیا میرے لئے کب حوالات سے کم ہے ہاشم" اس نے تاسف سے ہنس کر کہا ۔۔۔ "وہ ماحول اور یہ ماحول سب برابر ہے"

"چھوڑ دو یار اسے اس کے حالوں پر ۔۔۔" عبید نے بے رخی سے کہا "نہ یہ الٹی مانے گا نہ سیدھی ۔ بیسویں صدی کا دوسرا شو پنہار ہے خواہ مخواہ مغز پچی نہ کرو ۔ آؤ چلیں ۔۔۔"

"شام کو آئیں گے تمھیں دولھا بنانے ۔۔۔" ہاشم نے ہنستے ہوئے کہا ۔۔۔ اچھا خدا حافظ ۔۔۔"

سیٹھ صاحب پر ایک حادثہ گیا گزرا ۔ ان کی قلب ماہیت ہی ہو گئی ۔۔۔ کیا تو وہ طنطنہ تھا کہ مارے رعب کے آنکھ ملا کر بات کرنا محال تھا ۔ کیا تو یہ حال ہو گیا کہ ہنسے دیتے تھے ۔ بزرگ تو کوئی ان کا تھا نہیں ۔ چھوٹوں کو خواہ مخواہ چمکار کر دلار کر بات کرتے ۔ سر پہ ہاتھ پھیرتے ۔۔۔ مارے پیار کے جی اجیرن تھا ۔۔۔

اسی شام کو وہ کوٹھی واپس آئے اور باوجود آمنہ بیگم کے انکار کے انھیں بھی اپنے ساتھ لائے ۔ وہ بے چاری بے حد شرمندہ رہتی تھیں دنیا والوں سے ڈرتیں ۔ ناصرہ خاتون سے الگ چور بنی رہتیں ۔ وہ سیٹھ صاحب کے یہاں آنے پر آمادہ نہیں ہوئیں ۔ کہا تھا ۔

"بیوی۔ تمھیں اپنے عزیز مبارک ۔۔۔ مگر میں اپنے لوگوں اور اپنا گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی! ۔۔۔ میرا یہاں کون ہے ۔۔ میں چلی جاؤں گی۔ مونس کے پاس ۔۔۔!"

مقتدر نے یہ سن کر اپنے کان بند کر لئے اندر بڑے درد سے کراہ اٹھا۔

"خالہ امی ۔ مجھے کس جرم کی پاداش میں یہ سب کچھ آپ کہہ رہی ہیں۔ خدا کے لئے بتایئے میں نے کیا کیا ہے ۔۔ کیوں اتنی غیریت کی باتیں آپ کر رہی ہیں میرا دل تپکتا ہوا ناسور بن گیا ہے خالہ امی ۔ خدارا اسے نہ چھیڑیئے ۔۔۔"

"میرے بچے نہیں تم سے خفا ہوں نہ جلی کٹی سنا رہی ہوں ۔۔۔" وہ کچھ نادم سی ہو گئیں ۔۔ "آخر تم ہی سوچو تمھارے خالو تم کو اور آمنہ کو اپنے ساتھ لئے جا رہے ہیں! بے شک وہ عزیز ہیں لے جائیں مگر میں کس رشتے سے وہاں جاؤں گی؟ مونس کیا کہے گا۔ زبیدہ کیا سوچے گی؟ اور پھر تم خود ہی کہو ۔۔ اکیلے یہاں رہ نہیں سکتی ۔ ایسے میں نہ چلی جاؤں کیا کروں"

"آپ نے یہ کیوں سوچ لیا کہ میں آپ کو چھوڑ کر کہیں جا رہا ہوں ۔۔؟"

"مگر ۔۔ سیٹھ صاحب ۔۔۔!"

"بس ان کی خاطر جاؤں گا اور چلا آؤں گا ۔ آپ کی خوشنودی مقدم ہے خالہ امی ۔ اور دنیا کی تمام خوشیاں رشتہ داریاں سب کچھ آپ کی محبت کے آگے ہیچ ہیں ۔ میں کل پھر آؤں گا ۔۔۔"

انھوں نے اسے لپٹا کر چوم لیا۔

سیٹھ صاحب چاہتے تھے کہ آمنہ بیگم اب ہمیشہ کے لئے کوٹھی میں رہ جائیں لیکن انھوں نے کسی قیمت پر یہ منظور نہیں کیا ۔ ناصرہ خاتون کے اور مقتدر صاحب کے تمام احسانات انھیں یاد تھے ۔ وہ محض دولت کی خاطر

احسان فراموش اور دولت پرست کہلانا نہیں چاہتی تھیں۔ صاف کہہ دیا کہ وہ ناصرہ خاتون کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتیں۔

"میں چاہتا تھا کہ مقتدر میرا بیٹا بن کر میرے ساتھ رہتا!" سیٹھ صاحب نے بڑے جانگداز لہجے میں کہا۔ "مینا کا ساتھ کچا ساتھ ہے مجھے اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ یہ دولت، یہ سارا کاروبار۔ یہ سب۔ یہ سب کون سنبھالے گا؟ جائداد میں نصف کی شریک ردمانہ ہے۔ مگر نصف جو مینا کا ہے وہ بھی اس اکیلی کے بس کا روگ نہیں!! اگر آپ یہاں رہ جائیں تو شاید۔"

"مینا تو یوں بھی میرے ہی پاس آتی بھائی صاحب۔ کیا آپ اسے دے نہیں چکے۔"

"بے شک بے شک۔ خیر مجھے کیا۔" وہ یکایک خوش ہو گئے۔ "جو کچھ ہے وہ مینا کا ہے یا پھر مقتدر کا۔ دونوں جانیں ان کا کام جانے اب میں اللہ اللہ کروں گا۔"

"تو مجھے جانے دیجئے۔ بہن اکیلی ہوں گی۔"

شادی کے انتظام کے سلسلے میں تو انھیں ہفتہ عشرے کے لئے بلا لیجئے پھر دیکھا جائے گا۔

اور اس طرح ناصرہ خاتون بھی کوٹھی میں آرہیں۔ شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ سیٹھ صاحب کا علاج جاری تھا! یا تو وہ واقعی صحت مند ہو رہے تھے یا پھر اپنی تکلیف ظاہر نہیں کرتے تھے کیونکہ پہلے کی طرح ہشاش بشاش وہ عورتوں کے ساتھ گھل مل کر عورتوں ہی کی طرح شادی بیاہ کی باتیں کیا کرتے۔

آمنہ خاتون اپنے عزیزوں کو چھوڑ نہیں سکتی تھیں تار دے کر زبیدہ، مونس اور دونوں کے سارے خاندان کو بلایا۔ سلمیٰ کی والدہ سے بڑا بہناپا ہو گیا تھا انھیں زبردستی مدعو کیا اور اس طرح سلمیٰ بھی آئی ـــ

مقتدر اس سے چھپا پھرتا تھا ـــ ویسے بھی باہر اس کے دوست اسے گھیرے رہتے تھے لیکن ایک شام جب وہ باہر سے اندر آ رہا تھا سلمیٰ سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی ـــ

"مبارک ہو ـــ" اس نے چپکے سے کہا۔ مقتدر نے اس کے لہجے میں طنز، حسد اور جلن کے جذبات تلاش کرنے چاہے مگر ناکام رہا وہ بڑی سادگی اور معصومیت سے مسکرا رہی تھی ـــ

"مینا بہن مجھے بڑی اچھی لگیں ـــ" وہ مسکرائی ـــ "آپ خوش نصیب ہیں وہ تو میری اس قدر مخلص سہیلی بن گئی ہیں کہ مجھے اپنی تقدیر پر رشک آنے لگا ہے ـــ دیکھئے ـــ اپنی اگلی زندگی میں کبھی میری کسی حماقت کا تذکرہ ان سے نہ کر دیجیے گا ـــ میں تو اب ہمیشہ کے لئے آپ دونوں سے جدا ہو ہی جاؤں گی ـــ مگر کیا فائدہ مینا بہن کے دل میں ایک خلش جاگ اٹھے ـــ"

وہ تب بھی خاموش ہی رہا۔ سلمیٰ اندر چلی گئی مقتدر سوچ رہا تھا اگر سرفراز بھائی منظور کر لیں تو اس کا اور عبید کا کیسا اچھا ساتھ تھا ـــ

رات کے کھانے کے بعد بے حد دلچسپ محفل جمتی ـــ سیٹھ صاحب نہایت خوش دلی سے حصہ لیتے ـــ ایک رات مناسب موقعہ پر

مقتدر نے سرفراز سے تذکرہ کیا۔ وہ عبید کو دیکھ چکے تھے مگر ٹھنڈی سانس بھر کر بولے۔

"وہ لڑکی بیوقوف ہے پتہ نہیں منظور کرے یا پھر مجھے تمھاری طرح غیروں سے شرمندہ ہونا پڑے۔"

"آپ منظور کر لیجئے سلمیٰ کو میں سمجھاؤں گا۔" مقتدر نے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ سلمیٰ نے صرف اس کی خاطر ایثار کیا تھا۔ عبید سے وہ ہرگز انکار نہ کرے گی۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ؟ سرفراز نے کہا" تم پر بھروسہ کرتا ہوں۔"

جب بات سیٹھ صاحب تک پہنچی تو وہ خوش ہو کر بولے "بہت مناسب۔ میں اس لڑکی کو برابر دیکھ رہا ہوں، میری ہی بچیوں کا روپ ہے اور عبید کا کیا کہنا۔ وہ تو فرشتہ ہے۔"

سلمیٰ نے جب کوئی انکار نہیں کیا بلکہ سرفراز کے حکم پر سر جھکا دیا تو اس کی امی کو نئی زندگی ملی۔

"دونوں شادیاں ایک دن اور ایک ساتھ ہوں گی۔" سیٹھ صاحب نے کہا۔

"مجھے گھر جا کر انتظام کرنا پڑے گا۔" سلمیٰ کی امی نے جلدی سے کہا۔

"ارے کہاں کا گھر۔ میں اپنی روما نہ کی جگہ سلمیٰ کو سمجھ رہا ہوں وہ بھی اسی گھر سے رخصت ہو گی۔ سیٹھ صاحب نے ناطق حکم سنا دیا "اگر مینا اور سلمیٰ میری لڑکیاں ہیں تو مقتدر اور عبید میرے لڑکے۔

میں لڑکیاں نہیں بیاہوں گا بلکہ بہوئیں لاؤں گا۔ مطلب یہ کہ بچیاں مجھ بیمار زخمی اور معذور بوڑھے کو تنہا چھوڑ کر سسرال نہیں جائیں گی۔ میرے بیٹے میرے گھر بہوئیں لائیں گے۔۔۔"

آمنہ بیگم کا دل بھر آیا۔۔۔ اللہ اللہ۔ انسان اتنا بھی بدل سکتا ہے۔ البتہ ناصرہ خاتون نے کہا۔۔۔ "واہ واہ۔ بھائی صاحب۔ دیکھ لی آپ کی ہوشیاری آپ چاہتے ہیں آپ کے دونوں میٹھے ہوں یعنی لڑکیاں بھی گھر سے نہ جائیں۔ اور لڑکے مفت میں ملیں۔۔۔"

"پکڑ لی آپ نے چوری۔۔۔" سیٹھ صاحب نے بچوں کی طرح قہقہہ لگایا۔

عبید نے اکیلے میں مقتدر سے شکایت کی۔

"کس لڑکی کو بے جانے بوجھے سر منڈھ رہا ہے یار۔۔۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ"

"عبید، بس یہ سمجھو کہ وہ میری بہن ہے۔۔۔" مقتدر نے کہا۔

"تو پھر چشم ما روشن دل ما شاد۔۔۔" عبید نے سو بار نہ قناعت سے کہا مقتدر کو ہنسی آگئی۔

کئی دن گزر گئے تھے۔۔۔ نہ تو مینا کو موقعہ ملا کہ وہ مقتدر سے ملتی نہ مقتدر نے اس کی کوشش کی! ویسے دونوں کی محفلیں جاندار تھیں۔ مینا جتنی اکیلی تھی اب اتنی ہی مصروف ہو گئی۔ مقتدر کو بھی فرصت نہ ملتی۔۔۔ دوستوں کے جمگھٹے لگے رہتے۔۔۔ مگر ایک کسک تھی جو دونوں کو اپنی جگہ بے چین کئے تھی۔ دل کی ہنسی کھو کھلی۔۔۔ خوشیاں ادھوری اور زندگیاں بے رس تھیں۔ مینا مقتدر سے معافی مانگنے کے لئے بے چین تھی۔۔۔ مقتدر اس سے یہ کہنے کے لئے بے قرار تھا کہ وہ مینا سے خفا نہیں ہے۔۔۔

ایک شام ڈاکٹر سیٹھ صاحب کی دیکھ بھال کے بعد باہر گیا تب اسے اچانک

مقتدر بھی ساتھ گیا۔ واپسی میں اچانک مبینا کا سامنا ہو گیا۔ شاید وہ سیٹھ صاحب کی خیریت معلوم کرنے آئی تھی۔

مقتدر برآمدے کی ریلنگ کا سہارا لے کر ٹھٹک گیا اور بڑے محبت پاش انداز میں مبینا کو دیکھنے لگا۔ ایک پل کے لئے مبینا کی نظریں اٹھیں اور اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر پھر جھک گئیں اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ کس پیرایہ میں معافی مانگے! بہت سوچ کر بولی۔

"میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔"

مقتدر نے سنجیدگی سے کہا۔ "جی ہاں۔ سنا ہے کہ لڑکی کو اپنے منگیتر سے شرمانا ہی چاہیئے۔" مبینا اس کی بات اڑا گئی خود بھی سنجیدگی سے بولی۔ "شاید آپ کو احساس ہو کہ میں پچھلے دنوں کتنی پریشان تھی۔ اکیلی تھی۔ معلوم نہیں کہ ڈیڈی کے اچانک واقعہ نے میرے حواس کیسے پراگندہ کر دیئے کہ میں نے بے وجہ آپ پر شبہہ کیا۔ خدا کے واسطے مجھے معاف کر دیجئے۔"

"جی۔!" مقتدر نے گول مول سا لفظ کہہ دیا۔ وہ اس کی پشیمانی سے لطف لے رہا تھا۔! اس کی نظریں اس کے سراپا پر نثار ہو رہی تھیں۔ سفید لباس میں جوہی کی کلی لگ رہی تھی۔

"مجھے معلوم ہے کہ آپ مجھ سے بہت خفا رہے ہیں۔" مبینا نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "اتنے دن گزر گئے مگر آپ مجھ سے نہیں ملے۔ اتنا بھی حق آپ نے استعمال نہیں کیا۔ میری کسی نازیبا حرکت پر آپ مجھے برا بھلا کہہ سکتے تھے۔ کیا آپ اتنے بھی اپنے نہیں۔"

مقتدر اس کے پاس سرک آیا۔ مبینا کی نگاہیں اس کے قدموں پر پڑیں۔ جو اس سے بڑے قریب تھے۔ پھر یک لخت اسے

شرم آنے لگی۔

"مینا —" ایک مدھر نغمہ کی طرح مقتدر کے لبوں سے نکلا۔ "میں تم سے بالکل خفا نہیں — آدمی اگر اپنی زندگی سے خفا ہو جائے تو پھر جیئے کیسے —؟"

بہترین ڈائیلاگ ہے —"

اچانک پاس سے آواز آئی — مینا یکبارگی ہوش میں آگئی — مقتدر الگ بوکھلا گیا —

دروازے میں سلمیٰ کھڑی ہنس رہی تھی —!

"سلمیٰ تم —" بے حد جھینپ کر مقتدر بولا — "آواز بھی نہیں دی —

"تالی بجا کر آپ نے تخلیہ کا حکم تو نہیں دیا تھا —" سلمیٰ بولی "اکیلی میں ہی نہیں — بھابی اور باجی بھی یہ تماشہ دیکھ گئیں — غنیمت ہوا کہ بھائی صاحبان ادھر نہیں چلے آئے — مگر یہ آخر ہے کیا۔ سرِ راہ چلتے پھرتے ڈائیلاگ؟ —" وہ برا سا منہ بنا کر خاموش ہو گئی —

سیٹھ صاحب کی آواز پر مقتدر اپنی جان چھڑا کر بھاگا —

مینا اور سلمیٰ کی نظریں ملیں — پھر بلا مدعا دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

ختم شد

نسیم انہونوی کے وہ اصلاحی ناول جو ہر گھر کی شریف خواتین اور لڑکیاں پڑھتی ہیں

آج کے دور میں صرف

نسیم انہونوی

کے ناول اتنے پاکیزہ اور سبق آموز ہوتے ہیں کہ انھیں بلا تکلف خواتین کے مطالعہ میں لایا جا سکتا ہے۔ ان کتابوں کی موجودگی آپ کے اعلیٰ اور پاکیزہ ذوق کا ثبوت ہوگی

آفاق 3/-	شوہر کا روگ 1/25	پرایا دھن 10/-	تمنا 4/50
ارمان 6/50	شبنم 2/50	طرز زندگی 2/50	شگفتہ 3/-
شبانہ 7/-	مہتاب 4/-	گل رو 4/-	مہ پارہ 6/-
بانو 8/-	خاتون 10/-	نشاط 6/-	مس طلعت 5/-
نجم السحر 5/-	کہکشاں 8/-	حسینہ 5/-	رحمت 3/50

سراب زندگی
4/50

ملنے کا پتہ

نسیم بکڈپو لکھنؤ

خواتین کے لکھے اور نسیم بکڈپو لکھنؤ کے شائع کردہ
چند پاکیزہ اور دلچسپ ناول

ناول	مصنفہ	قیمت
بہار جاوداں	زبیدہ خاتون صدیقی	4/-
نزہت آرا بیگم	"	3/75
آنسو ہی ملے	وسیم بانو قدوائی	4/-
جگمگاتے اندھیرے	"	3/-
غبار کے پیچھے	"	5/-
نفرت کی آندھی	"	4/-
سنہرا سنگم	"	5/-
معصوم گناہ	"	5/-
دو روپ	ہاجرہ نازلی	6/-
غم دوراں	"	5/50
سفینہ	"	3/50
ببول کے سائے	"	7/50
نشاط غم	"	10/-
گمنام	خدیجہ رحمن	4/-
گردشیں	سرور جہاں	5/-
پیار کی خوشبو	"	5/50
نئی صبح	"	5/50